غدیرِ خم

شائع کردہ :-

بورڈ آف ٹرسٹیز شاہِ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی

۶۱۳۱۶۲
ایچ ۳۶ - رضویہ سوسائٹی - کراچی ۱۸ - فون نمبر ~~۶۱۰۵۱۲~~

مطبوعہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۷۷ء

فہرست تصاویر

میں نے اس کتاب نامی غدیر خم کے صفحہ ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۸۷، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۸۲، ۷۶، ۶۹، ۷۰، ۹۰، ۹۵، ۹۲، ۹۴، ۱۰۰، ۸۴، ۶۱، ۵۹، ۶۲، ۳۷، ۳۵، ۳۹، ۴۰، ۳۳، ۲۶، ۳۱، ۲۸، ۲۷، ۲۳، ۱۸، ۲۲، ۱۷، ۲۰، ۲۱، ۱۹ میں مندرج آیاتِ قرآنیہ کو حرفاً حرفاً غور و امعان نظر سے پڑھا تصدیق کیجاتی ہے کہ ان کے الفاظ و اعراب و کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے

امام اہل بیت جامع مسجد لیاقت آباد کراچی

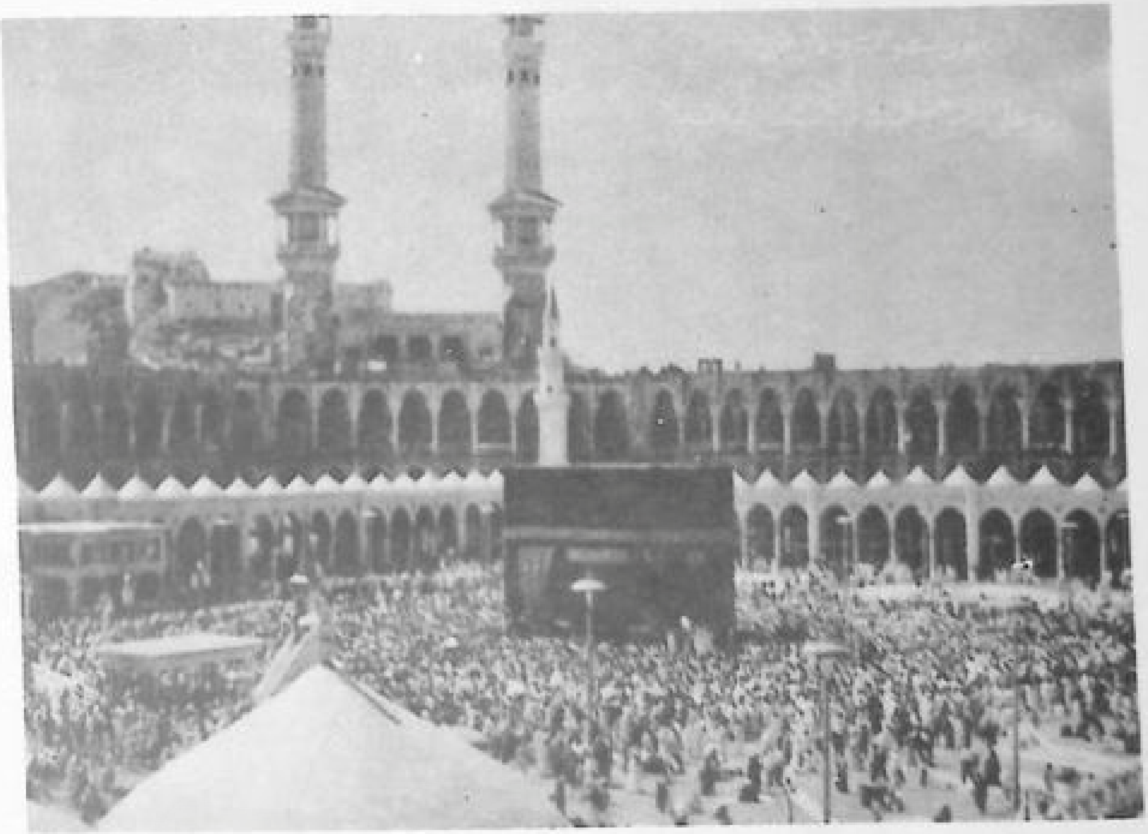
(مولانا محمد لیٰسین)

امام اہل بیت جامع مسجد لیاقت آباد کراچی

حکومتِ پاکستان کے مقرر کردہ پروف ریڈر برائے قرآنی آیات

محمد لیٰسین سند یافتہ ۱۹ لیاقت آباد کراچی A-7 8 /

مطبوعہ: شیخ شوکت علی پرنٹرز کراچی

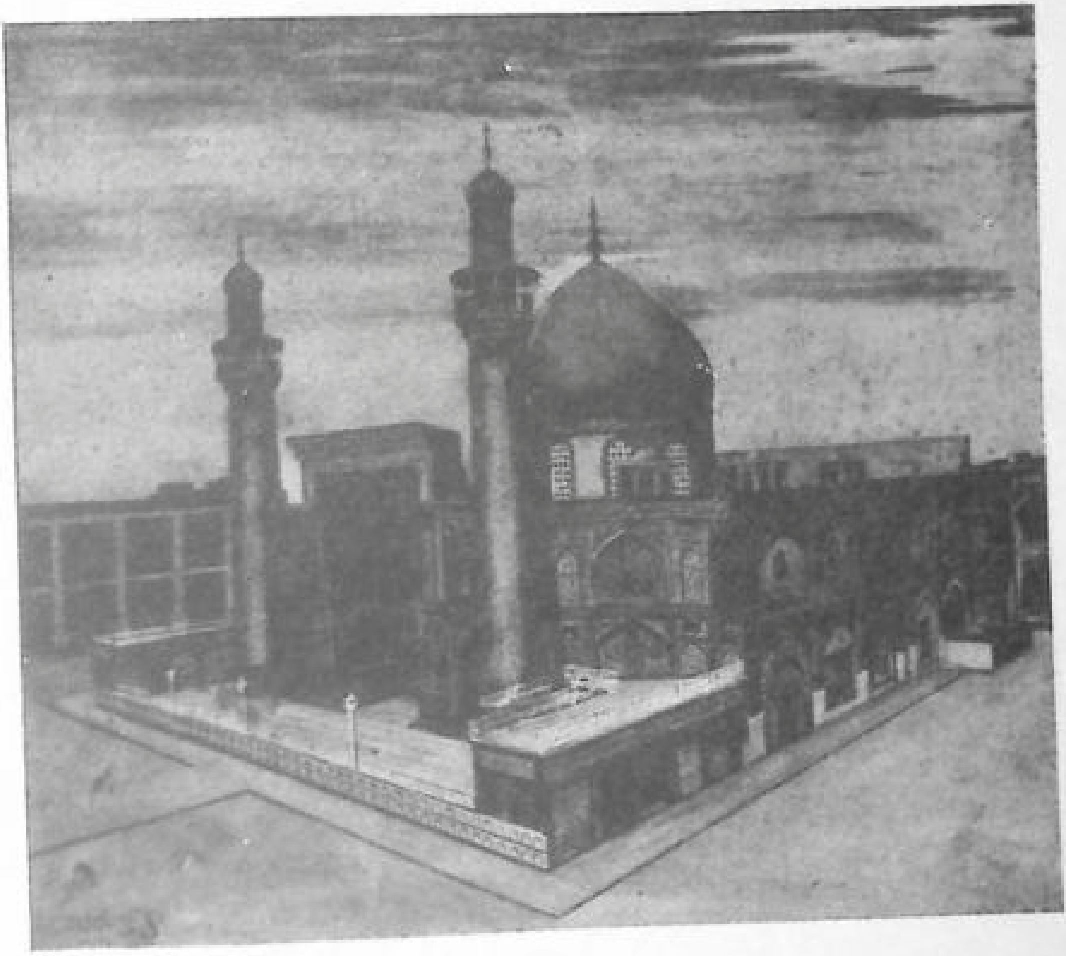


خانۂ کعبہ، قبلۂ مسلمین (ولادت گاہ حضرت علی علیہ السلام)

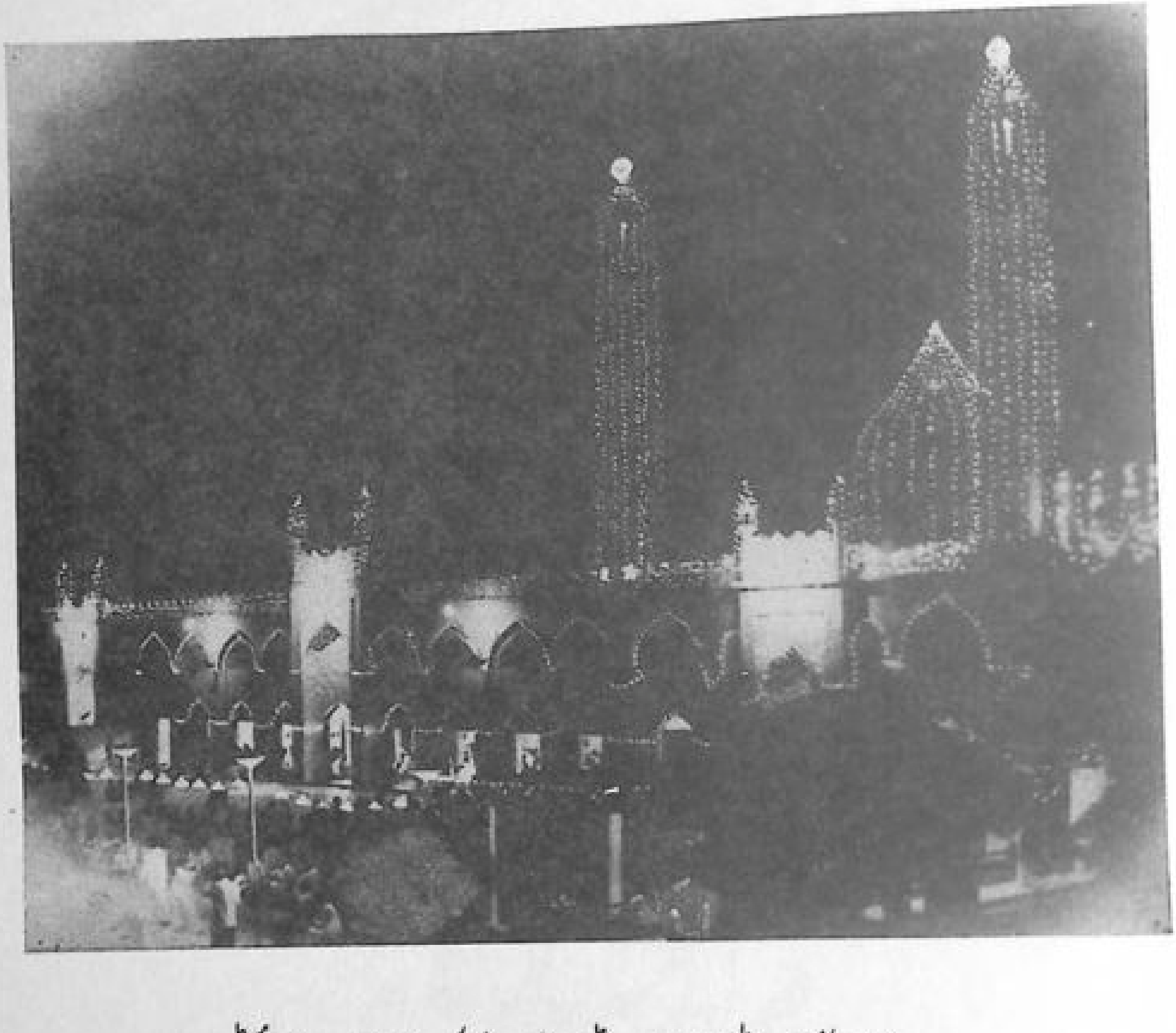


مسجد نبوی و روضۂ مبارک حضرت محمد مصطفیٰ ؐ

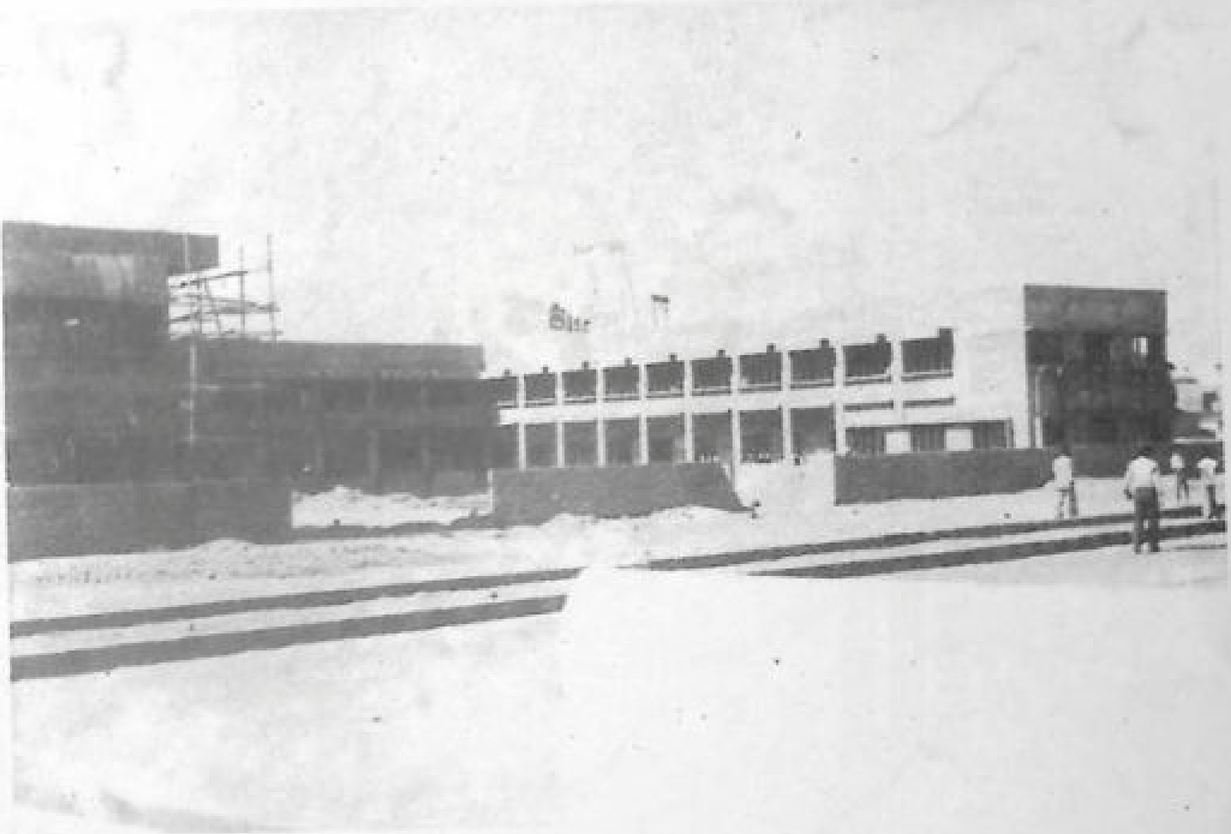
و حجرہ جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا



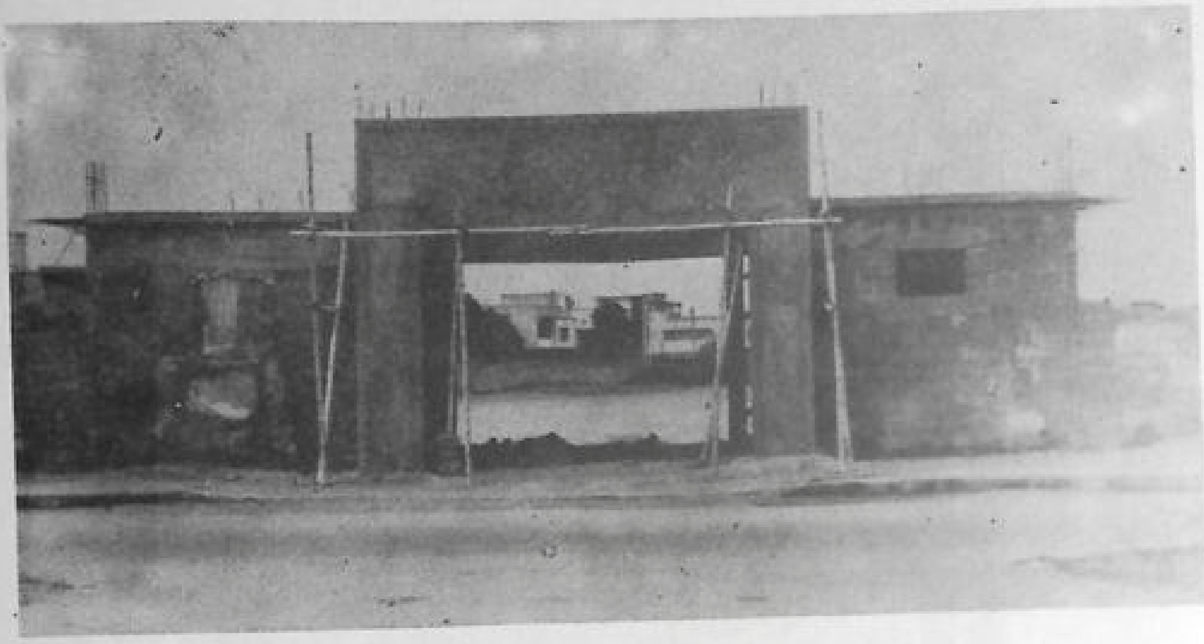
روضۂ مبارک مولودِ کعبہ حضرت علی علیہ السلام

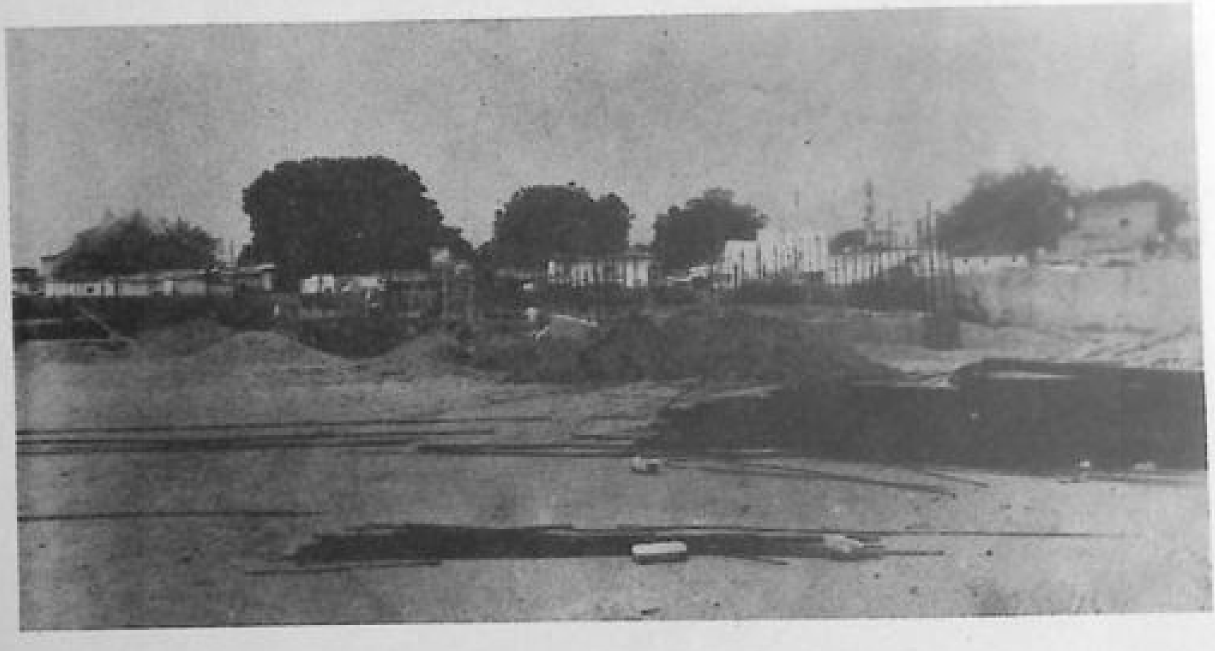


مسجد، امام باڑہ، امام باڑہِ زنانہ شاہِ کربلا رضویہ سوسائٹی
سبیل حضرت عباسؑ علمدار اور غسل خانہ میت



امام زین العابدین اسپتال و حضرت خدیجہ میٹرنٹی ہوم ۔ رضویہ سوسائٹی





امام حسن عسکریؑ پبلک اسکول برائے خواتین۔ رضویہ سوسائٹی

جو خدمات انجام دے چکے ہیں



مولانا سید انیس الحسین رضوی التقوی مرحوم
بانی ممبر، سابق صدر رضویہ کوآپریٹو
ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ و ٹرسٹی



سید حضور الحسنین زیدی مرحوم
بانی ممبر و سابق آنریری سیکریٹری
رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ



سید طفیل حسین زیدی
بانی ممبر و سابق ٹرسٹی



سید زین العباد رضوی مرحوم
سابق صدر، رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ

جو خدمات انجام دے چکے ہیں



مرزا اقبال حسین قزلباش مرحوم
سابق صدر
رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ



مرزا محمد مجتبیٰ آفندی مرحوم
سابق ٹرسٹی



مرزا عاشق حسین مرحوم
سابق صدر
رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ



سید ذاکر حسین تقوی مرحوم
سابق آنریری سیکریٹری
رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ
و ٹرسٹی

جو خدمات انجام دے چکے ہیں

۹۔ محمد امیر احمد خان مرحوم راجہ محمود آباد۔ صدر بورڈ آف ٹرسٹیز شاہِ کربلا ٹرسٹ۔

۱۰۔ لیڈی نصرت عبداللہ ہارون مرحومہ سابق صدر رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ
و صدر شعبہ نسواں شاہِ کربلا ٹرسٹ۔

۱۱۔ آغا سلطان مرزا مرحوم۔ سابق چیئرمین رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ۔

۱۲۔ بیگم فرخ جرار قزلباش مرحومہ۔ آنریری سیکریٹری شعبہ نسواں شاہِ کربلا ٹرسٹ

۱۳۔ سید نذر عباس زیدی مرحوم۔ بانی ممبر رضویہ سوسائٹی و سابق ٹرسٹی شاہِ کربلا ٹرسٹ۔

۱۴۔ کاظم علی خاں۔ سابق آنریری سیکریٹری، رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ

۱۵۔ مرزا محمد شبیر قزلباش۔ سابق چیئرمین، رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ

۱۶۔ سید محمد عباس کاظمی۔ سابق آنریری سیکریٹری رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ۔

۱۷۔ سید علی مقدس رضوی مرحوم۔ سابق آنریری سیکریٹری، رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ۔

۱۸۔ منور عباس۔ سابق سیکریٹری، رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ۔

۱۹۔ مصطفےٰ اعلیٰ خاں۔ سابق آفس سپرنٹنڈنٹ رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ۔ شاہِ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی لمیٹڈ۔

شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی کی خدمت کر رہے ہیں



۱۔ میر علی مراد خان تالپور۔ خیر پور میرس

۲۔ سیٹھ حمید ڈلی۔ حبیب



۳۔ سید مسیب علی زیدی



۴۔ مرزا آفتاب عالم قزلباش

شاہِ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی کی خدمت کر رہے ہیں



۵- سید آغا محسن جعفری



۶- ڈاکٹر کیپٹن سید الیاس اصغر شاہ



۷- سید انوار حسین زیدی



۸- سید شاکر حسین

شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی کی خدمت کر رہے ہیں



۹۔ سید مصباح الحسنین جعفری



۱۰۔ سید مسعود الحسن نقوی



۱۱۔ سید اختر حسین زیدی



۱۲۔ سید محمد صالح

شاہِ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی کی خدمت کر رہے ہیں



۱۳- سید دلشاد حسین رضوی



۱۴- آغا محمد امیر مرزا



۱۵- سید محمد مہدی جعفری



۱۶- سید محمد ضامن رضوی

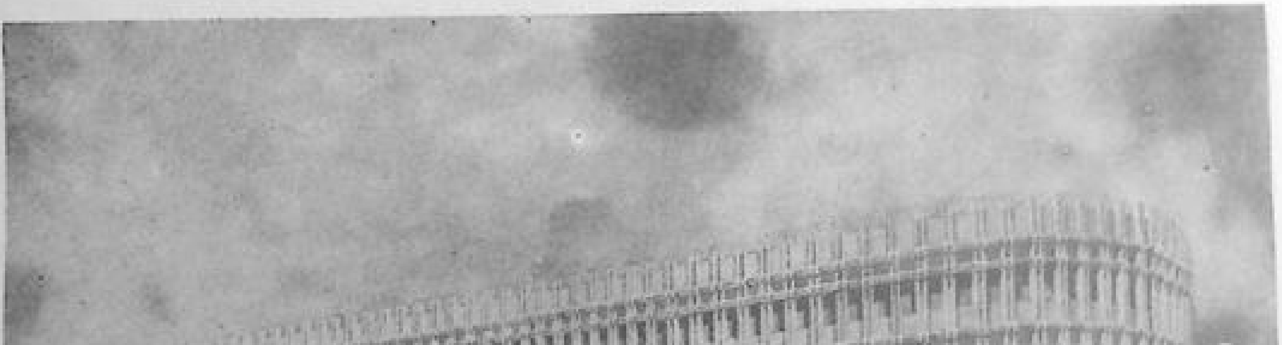
شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی کی خدمت کر رہے ہیں



۱۷۔ سید صفدر رضا نقوی



۱۸۔ سید امیر حسنین زیدی



فروش گاہ رضویہ (کمرشیل مارکیٹ)

جو خواتین شاہِ کربلا ٹرسٹ شعبۂ نسواں کی خدمت کر رہی ہیں

۱۔ بیگم دولت انوار ہدایت اللہ
۲۔ حضرتی بیگم
۳۔ فاطمہ بیگم مولانا انیس الحسنین
۴۔ شاہجہاں بیگم ڈاکٹر مونس
۵۔ سکینہ خانم
۶۔ پروین سعید ہارون
۷۔ سیدہ بیگم ساجد حسن
۸۔ بیگم آغا محسن جعفری
۹۔ سلطانہ بیگم حسن احمد جعفری
۱۰۔ رباب بانو بیگم امیر مرزا
۱۱۔ بیگم ہادی رضا
۱۲۔ بیگم انصار حسین عابدی
۱۳۔ بیگم ثروت حسین
۱۴۔ بنت الحسن بیگم شمس الحسن
۱۵۔ انیسہ بیگم رضوی
۱۶۔ مہ رُخ جہاں بیگم صادق حسین
۱۷۔ بلقیس بیگم احمد علی جعفری
۱۸۔ بلقیس جمال بیگم ظہیر
۱۹۔ شاندار بیگم ظفر عباس
۲۰۔ جمیلہ بیگم شبر رضا
۲۱۔ صغریٰ بیگم سید حسین

فہرست مضامین غدیر خم

ہدیہ ۱۴/- روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد حمدِ خدائے برتر درود و سلام بر محمدؐ و آلِ محمدؐ التماس ہے کہ شاہِ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی نے جو خدماتِ قوم اپنے وجود میں آنے کے بعد انجام دیں ان کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

تعمیر مسجد و امام بارگاہ۔ گو کہ رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام مسجد کی تعمیر شروع ہو چکی تھی ازاں بعد عالیشان ہال تعمیر کیا گیا اور امام بارگاہ کے شہ نشین کو اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ شہ نشین میں نصب شدہ علم اور شبیہہ ضریح و دیگر متبرک اشیاء کی زیارت بھی ہوتی رہے اور ان میں مجالس و محافل کسی بھی طرح شہ نشین کی حرمت بھی متاثر نہ ہو۔ نیز اگر ضرورت پڑے تو ہال میں شادی کی تقریب بھی ہو سکے۔

تعمیر فروش گاہ رضویہ شاہِ کربلا ٹرسٹ نے چورنگی سے ملحق پندرہ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک عمارت تعمیر کرائی جس میں ۳۶ دوکانات اور کمرے ہیں جو برائے دفاتر مختص کئے گئے ہیں۔ نیز حبیب بنک کی ایک شاخ بھی رضویہ سوسائٹی برانچ کے نام سے اس عمارت میں واقع ہے

تعمیر امام زین العابدین اسپتال و حضرت خدیجہ میٹرنٹی ہوم

ہماری قوم نے تعمیر اسپتال کی جانب سوائے سیٹھ حبیب فیملی کے کسی نے کبھی قدم نہیں اٹھایا۔ بحمد اللہ شاہ کربلا ٹرسٹ نے اس سلسلے میں قدم اٹھایا اور چھ جنرل وارڈس جن میں قریباً اسّی بستر لگائے جا سکیں گے۔ اور اسپیشل کمرے تعمیر کرائے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم اور آئمہ معصومینؑ کے طفیل میں یہ عمارت بھی اپنے تکمیل کے آخری مراحل کو طے کر رہی ہے۔

اسکول۔ گو شاہ کربلا ٹرسٹ نے اسپتال کی تعمیر سے قبل ہی اس اسکول کی عمارت کو شروع کر دیا تھا لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر اس عمارت کی تعمیر کو روکنا پڑا تھا۔ بحمد اللہ اب اس عمارت کی تعمیر بھی شروع کی جا رہی ہے۔

عملے کے لئے کوارٹرس شاہ کربلا ٹرسٹ کے عملے کے لئے متعدد کوارٹرس تعمیر کرائے گئے ہیں جن میں بجلی پانی۔ سوئی گیس وغیرہ جیسی سہولتوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ ادارے نے مسجد کے اخراجات کے لئے خود کفیل بنانے کے لئے ۴۳ دوکانات بھی احاطے کے ساتھ ساتھ تعمیر کی ہیں۔

ادارے نے اپنی تمام تر توجہ صرف تعمیرات تک مرکوز نہیں کی بلکہ ملت کی سب سے اہم ضرورت کو مدنظر

رکھتے ہوئے اموات کی تجہیز و تکفین کے لئے خصوصی انتظامات کئے گئے جس کی سہولت سے تمام کراچی کے مومنین استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ بس میت کا بھی انتظام کیا گیا اور صرف اخراجات کی حد تک بس کے کرائے کے طور پر عطیہ حاصل کیا جاتا ہے اس کے علاوہ لائبریری کے لئے کتب حاصل کی گئیں اور دفتر ٹرسٹ سے متصل ایک بڑے ہال کو لائبریری کے لئے مختص کیا گیا ہے

شاہ کربلا ٹرسٹ کی جانب سے ایام عزا میں مجالس برپا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ یکم محرم الحرام سے لے کر چہلم امام تک عزاخانے میں مسلسل مجالس عزا کا اہتمام رہتا ہے جس میں عشرۂ اولیٰ میں صبح اور شب میں دو مجالس روزانہ برپا کیجاتی ہیں ازاں بعد مذکورہ عشرۂ ثانی و عشرۂ ثالث حتیٰ کہ چہلم تک مجالس برپا ہوتی ہیں جس میں پاکستان کے مشہور ذاکرین اور نوحہ خواں ذاکرین خطاب فرماتے ہیں۔ شب ہائے غم ماہ رمضان میں بھی تین دن تک مجالس برپا ہوتی ہیں علاوہ ازیں خصوصی تواریخ ولادت و شہادت آئمہ معصومین علیہم السلام شاندار محافل و مجالس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ نیز محافل میں چراغاں بھی کیا جاتا ہے۔

بعض وجوہ کی بنا پر اب تک ۱۸ ذی الحجہ کو وہ اہمیت نہیں دی جا سکی تھی جس کی یہ تاریخ مستحق ہے اب ٹرسٹ نے طے کیا کہ اس تاریخ کی خصوصیت و اہمیت کے پیش نظر اس موقعہ پر ٹرسٹ کسی نئے شعبے کا افتتاح کرے۔ چنانچہ علماء کرام سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے مقالے اس جشن کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مرحمت فرمائیں تاکہ ایک مجلہ شائع کر کے مومنین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

ادارہ ان سب علماء کرام کا شکر گزار ہے کہ جنہوں نے صرف اپنی کاوش و افکار کو سپرد قلم فرمایا بلکہ ادارے کے اس اقدام کو ایک نیک فال سے تعبیر کرتے ہوئے ادارے کی بے حد ہمت افزائی فرمائی۔ ادارے کو افسوس ہے کہ ادارہ بعض دشواریوں کی بنا پر ادارہ اس قدر ضخامت کا مقالہ شائع نہ کر سکا جس کے مستحق اس مجلے کے مقالے ہیں امید ہے کہ مومنین و علمائے کرام ادارے کی پہلی کاوش کی بنا پر ادارے کی معذرت قبول فرمائیں گے

ہمارے منصوبوں میں سے چند کی جھلکیاں

۱۔ ہم کو قبرستان کے لئے زمین الاٹ ہو چکی ہے جیسے ہی زمین پہ قبضہ ملا ہم اس پر اپنی روایات سابقہ کے مطابق چہار دیواری اور قبروں کی تعمیر کی منصوبہ بندی کریں گے۔

۲۔ ایک ایسے مدرسے کی تعمیر کی تکمیل جس میں۔ دینی۔ ثقافتی اور پیشہ وارانہ تعلیم جس میں مردانہ اور زنانہ شعبے جداگانہ ہوں گے۔

۳۔ ایک شایانِ شان لائبریری۔

۴۔ مسافر خانہ

۵۔ تعمیر کمیونٹی ہال۔

ھدیۂ تشکر!

شاہ کربلا ٹرسٹ محترمین مولانا سید رضی جعفر نقوی صاحب، مولانا مشتاق حسین شاہدی صاحب اور جناب سید ضیاء الحسن موسوی صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہے۔ جنھوں نے باوجود اپنی بے حد مصروفیات کے اس مجلّے کی ترتیب میں عملی طور پر حصّہ لیا اور ہماری راہ نمائی فرمائی۔ ہم جناب غلام عباس صاحب پرنٹرس کے بھی ممنون ہیں جنھوں نے طباعت کی بابت ہمارے مجلّے کے لئے ضروری معلومات بہم فرمائیں۔ آخر میں ہم جناب محمد صالح صاحب کے شکر گزار جنھوں نے اپنے خاص اہتمام کے تحت اس مجلّے کو شائع کیا۔

کمیٹی تصنیف و تالیف

بورڈ آف ٹرسٹیز۔ شاہِ کربلا۔ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی ۱۸

باسمہٖ سبحانہٗ

از علامہ علی حسنین شیفتہ ایم۔اے تاج الافاضل



مسئلۂ نصب امام

تحلیل.........و تجزیہ.........و تحقیق.......

اسلام دینِ فطرت ہے یعنی فطرت انسانی کے تمام فطری تقاضوں کو اعتدال و توازن کے ساتھ پورا کرتا ہے فطری تقاضوں کے اعتبار سے انسان کے لئے انفرادی زندگی بھی ضروری ہے اور اجتماعی زندگی بھی۔ وہ اپنی زندگی کے بعض حصوں کو خلوت و تنہائی میں بسر کرنا بھی پسند کرتا ہے لیکن اس کے لئے اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ انسان فطری طور پر ایک معاشرتی مخلوق ہے اسلام کو دینِ فطرت ہم اسی لئے کہتے ہیں کہ اسلام انسان کی انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں کے تمام فطری تقاضوں کو اعتدال و توازن کے ساتھ پورا کرنے کی مکمل ضمانت دیتا ہے۔

اجتماعی و معاشرتی زندگی میں انسان ہر حیثیت سے آزاد نہیں ہوتا یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی معاشرے کا کوئی ایک فرد جو بھی چاہے سو کرے اور جیسے بھی چاہے رہے کیونکہ اس کے اوپر معاشرے کی جانب سے بہت سی پابندیاں عائد ہوتی ہیں یہ پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں کہ معاشرے کے ہر فرد کو اسکی ضروریات کے مطابق زندگی بسر کرنیکا موقع مل سکے۔ اور کوئی شخص دوسرے کی ضروریاتِ زندگی میں حارج نہ ہو یہی وجہ ہے کہ ہر معاشرے میں اجتماعی تمدنی زندگی بسر کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ قوانین بن جاتے ہیں خواہ وہ رسم و رواج کی شکل میں ہوں خواہ کسی اور شکل میں اور اگر ان قوانین کی خلاف ورزی کی جائے تو کوئی نہ کوئی شخص یا کوئی نہ کوئی حلقہ یا کوئی نہ کوئی ادارہ ایسا ضرور ہوتا ہے جس سے اس کی شکایت کی جا سکے اور معاشرے کے قوانین کو چلا سکے اگر قوانین کو نافذ کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کے لئے کوئی شخص، حلقہ یا ادارہ موجود نہ ہو تو قوانین کا نافذ و محفوظ رہنا ناممکن ہے۔

یہ ایک عمومی گفتگو تھی۔ مختلف معاشروں کے قوانین اچھے ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ ہمیں ان سے سروکار نہیں۔ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب ہے۔ وہ ہمہ گیر بھی ہے اور عالمگیر بھی۔ وہ ساری انسانیت کو ایک ہی دینی رشتے میں منسلک کرنے کو آیا ہے۔ اس کا پیغام ہر زمانے کے لئے اور ہر مقام کے بسنے والوں کے لئے ہے۔ خواہ وہ

رنگ و نسل و زبان کے اعتبار سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔

ایسے ہمہ گیر و عالمگیر اور فطری دین کے لئے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ اس کے جملہ قوانین منظم و مرتب ہوں۔ اسلام ایک الہامی دین ہے۔ پیغمبر اسلام نے دنیا میں کسی سے کچھ نہیں سیکھا بلکہ پروردگار عالم نے اپنی طرف سے بہت عطا کیا ہے فرمایا کہ اتنا علم کائنات میں کسی اور کو نہیں دیا اللہ نے ان پر قرآن مجید جیسی کتاب نازل فرمائی جو بیک وقت زندۂ جاوید معجزہ بھی ہے اور نسخۂ ہدایت بھی۔ اس اعتبار سے تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اسلام کے تمام چھوٹے بڑے قوانین اللہ کی طرف سے مقرر کردہ قوانین ہیں خواہ ان کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی زندگی سے۔ یہ متفقہ عقیدہ یعنی اسلام کے تمام قوانین کا اللہ کی طرف سے مقرر ہونا، اس قدر محکم و مستحکم ہے کہ کوئی مسلمان کسی کو یہ حق نہیں دیتا کہ قوانین اسلام میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کر دے یا کسی قانون کو اپنی رائے سے ختم کر دے کیونکہ فریقین یعنی شیعہ و سُنّی دونوں کے سلسلۂ احادیث میں متفقہ طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مفہوم کی حدیثیں ثابت ہیں کہ امور دین میں کسی کو کسی بات کے اضافے کی اجازت نہیں ہے اور نہ کوئی اپنی طرف سے کوئی نئی بات جاری کر سکتا ہے میں اس مقام پر برادران اہل سنت کی کتب صحاح سے دو حدیثیں پیش کرتا ہوں

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَۃَ رَضِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ (وَاٰلِہٖ) وَسَلَّمَ "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ" رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ "

ترجمہ:- "ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا، جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات جاری کرے وہ مردود ہے" بخاری و مسلم دونوں نے اسے لکھا ہے (دیکھئے اربعین نووی حدیث ۵)۔ اسی طرح عرباض بن ساریہ کی وہ روایت جسے ابو داؤد و ترمذی نے لکھا ہے اس کا آخری جملہ یہ ہے:

یعنی "خبردار، بچے رہو نئی باتوں سے کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (دیکھئے اربعین نووی حدیث ۲۸)۔

معلوم ہوا کہ دین اسلام میں اگر کوئی کمی زیادتی کرے تو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے اور کیوں نہ ایسا ہو؟ اس لئے کہ ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ان قوانین میں ہو سکتی ہے جنہیں کسی انسان نے وضع کیا ہو یا جو ناقص ہوں۔ لیکن جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے تو یہ امر تمام مسلمانوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ اس کے تمام قوانین اللہ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ نے خود ہی اس دین کے کامل و مکمل ہونے کا اعلان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد پروردگار ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔

یعنی "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، میں نے تم پر اپنی تمام نعمتیں پوری کر دیں اور میں تمہارے دین اسلام سے راضی ہو گیا" (سورہ المائدۃ آیت ۳)

اس گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ دین اسلام ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہے اس کے تمام قوانین و احکام اللہ جل شانہٗ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور رسول اللہ کے سوا جو شارع اسلام اور ترجمان الٰہی ہیں کسی کو اپنی طرف سے اسلام میں ترمیم و تنسیخ کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

جبکہ متفقہ طور پر مندرجہ بالا تمام باتیں تسلیم شدہ ہیں اور کسی مسلمان کو ان کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ و رسول نے اس کامل و مکمل دین میں ایک انتہائی اہم اور خطرناک ترین مسئلے کو بغیر طے کئے چھوڑ دیا ہو اور اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کن قانون نہ بنایا ہو؟ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد دین اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی قیادت و امامت کے لئے اس وقت سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک، آپ کے جانشین کیسے مقرر ہوں گے؟ انہیں کون مقرر کرے گا؟ اور آپ کے جانشینوں کے لئے کن صفات کا حامل ہونا ضروری ہے؟ اس طرح کے جملہ مسائل کے بارے میں، مسلمانوں کے درمیان، وفات رسول سے لیکر آجتک نہایت شدید اختلافات چلے آرہے ہیں اور انہیں اختلافات کیوجہ سے مسلمان مختلف جماعتوں اور فرقوں میں منقسم ہوگئے ہیں ایسی صورت میں اگر وہ تمام باتیں جن کا ذکر میں کر چکا ہوں، واقعی متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہوں (یعنی یہ کہ اسلام ایک دین کامل اور مکمل ہے۔ اور یہ کہ جملہ قوانین اسلام۔ اللہ و رسول کے بنائے ہوئے ہیں) تو تقرر جانشین پیغمبر جیسے اہم ترین اور خطرناک ترین مسئلے کے بارے میں اختلاف پایا جانا ہی قابل تعجب ہے۔ اور یہ امر تو انتہائی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے کہ مسلمانوں ہی میں سے ایک بہت بڑی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اللہ و رسول نے صاف طور پر جانشینی رسول کے بارے میں کوئی محکم و دائم قانون نہیں بنایا اور نہ رسول اللہ نے اپنے بعد کے لئے کسی کو جانشین کی حیثیت سے معین و مقرر فرمایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو میں اس دور کے تمام معقولیت پسند مسلمانوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا ان دونوں نظریات میں کھلا ہوا تضاد نہیں کہ ایک طرف تو آپ اسلام کو کامل و مکمل دین بھی مانیں اور دوسری طرف یہ بھی کہیں کہ مسئلہ استخلاف (یعنی جانشین رسول کو مقرر کرنے کے مسئلے) میں اللہ و رسول کا بنایا ہوا کوئی واضح اور محکم و دائم حکم یا قانون نہیں ہے! اور یہ کہ رسول اللہ نے اپنے بعد کے لئے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا ہے خدارا انصاف سے بتائیے کیا ایسی صورت میں دین اسلام کو مکمل و کامل کہا جا سکتا ہے کہ اس میں جانشینی رسول جیسے اہم مسئلے کے بارے میں کوئی واضح اور محکم قانون موجود نہ ہو؟ کیا معاذ اللہ کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ و رسول اس مسئلے کے بارے میں واضح و محکم قانون بنانا بھول گئے۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ۔ کیا جانشینی رسول کا مسئلہ اتنا اہم اور خطرناک نہیں کہ اس کیوجہ سے مسلمان جماعتوں اور فرقوں میں بٹ گئے کیا یہی وہ مسئلہ نہیں جسکی وجہ سے مسلمانوں کے مابین سب سے زیادہ خونریزیاں ہوئیں؟ کیا یہی وہ مسئلہ نہیں جسکی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد و اعمال اس درجہ الگ ہو گئے کہ آج ایک اسلام میں بہت سے اسلام معلوم ہوتے ہیں؟ کیا معاذ اللہ خاکم بدہن اللہ و رسول کو ان اختلافات اور خونریزیوں کے پیدا ہونیکا علم و اندیشہ نہیں تھا؟ بھلا کون ایسا مسلمان ہے جو ان امور کو تسلیم کرے؟ اور جب ان امور کو تسلیم کرنا کسی مسلمان کیلئے ممکن نہیں تو اس نظریے کا جواز کیسے پیدا ہو سکتا ہے کہ جانشینی رسول کا کوئی واضح و محکم قانون نہیں اور یہ کہ رسول اللہ نے اپنے بعد الاعلان کسی کو اپنا جانشین مقرر

نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد آیئے حقائق کی روشنی میں مسئلہ استخلاف یا نصب امام کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد و نظریات پر ایک نظر ڈالیں۔ اگرچہ مجموعی طور پر مسلمان اس مسئلے میں بھی، دیگر مسائل کی طرح شدید اختلاف کا شکار ہیں تاہم اس مقام پر نظریاتی اعتبار سے جملہ مسلمانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا۔ ایک جماعت وہ ہے جس کے نزدیک جانشین پیغمبر اور امام امت کا تقرر بھی اسی طرح ہونا ضروری ہے جس طرح خود پیغمبر کا تقرر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کو خدا مقرر کرتا ہے لہٰذا امام کو بھی خدا ہی مقرر کرتا ہے اور امام بھی پیغمبر ہی کی طرح معصوم ہوتا ہے۔ یہ جماعت **شیعہ** کے نام سے موسوم ہے اور اس جماعت کے نزدیک اسلام میں نصب امام کا ایک واضح اور محکم قانون موجود ہے جو قیام قیامت باقی رہنے والا ہے اس قانون کو اصطلاحی زبان میں **نص** کہتے ہیں یعنی حکم خدا سے پیغمبر اکرم کا اپنے جانشین پوری صراحت کے ساتھ معین و مقرر کر دینا۔ شیعوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خدا سے اپنے بعد حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین و خلیفہ اور امام امت مسلمہ مقرر کر دیا تھا یہی نہیں بلکہ حضرت علی علیہ السلام کے بعد امام حسن علیہ السلام، ان کے بعد امام حسین علیہ السلام اور ان کے بعد ذریتِ امام حسین علیہ السلام کے باقی نو اماموں کے ناموں اور ان کی صفات کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ یہ سلسلۂ امامت قیامت تک باقی رہنے والا سلسلہ ہے اور اس سلسلے کے بارھویں امام آج بھی موجود ہیں، جنھیں اللہ نے اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر پردۂ غیب میں رکھے ہوئے ہے اور جب چاہے گا انہیں ظاہر کر دیگا۔ سرسری نظر سے دیکھنے والے امام زمانہ کی غیبت کے بارے میں کسی قدر پریشان ہو کر طرح طرح کے سوالات کرنے لگتے ہیں لیکن شیعہ قرآن و سنت نبویہ کی روشنی میں ہر سوال کا شافی و کافی جواب دیتے ہیں۔

دوسری جماعت وہ ہے جس کے نزدیک رسول اللہ نے نصبِ امام کے مسئلے کو بغیر طے کئے ہوئے چھوڑ دیا۔ نہ اپنے بعد کیلئے کسی کو مقرر کیا نہ اس سلسلے میں کوئی واضح و محکم قانون پیش کیا۔ یہ جماعت **اہل سنت وجماعت** کے نام سے موسوم ہے اور عدد کے اعتبار سے اکثریت میں ہے یہ حضرات امام امت خلیفۂ رسول کے بارے میں نہ نص کے قائل ہیں نہ عصمت کے یعنی یہ نہیں مانتے کہ رسول اللہ کے لئے حکم خدا سے کسی کو اپنا جانشین بنا دینا اور اس کے نام کا اعلان کر دینا ضروری تھا نہ یہی مانتے ہیں کہ جانشین رسول کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے بلکہ یہ حضرات اس امر کے قائل ہیں کہ رسول اللہ نے اپنے بعد کے لئے کسی کو صاف طور پر اپنا خلیفہ نہیں بنایا اور دنیا سے آخرت کیطرف تشریف لے گئے۔ پھر ان حضرات کے یہاں سے نصب امام کا کوئی واضح و محکم قانون بھی موجود نہیں ہے بلکہ حالات و واقعات کے تحت نصب امام کے لئے نئے نئے قوانین خود بخود بنتے گئے۔

مثلاً سب سے پہلے وفات رسول کے بعد جب حضرت علیؑ اور دیگر بنی ہاشم تجہیز و تکفین رسول میں مشغول تھے، سقیفہ بنی ساعدہ میں بہت سی حجت و تکرار اور لڑائی جھگڑے کے بعد کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی اور پھر مختلف طریقوں سے دوسروں سے بھی بیعت کروائی گئی۔ بہر طور اسے اجماع کہتے ہیں۔ پھر جب حضرت ابوبکر کی وفات نزدیک ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر کو

اپنا جانشین مقرر کر دیا لیکن اس میں احتیاط کیساتھ کہ وصیت لکھوا کر اُسے سربمہر کروا دیا پھر ان کی وفات کے بعد لوگوں سے بیعت اس طرح لی گئی کہ "جس کی کا نام اس وصیت میں ہے اس کی بیعت کرو" یہ پہلے طریقے سے مختلف ایک نیا طریقہ تھا جسے استخلاف یعنی خلیفہ بنایا گیا بلکہ کچھ شرائط کے تحت چھ اصحاب رسول کے متعلق اس کے بعد جب حضرت عمر زخمی ہوئے اور آخری وقت کا احساس ہوا تو آپ نے کسی ایک شخص کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ کچھ شرائط کے تحت چھ اصحاب رسول کے متعلق کہا کہ یہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالیں یہ دونوں گذشتہ طریقوں سے مختلف ایک تیسرا اور نیا طریقہ نصب امام کا تھا جسے شوریٰ کہتے ہیں اور اس کے تحت حضرت عثمان کا انتخاب ہوا لیکن مسلمانوں نے حضرت عثمان کیخلاف ان کی حکومت کے آخری برسوں میں سخت مخالفت کی یہاں تک کہ ان کی حکومت کے بارہویں سال ان کو قتل کر دیا گیا اس موقع پر مہاجرین و انصار کی ایک بہت بڑی جماعت نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ حکومت کو قبول کرلیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے کافی رد و قدح کے بعد زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا قبول کر لیا۔ نصب امام یہ چوتھا طریقہ تھا۔ جسے تسلیم امر کہہ لیجئے۔ حضرت علی علیہ السلام کیخلاف کئی جانب سے بغاوت ہوئی خاص طور سے حضرت معاویہ نے پورا محاذ بنالیا امام وقت سے باقاعدہ جنگ لڑے کامیابی نہیں ہوئی۔ تو سازشوں کا جال بچھا دیا بالآخر حضرت علی علیہ السلام کو نماز کی حالت میں ایک خارجی سے قتل کر دیا آپ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام آپ کے جانشین ہوئے لیکن حضرت معاویہ نے آپ کے لشکریوں میں سے اکثر کو مال و زر اور وعدہ وعید کے ذریعے توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت کے بل بوتے پر انہوں نے امام حسن علیہ السلام کو ایک جبری صلح پر مجبور کر دیا اور خود خلیفۂ وقت بن گئے۔ جس سال یہ صلح ہوئی اسے سَنَۃُ الجماعۃ کہنے لگے اور حضرت معاویہ کی خلافت کو تسلیم کرنے والے اَھْلُ الجَمَاعَۃ کہلائے بہر طور یہاں سے نصبِ امام کا ایک پانچواں طریقہ ایجاد ہوا جسے قہر و غلبہ کہتے ہیں اور اس طریقہ کو بھی نصب امام کا ایک جائز طریقہ تسلیم کر لیا گیا اس کے بعد سے شخصی و خاندانی حکومتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر بر سرِ اقتدار آجانے والے کو امیر المومنین اور امام اُمت تسلیم کیا گیا خواہ وہ کھلا ہوا فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ ان امراء و خلفاء میں فسق و فجور اس حد تک عام ہوا کہ عقائد و علم کلام کی کتابوں میں صاف طور پر یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ "امام کے فاسق ہو جانے سے وہ معزول نہیں ہوتا" چنانچہ شرح عقائد نسفی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

وَلَا یَنْعَزِلُ الْاِمَامُ بِالْفِسْقِ ای الخروج عن طاعۃِ اللّٰہ تعالٰی والجور ای الظُّلم علیٰ عبادِ اللّٰہ تعالٰی لانّہٗ قد ظَھَرَ الفِسقُ وَانْتَشَرَ الجورُ مِن الائمۃ والاُمراء بعد الخُلفاء الرّاشدین والسّلفُ کانوا یَنقادون لھم ویقیمون الجُمُعَ والاعیاد باذنِھِمْ ولایرون الخروج علیھم" (شرح العقائد النسفیۃ صفحہ نمبر ۱۰۸ مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:۔ "اور امام فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہو جاتا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج ہونے کی وجہ سے۔ اور جور

کی وجہ سے بھی معزول نہیں ہوجاتا یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد ائمۂ اُمّت و امراء مومنین میں فسق و ظلم کھلم کھلا پھیل گیا تھا لیکن اس کے باوجود ہمارے بزرگ ان کی اطاعت کرتے رہے، انھیں کے اذن سے جمیع اور عیدوں کی نمازیں قائم کرتے رہے اور ان کیخلاف خروج کرنا ناجائز سمجھتے رہے۔

اسی ہتیج پر مختلف خاندانوں کے مطلق الانسان فرمان روا، ان مسلمانوں میں خلفاء و امراء مومنین کہلاتے رہے یہاں تک کہ خلافت کی وہ بنیادی شرط جو پہلے روز سقیفۂ بنی ساعدہ میں مہاجرین کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور جس پر انصار تقریباً لاجواب ہوگئے تھے یعنی یہ کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے "ائمہ قریش میں سے ہوں گے" یہ شرط بھی ختم کردی گئی اور بالآخر خلافتِ عثمانیہ ترکیہ کے آخری فرمان روا پر تصورِ خلافت بھی ختم ہوگیا۔

یہاں جملۂ معترضہ کے طور پر یہ بھی عرض کردوں کہ خدا اور رسول کی جانب سے نصبِ امام کے بارے میں عقیدۂ عدمِ نص کی واضح قباحتوں کو دیکھتے ہوئے ان مسلمانوں کے بعض علماء نے حضرت ابوبکر کے لئے رسول اللہ کی جانب سے نصِ خلافت کا دعویٰ بھی کردیا لیکن حقائق کے سامنے ان کا یہ دعویٰ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیوں کہ مجمعِ سقیفہ میں خود حضرت ابوبکر کا حضرت عمر یا حضرت ابوعبیدہ کی بیعت کے لئے لوگوں سے کہنا ان کے بارے میں نصِ خلافت کے تمام دعوؤں کی نفی کرتا ہے علاوہ ازیں خود حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کو اچانک اور اتفاقی بیعت کہنے کے علاوہ اس امر کی تصریح بھی کی ہے کہ رسول اللہ نے ان کے خیال میں کسی کو بھی خلیفہ نہیں بنایا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں اس کے متعلق دو حدیثیں موجود ہیں پہلی حدیث میں یہ ہے کہ ان کے زخمی ہونے کے بعد لوگوں نے ان سے اپنا جانشین نامزد کردینے کے لئے کہا تو انہوں نے جواب میں فرمایا "فان أستخلف فقد استخلف من هو خير مني يعني ابا بكر وان اترككم فقد ترككم من هو خير مني رسول الله" یعنی اگر میں اپنا جانشین نامزد کردوں تو اپنا جانشین نامزد کردیا تھا اس شخص نے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی حضرت ابوبکر۔ اور اگر میں تم لوگوں کو یوں ہی چھوڑ دوں تو تم لوگوں کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا اس نے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسول اللہ نے ــ اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ سے کہا "اگر آپ کے اونٹوں یا بکریوں کا چرواہا انہیں جنگل میں چھوڑ کر چلا آئے تو کیا اس نے ان کو ضائع نہیں کردیا؟ لہٰذا لوگوں کا حاکم مقرر کردینا تو کہیں زیادہ ضروری ہے۔" اس پر حضرت عمر نے کچھ دیر کے لئے سر جھکا کر غور کیا اور پھر فرمایا "اللہ اپنے دین کو محفوظ رکھے گا۔ لئن لا استخلف فان رسول الله لم يستخلف وان استخلف فان ابا بكر قد استخلف" یعنی اگر میں اپنا جانشین نامزد نہ کروں تو رسول اللہ نے بھی اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔ اور اگر میں کردوں تو ابوبکر نے نامزد کردیا تھا۔ (دیکھئے صحیح مسلم جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۹۲ نمبر ۱۹۳ مطبوعہ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۳۷۴ھ ہجری)

اس طویل گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو تفصیل کے ساتھ یہ معلوم ہوجائے کہ نصبِ امام کے بارے میں مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں یعنی شیعہ و سُنی کے عقائد و نظریات کیا ہیں۔ تمام دنیا کے وہ لوگ جو حلقۂ اسلام میں،

شامل سمجھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی طور پر سے انھیں دونوں فرقوں میں داخل ہیں اور یہی نصب امام کا مسئلہ ان سب کے مابین اہم ترین اختلافی مسئلہ ہے۔ لہٰذا کتاب وسنت اور عمل عام کی روشنی میں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ واضح ہوسکے۔ لیکن اس اعتبار سے یہ مسئلہ نازک بھی ہے کہ عام طور پر لوگ اسے صحیح استدلال کے بجائے جذباتیت کے رنگ میں دیکھتے ہیں پس ہر پڑھنے والے سے گذارش ہے کہ وہ میری ہر بات کو محض تحقیق حق کی نظر سے دیکھے اور میں اپنی طرف سے تمام بزرگوں کے تذکرے عزت واحترام سے کرنے کا عادی ہوں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں اس مسئلے پر غور کرنا چاہیئے کہ بنیادی طور پر نصب امام کی ضرورت وفات رسول کے بعد اور اس وقت سے آج تک کے لئے قیام قیامت تک کے لئے تھی یا نہیں!

جہاں تک وفات رسولؐ کے بعد نصب امام کی ضرورت کا تعلق ہے تو اس امر پر تمام مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے سوائے بعض خوارج کے) کہ امام کا تقرر کرنا بہرحال واجب وضروری تھا شرح عقائد نسفی سے جو برادران اہل سنت کے عقائد کی مشہور کتاب ہے دو جملے ملاحظہ ہوں۔ علامہ سعیدالدین تفتازانی شارح فرماتے ہیں۔ ثُمَّ الاجماع عَلیٰ اَنَّ نَصبَ الاِمَامِ واجبٌ — لقوله علیه السلام «مَن مَاتَ وَلَمْ یَعرِفْ اِمَامَ زَمَانِه فَقَدْ مَاتَ مِیتَةً جَاهِلِیَّةً وَلِاَنَّ الاُمَّةَ قد جعلوا اَهَمَّ المُهِمَّاتِ بعد وفات النبیّ علیه السلام نصب الامام حَتّیٰ قدَّمُوهُ عَلَی الدَّفنِ» (شرح العقائد النسفیة صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:۔ پھر یہ کہ اس امر پر سب کا اجماع ہے کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام کا قول ہے۔ «جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو تو وہ کفر کی موت مرا» اور اس لئے کہ امت کے لوگوں نے وفات پیغمبر کے بعد تمام مہمات میں سب سے زیادہ اہم تقرر امام کو قرار دیا یہاں تک کہ انہوں نے اس کام کو دفن رسول پر مقدم سمجھا۔"

علاوہ ازیں یہ بات تو ناقابل انکار ہے کہ بغیر حاکم کے نہ حکومت چل سکتی ہے نہ قوانین نافذ ہو سکتے ہیں اور ابھی گذشتہ صفحے میں آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کی زبانی یہ بھی سنا کہ «اگر کوئی چرواہا اپنے گلّے کو بغیر محافظ کے چھوڑ دے تو گویا اس نے گلّے کو ضائع کر دیا۔» اور امام یا حاکم اعلےٰ رعیت کے لئے چرواہے کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذا نصب امام کی ضرورت سے انکار کی گنجائش نہیں اور سب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وفاتِ رسول کے بعد کے لئے نصب امام کی ضرورت تھی۔

اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب نصب امام کی ضرورت تھی اور یہ کام بہرحال واجب تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام کو نصب یا مقرر کرنا کس کا منصب تھا؟ اس مسئلے میں امت کے درمیان اختلاف ہے اہل سنت کا مذہب علامہ سعدالدین تفتازانی نے یوں بیان کیا ہے۔

"والمذهب انّه یجب عَلَی الخَلقِ سَمعاً" (شرح العقائد النسفیہ صفحہ نمبر ۱۵۲ مطبوعہ اصح المطابع کراچی) یعنی۔ اہل سنت کا

مذہب یہ ہے کہ امام کو مقرر کرنا لوگوں پر واجب ہوتا ہے دلیل سمعی کی بنا پر۔ شرح مواقف (جو اہل سنت کے عقائد پر مشتمل علم کلام کی مشہور کتاب ہے اور جس کے مصنف قاضی عضد الدین عبدالرحمٰن الایجی متوفی ۷۵۳ھ اور شارح السید الشریف علی بن محمد جرجانی ہیں) اس میں سے مزید تفصیل ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں۔

نصبُ الامام عندنا واجبٌ علینا سمعاً وقالت المعتزلةُ والزیدیةُ بل عقلاً وقال الجاحظ والکعبی وابوالحسین من المعتزلة بل عقلاً وسمعاً وقالت الامیةُ والاسماعیلیةُ بل علی اللّٰہ۔ الّا انّ الامیةَ اوجبوہ لحفظ قوانین الشرع عن التغیر بالزیادة والنقصان۔ والاسماعیلیةُ لیکون مُعرّفاً للّٰہ۔

(شرح مواقف مرصد رابع مقصد اول مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ امام کا مقرر کرنا ہمارے (یعنی اہل سنت کے) نزدیک خود ہم پر واجب ہے دلیلِ سمعی کی بنا پر مگر معتزلہ و زیدیہ کہتے ہیں کہ یہ ہم پر واجب ہے دلیل عقلی کی بنا پر۔ اور معتزلہ میں سے جاحظ کعبی اور ابوالحسین نے کہا ہے کہ نصب امام واجب ہے ہم پر دلیل عقل و دلیل سمع دونوں کی بنا پر جبکہ امامیہ اور اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ نصب امام اللہ پر واجب ہے لیکن امامیہ نے نصب امام کو واجب تسلیم کیا ہے قوانین شرع کو زیادتی و کمی سے محفوظ رکھنے کے لئے اور اسماعیلیہ نے اسے واجب جانا ہے اس لئے کہ امام اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہو۔

اس اقتباس سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی رائیں مسئلہ نصب امام کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہو گئیں۔ یہاں میں صرف ایک ترمیم کرنا چاہتا ہوں کہ فرقہ شیعہ امامیہ کے نزدیک نصب امام اللہ پر واجب قوانین شرع کی حفاظت کے لئے بھی اور اس لئے بھی کہ وہ اللہ کی صحیح معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے بلکہ غور کیجئے تو یہ دونوں باتیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔

نظریات کے اس اختلاف کو معلوم کر لینے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا اور ثابت کرنا ہے کہ ان تمام نظریات میں سے عقل سلیم اور قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح ترین نظریہ کون سا ہے۔؟

لہٰذا آئیے سب سے پہلے ہم اکثریت کے نظریے پر غور و فکر کریں یعنی اس نظریئے پر کہ "امام کا مقرر کرنا امت پر واجب ہے۔ دلیل سمعی کی بنا پر۔"

دلیل سمعی کے ذیل میں علامہ سعدالدین تفتازانی کی دو دلیلیں ہم کچھ ابھی پہلے شرح عقائد نسفی ص۱۰۵ سے بیان کر چکے ہیں۔ یعنی حدیث پیغمبر رسول کہ "جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے وہ کفر کی موت مرا۔" اور وفات پیغمبر رسول کے بعد صحابہ کا بلا توقف نصب امام کے لئے جمع ہونا یہاں تک کہ دفن رسول کو بھی چھوڑ دینا ___ قاضی عضدالدین ایجی اور سید شریف جرجانی بھی "شرح مواقف" میں اپنے اسی مسلک کی دو دلیلیں سمعی پیش کرتے ہیں پہلی دلیل تو وہی ہے جو علامہ تفتازانی کی دوسری دلیل ہے پھر پیش کرتے ہیں کہ "نصب امام کے ذریعے ان بہت سے مفاسد اور نقصانات کو دفع کیا جا سکتا ہے جن کا اس کے بغیر خطرہ ہے

اور دفع ضرر مظنون اجماعاً واجب ہے لہذا نصب امام بھی واجب ہے۔

اسی آخری دلیل کو معتزلہ وغیرہ نے عقلی دلیل تسلیم کیا ہے اس طرح کہ "ضرر مظنون کا دفع کرنا عقلاً بھی واجب ہے اور امام کو مقرر نہ کرنے میں ضرر مظنون بے شمار ہے لہذا امام کا مقرر کرنا ہم پر عقلاً بھی واجب ہے۔"

ان تمام دلیلوں پر پورا غور و خوض کرنے کے بعد ہم اپنی طرف سے یہ تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ تمام دلیلیں محض اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اُن کے جانشین اور امت کے امام کا ہونا نہایت ضروری ہے اور وجود امام کی ضرورت سے خود ہمیں بھی انکار نہیں ہے لیکن ان دلیلوں میں سے کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "امام کو مقرر کرنے کا فریضہ امت کے ذمہ تھا خدا اور رسول کے ذمہ نہیں تھا"

اس سلسلے میں اکثریت کی طرف سے زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "وفات رسولؐ کے بعد صحابہ کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونا اور حضرت ابوبکر کا انتخاب کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ نصب امام کا فریضہ اُمت کے ذمہ تھا۔

لیکن یہ دلیل اُن کے موقف کو ثابت کرنے کے لئے بالکل ہی ناکافی ہے کیوں کہ اس پر ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن کا تسلی بخش جواب ناممکن ہے پہلا اعتراض یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے والے صرف تھوڑے سے لوگ تھے۔ جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی اور مہاجرین میں سے صرف تین بزرگ تھے۔ نہ بنی ہاشم میں سے کوئی تھا نہ بنی اُمیہ وغیرہ دیگر قبائل میں سے بلکہ مدینے میں موجود سیکڑوں یا ہزاروں اصحاب وہاں اس مجمع سے غیر حاضر تھے۔ ایسی صورت میں اگر ہم یہاں لیں کہ امام کو مقرر کرنے کا فریضہ امت کا ذمہ تھا۔ تو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے والے اصحاب کو کیا حق تھا کہ وہ تنہا اس کام کو انجام دیں جسے تمام امت کو کرنا چاہیئے تھا۔!

یہاں یہ بات یاد رہے کہ تمام امت یا تمام اہل مدینہ کے باہمی مشورے سے کسی کو امام مقرر کرنا کچھ اور ہوتا اور ایک مخصوص حلقے میں کسی نہ کسی طور پر ایک فیصلہ کر لینا اور پھر مختلف طریقوں سے تبدریج لوگوں کو اس کے مان لینے پر آمادہ کرنا یہ بالکل ہی اور بات ہے اسے تمام امت کا آزادانہ و متفقہ فیصلہ نہیں کہا جا سکتا بالخصوص ان تاریخی حقائق کو دیکھتے ہوئے جن سے حضرت علی حضرت فاطمہ، خاندان بنی ہاشم، حضرت زبیر، حضرت سعد بن عبادہ اور دوسرے بہت سے بزرگان ملت کا اس فیصلے سے ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نصب امام کا فریضہ اُمت کے ذمہ عائد ہونا قرآن مجید کی کس آیت سے یا رسول اللہ کی کس حدیث صحیح و متواتر سے ثابت ہوتا ہے! یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اسے صاف طور پر قرآن مجید اور حدیث صحیح و متواتر پیغمبر میں موجود ہونا چاہیئے کیوں کہ امت پر عائد ہونے والے دیگر تمام فرائض یعنی نماز روزہ حج زکواۃ اور جہاد وغیرہ کے مقابلے میں یہ اہم ترین فریضہ

ہے لیکن چونکہ قرآن و حدیث صحیح و متواتر سے اس فریضے کا امت کے ذمہ ہونا ثابت نہیں ہوتا لہذا یہ دعویٰ بھی ناقابل قبول ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اسلام میں امت اور اس کے افراد پر جتنے فرائض عائد کئے گئے ہیں ان سب کی جملہ تفصیلات کو اور انہیں ادا کرنے کے تمام تفصیلی طریقوں کو قرآن و حدیث پیغمبر میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے مثلاً نماز کا حکم قرآن میں آیا تو پیغمبر نے خود نماز پڑھ کے اس کی تمام تفصیلات کو بتا دیا۔ کیوں کہ یہ تمام فرائض خدا کی جانب سے ہیں اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اور رسول اللہ نے خود اپنی زندگی میں قیامت تک کے لئے تمام فرائض و نوافل، حرام و حلال اور مکروہات و مستحبات میں سے ہر ایک کی پوری تفصیل بتا دی اور ہر حکم پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سکھا دیا پس اگر نصب امام کا فریضہ بھی اُمت پر اجتماعی یا انفرادی طور سے عاید کیا گیا ہوتا اور اس کے متعلق کبھی حکم خدا ہوتا تو یقیناً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتخابِ امام کا کوئی واضح اور محکم طریقہ بتا دیا ہوتا بلکہ اپنی زندگی ہی میں اُسے مختلف ذریعوں سے سمجھا دیا ہوتا تاکہ جب تک اسلام باقی رہے مسلمان اس پر عمل کرتے رہتے لیکن قرآن و حدیث پیغمبر سے امت کے لئے اپنا امام منتخب کر لینے کا کوئی طریقہ بتایا گیا ہوتا تو آپ کے بعد خلافت کا جو بہترین دور تسلیم کیا جاتا ہے اس میں ایک ہی طریقہ انتخاب پر عمل ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کیوں کہ پیغمبر نے اس طرح کا کوئی اختیار ہی نہیں دیا تھا۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ جب اسلام میں تمام فرائض و احکام خدا کی جانب سے ہیں تو نصب امام امت کی جانب سے کیوں ہو؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد جتنے خلفاء ہوئے، اگر اُن کو اچانک قتل نہیں کر دیا گیا یا ان کی اچانک موت نہیں واقع ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے بعد کے لئے اپنی جانشینی کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کیا کیوں کہ وہ بدیہی طور پر جانتے تھے کہ اس کے بغیر امور حکومت میں خلل پڑے گا اور رعیت میں فتنہ و فساد برپا ہو گا۔ لہذا کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنی امت کو اس عظیم ترین اور دائمی اختلاف سے بچا جاتے جبکہ آنحضرت کا وصال اچانک نہیں ہوا؟ کیا اُمت سے کہیں زیادہ خود رسول اللہ پر واجب نہیں تھا کہ وہ اپنے بعد کے لئے امام مقرر کر جاتے جبکہ آنحضرت ہم مان لیں کہ معاذ اللہ حضور اکرم نے اپنے اس فریضے کو کما حقہٗ ادا نہیں کیا؟ کیا حضور اپنی اُمت کے لئے ان کے ماں باپ سے زیادہ شفیق نہیں تھے؟ چونکہ ان باتوں کو کوئی مسلمان بھی تسلیم نہیں کر سکتا لہذا ثابت ہوتا ہے کہ نصب امام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھا اور آپ نے حکم خدا سے اس فریضے کو یقیناً ادا کیا۔ امت کو پہلے ہی دن سے اختلافات کا شکار ہونے کے لئے نہیں چھوڑا البتہ تلاش حق کرنے والے مسلمان کے لئے ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے برادران اہل سُنت نصب امام کو ساری امت پر واجب قرار دینے کے

بعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اہل حل وعقد میں سے صرف ایک یا دو اشخاص کے بیعت کر لینے سے خلافت و امامت صحیح طور پر منعقد ہو جاتی ہے" دیکھئے "شرح مواقف" میں فرماتے ہیں۔

وتثبت ببیعۃِ اهلِ الحلّ والعقد عند اهل السنۃِ والمعتزلۃ والصالحیۃ من الزیدیہ خلافاً للشیعۃ" "یعنی امامت وخلافت ثابت ہو جاتی ہے اہل حل وعقد کے بیعت کر لینے سے اہل سنت معتزلہ اور فرقہ زیدیہ میں سے صالحیہ کے نزدیک برخلاف شیعوں کے" اس سے کچھ اور آگے بڑھ کر وہ لکھتے ہیں۔

"واذا ثبت حصول الامامۃ بالاختیار والبیعۃ فاعلم أنّ ذلک لایفتقر الی الاجماع من جمیع اهل الحلّ والعقد إذ لم یقم علیہ دلیلٌ من العقل او السمع۔ بل الواحد والاثنان من اهل الحلّ والعقد کافٍ" دیکھئے شرح مواقف مرصد رابع مقصد ثالث) یعنی "جب امامت کا حاصل ہو جانا لوگوں کے انتخاب اور بیعت کے ذریعے ثابت ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ انتخاب و بیعت میں تمام اہل حل وعقد کے اجماع کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ اس بات پر عقل یا سمع سے کوئی دلیل نہیں قائم ہوئی بلکہ اہل حل وعقد میں سے صرف ایک یا دو اشخاص انتخاب وبیعت کر لینے کے لئے کافی ہیں۔"

لیکن ہمیں اس نظریئے میں بھی بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں اور بہت سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارا پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ یہ "اہل حل وعقد" کی اصطلاح تو وفات پیغمبر کے کئی صدی بعد وضع کی گئی اس وقت جبکہ علم کلام پر باقاعدہ کتابیں لکھی جانے لگیں۔ قرآن و حدیث پیغمبر میں یہ اصطلاح نہیں پائی جاتی خصوصاً نصب امام کے ذکر میں لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے نزدیک "اہل حل وعقد" کے کسی کو امامت کے لئے منتخب کر لینے اور اس کی بیعت کر لینے کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہو گی خواہ دنیاوی اعتبار سے اُسے کچھ بھی سمجھا جائے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن وحدیث صحیح پیغمبر سے بتایا جائے کہ "اہل حل وعقد" کے لئے کن صفات و خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ ان کو "اہل حل وعقد" میں شمار کیا جا سکے؟

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ "اہل حل وعقد" کو انتخاب امام کا اختیار کس نے دیا؟ اللہ نے؟ رسول نے؟ یا اُمت نے؟ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اللہ و رسول نے تو یہ اختیار دیا نہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ اُمت نے یہ اختیار دیا تو اسے ثابت کرنا ہو گا کہ کب؟ اور کیسے؟

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ جماعت "اہل حل وعقد" میں کوئی کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ یعنی اس کا رکن کیسے بن سکتا ہے؟ پھر یہ کہ کس شہر کے لوگوں کو اس جماعت کا رکن سمجھا جائے گا؟ اور کیوں؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اسلام تو آج بھی مکمل طور سے بحمد اللہ باقی ہے اس زمانے میں "اہل حل وعقد" کون لوگ ہیں؟

ہے لیکن چونکہ قرآن و حدیث صحیح و متواتر سے اس فریضے کا امت کے ذمہ ہونا ثابت نہیں ہوتا لہذا یہ دعویٰ بھی ناقابل قبول ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اسلام میں امت اور اس کے افراد پر جتنے فرائض عائد کئے گئے ہیں اُن سب کی جملہ تفصیلات کو اور انہیں ادا کرنے کے تمام تفصیلی طریقوں کو قرآن و حدیث پیغمبر میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے مثلاً نماز کا حکم قرآن میں آیا تو پیغمبر نے خود نماز پڑھ کے اس کی تمام تفصیلات کو بتا دیا۔ کیوں کہ یہ تمام فرائض خدا کی جانب سے ہیں اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اور رسول اللہ نے خود اپنی زندگی میں قیامت تک کے لئے تمام فرائض و نوافل، حرام و حلال اور مکروہات و مستحبات میں سے ہر ایک کی پوری تفصیل بتا دی اور ہر حکم پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ پس اگر نصب امام کا فریضہ بھی اُمت پر اجتماعی یا انفرادی طور سے عاید کیا گیا ہوتا اور اس کے متعلق کوئی بھی حکم خدا ہوتا تو یقیناً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتخاب امام کا کوئی واضح اور محکم طریقہ بتا دیا ہوتا بلکہ اپنی زندگی ہی میں اُسے مختلف ذریعوں سے سمجھا دیا ہوتا تاکہ جب تک اسلام باقی رہے مسلمان اس پر عمل کرتے رہتے لیکن قرآن و حدیث پیغمبر سے امت کے لئے اپنا امام منتخب کر لینے کا کوئی طریقہ بتایا گیا ہوتا تو آپ کے بعد خلافت کا جو بہترین دور تسلیم کیا جاتا ہے اس میں ایک ہی طریقہ انتخاب پر عمل ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کیوں کہ پیغمبر نے اس طرح کا کوئی اختیار ہی نہیں دیا تھا۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ جب اسلام میں تمام فرائض و احکام خدا کی جانب سے ہیں تو نصب امام امت کی جانب سے کیوں ہو۔؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد جتنے خلفاء ہوئے اگر اُن کو اچانک قتل نہیں کر دیا گیا یا ان کی اچانک موت نہیں واقع ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے بعد کے لئے اپنی جانشینی کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کیا کیوں کہ وہ بدیہی طور پر جانتے تھے کہ اس کے بغیر امور حکومت میں خلل پڑے گا اور رعیت میں فتنہ و فساد برپا ہو گا۔ لہذا کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنی امت کو اس عظیم ترین اور دائمی اختلاف سے بچا جاتے جبکہ آنحضرتؐ کا وصال اچانک نہیں ہوا؟ کیا اُمت سے کہیں زیادہ خود رسول اللہ پر واجب نہیں تھا کہ وہ اپنے بعد کے لئے امام مقرر کر جاتے جبکہ آنحضرت ہم مان لیں کہ معاذاللہ حضور اکرم نے اپنے اس فریضے کو خاطر خواہ ادا نہیں کیا؟ کیا حضور اپنی اُمت کے لئے ان کے ماں باپ سے زیادہ شفیق نہیں تھے؟ چونکہ ان باتوں کو کوئی مسلمان بھی تسلیم نہیں کر سکتا لہذا ثابت ہوتا ہے کہ نصب امام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھا اور آپ نے حکم خدا سے اس فریضے کو یقیناً ادا کیا۔ امت کو پہلے ہی دن سے اختلافات کا شکار ہونے کے لئے نہیں چھوڑا البتہ تلاش حق کرنے والے مسلمان کے لئے ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہمارے برادران اہل سنت نصب امام کو ساری امت پر واجب قرار دینے کے

بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ "اہل حل و عقد میں سے صرف ایک یا دو اشخاص کے بیعت کر لینے سے خلافت و امامت صحیح طور پر منعقد ہو جاتی ہے" دیکھئے "شرح مواقف" میں فرماتے ہیں۔

"وتثبتُ ببیعةِ اهلِ الحلّ والعقد عند اهل السنةِ والمعتزلة والصالحیة من الزیدیه خلافاً للشیعة" "یعنی امامت و خلافت ثابت ہو جاتی ہے اہل حل و عقد کے بیعت کر لینے سے اہل سنت معتزلہ اور فرقہ زیدیہ میں سے صالحیہ کے نزدیک برخلاف شیعوں کے" اس سے کچھ اور آگے بڑھ کر وہ لکھتے ہیں۔

"وَاذا ثبت حصولُ الامامة بالاختیار والبیعةِ فاعلمْ انّ ذٰلک لایفتقر الی الاجماعِ من جمیعِ اهلِ الحلِّ والعقدِ اِذ لَمْ یقمْ علیه دلیلٌ من العقل او السمعِ۔ بل الواحد والاثنان من اهل الحلّ والعقد کافٍ" دیکھئے شرح مواقف مرصد رابع مقصد ثالث) یعنی "جب امامت کا حاصل ہو جانا لوگوں کے انتخاب اور بیعت کے ذریعے ثابت ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ انتخاب و بیعت میں تمام اہل حل و عقد کے اجماع کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ اس بات پر عقل یا شرع سے کوئی دلیل نہیں قائم ہوئی بلکہ اہل حل و عقد میں سے صرف ایک یا دو اشخاص انتخاب و بیعت کر لینے کے لئے کافی ہیں۔"

لیکن ہمیں اس نظریئے میں بھی بہت سی خرابیاں نظر آتی ہیں اور بہت سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارا پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ یہ "اہل حل و عقد" کی اصطلاح تو وفات پیغمبر کے کئی صدی بعد وضع کی گئی اس وقت جبکہ علم کلام پر باقاعدہ کتابیں لکھی جانے لگیں۔ قرآن و حدیث پیغمبر میں یہ اصطلاح نہیں پائی جاتی خصوصاً نصب امام کے ذکر میں لہذا معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے نزدیک "اہل حل و عقد" کے کسی کو امامت کے لئے منتخب کر لینے اور اس کی بیعت کر لینے کا کوئی اعتبار نہیں لہذا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہو گی خواہ دنیاوی اعتبار سے اُسے کچھ بھی سمجھا جائے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن و حدیث صحیح پیغمبر سے بتایا جائے کہ "اہل حل و عقد" کے لئے کن صفات و خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ ان کو "اہل حل و عقد" میں شمار کیا جا سکے؟

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ "اہل حل و عقد" کو انتخاب امام کا اختیار کس نے دیا؟ اللہ نے؟ رسول نے؟ یا اُمت نے؟ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اللہ و رسول نے تو یہ اختیار دیا نہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ اُمت نے یہ اختیار دیا تو اسے ثابت کرنا ہو گا کہ کب؟ اور کیسے؟

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ جماعت "اہل حل و عقد" میں کوئی کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ یعنی اس کا رکن کیسے بن سکتا ہے؟ پھر یہ کہ کس شہر کے لوگوں کو اس جماعت کا رکن سمجھا جائے گا؟ اور کیوں؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اسلام تو آج بھی مکمل طور سے بحمد اللہ باقی ہے اس زمانے میں "اہل حل و عقد" کون لوگ ہیں؟

اور نصب امام کر کے وہ اپنا فریضہ کیوں نہیں ادا کرتے ؟ کیا اب امت پر سے یا "اہل حل وعقد" پر سے یہ فریضہ ساقط ہو گیا ہے ؟!

اس ضمن میں اعتراضات تو اور بھی بہت سے کئے جا سکتے ہیں اور ناقابلِ رد اعتراضات۔ لیکن مجھے اختصار مد نظر ہے۔

البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ "شرح مواقف" کی گذشتہ عبارت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "انتخاب وبیعت امام کے لئے تمام اہل حل و عقد کے اجماع کی حاجت نہیں کیوں کہ اس پر عقل وسمع کے ذریعے کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی — تو یہ دلیل قائم نہ ہونے کا دعویٰ خود ہی بے دلیل ہے اس لئے کہ عقل تو صاف طور پر یہ مطالبہ کرتی ہے کہ "اہل حل وعقد" کے ایک دو آدمیوں کو یہ حق کس نے دیدیا ؟ اور عقل تو واضح طریقے سے کہتی ہے کہ اگر امام کو مقرر کرنا امت پر واجب ہے تو ساری امت کو اس فریضے کے ادا کرنے میں شریک ہونا چاہیئے رہ گیا دلیلِ سمعی (یعنی روایت) کا معاملہ تو حدیث رسول میں کہیں بھی یہ منصب امت کو نہیں سونپا گیا ہے کہ وہ اپنا امام خود مقرر کرلے اور وفات رسول کے بعد ہونے والے واقعات سے دلیل لانا بے سود ہے کیوں کہ ابتدائی طور پر تو انہیں واقعات کے بارے میں یہ گفتگو ہے کہ ان کے لئے جواز تھا یا نہیں۔

اکثریت کے نظریۂ نصب امام پر بے لاگ تبصرہ تنقید کے بعد اب ضرورت ہے کہ اس نظریئے پر بھی اسی طرح غور وخوض کیا جائے جسے شیعہ امامیہ واسماعیلیہ نے اختیار کیا ہے یعنی یہ کہ "نصب امام اللہ پر واجب ہے۔" اس سلسلے میں شیعوں نے اپنے علم کلام کی کتابوں میں عقلی طور پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان میں سے ایک مشہور دلیل (جسے علماء اہل سنت خاص طور پر ذکر کر کے رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں) یہ ہے کہ "امام کا مقرر کرنا لطف ہے لطف ہر اس کام یا ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو طاعت خدا سے قریب اور معصیت خدا سے دور کرنے کا سبب ہو اور لطف خدا پر واجب ہے چوں کہ امام کا تقرر کرنا بھی بندگانِ خدا کو اطاعت خدا سے نزدیک اور معصیت خدا سے دور کرنے والا ہے لہٰذا یہ بھی خدا پر واجب ہے۔"

علماء اہل سنت اس دلیل کے جواب میں جو کچھ کہتے ہیں وہ بظاہر تو اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کی حقیقت پر غور کیجئے تو اس کا بے وقعت ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ علماء اہل سنت فرماتے ہیں کہ "اللہ مالک الملک ہے وہ ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے کوئی اس کا مثل ونظیر نہیں وہ مختارِ کل ہے اس پر کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے سو کرے کیوں کہ کس کی مجال ہے جو اس چیز پر کسی چیز کو واجب کرے یا اس کو کسی کام سے روک سکے ؟ لہٰذا جب اس پر کچھ بھی واجب نہیں تو لطف بھی واجب نہیں اور جب لطف اس پر واجب نہیں تو امام کا مقرر کرنا اگر لطف بھی ہو تب بھی اس پر واجب نہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس جواب کا پہلا حصہ یقیناً درست ہے اللہ واقعی مالک الملک علیم وقدیر، مختار کل اور بے مثل وبے نظیر ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ نہ کوئی دوسرا اس پر کسی چیز کو واجب قرار دے سکتا ہے نہ کوئی اس کو کسی کام سے روک سکتا ہے۔ جَلَّتْ عَظَمَتُہٗ لیکن ہم شیعہ یہ تو نہیں کہتے کہ معاذ اللہ ہم نے اللہ پر کسی چیز کو واجب کیا ہے یا یہ کہ کوئی اسے کسی کام سے روک سکتا ہے۔ نَسْتَغْفِرُ اللہ۔ بلکہ ہم تو اس ذاتِ واجب کے بارے میں صرف اور صرف وہی کہتے ہیں جو اپنے لئے خود اس

نے اپنی ازلی کتاب قرآن مجید میں کہا ہے یا اس کے حبیب خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین نے ہمیں اس بارے میں بتایا ہے۔

ہمارے بھائیوں کا یہ کہنا ہے کہ "اللہ پر کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے سو کرے" بظاہر تو اچھا جملہ ہے لیکن وہ حضرات اس کے ذیل میں جو کچھ کہتے ہیں وہ انتہائی خطرناک ہے کیوں کہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "اللہ چاہے تو مومن مخلص یا (معاذ اللہ) نبی کو جہنم میں ڈال دے اور بدترین خلق کو جنت میں بھیجدے۔

غور تو کیجئے اگر اس نظریئے کو مان لیا جائے تو قرآن و حدیث رسول پر سے اعتماد اٹھ جائے کیوں کہ قرآن و حدیث رسول میں تو حتمی طور پر مومن کے لئے جنت اور مشرک و منافق کے لئے جہنم کا اعلان ہے اور اگر خدانخواستہ اللہ اور رسول پر سے اعتماد اٹھ جائے تو کیا دین و شریعت کا کوئی رکن صحیح و سالم رہ سکتا ہے؟ اور پھر اگر اتفاق ہی کا معاملہ تسلیم کر لیا جائے کہ عقائد و اعمال پر نظر کئے بغیر وہ جسے چاہے گا جہنم میں ڈال دے گا اور جسے چاہے گا جنت کی نعمتیں دیدے گا تو کوئی نیکی کیوں کرے اور برائی سے اجتناب کیوں کرے؟ اس طرح کل کا کل نظام دین و شریعت باطل ہو کر رہ جائے گا اور دینی حیثیت سے مکمل لاقانونیت طاری ہو جائے گی۔

اسی لاقانونیت اور عدم اعتماد کی فضا کو مستقل طور پر ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی خاطر اللہ جل شانہ نے قادر علی الاطلاق مختار کل اور بے مثل و بے نظیر ہونے کے باوجود اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

"قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ (سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲)

یعنی اے پیغمبر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ آپ کہدیجئے کہ وہ سب اللہ کا ہے اللہ نے اپنے نفس پر رحمت کو واجب کر لیا ہے وہ یقیناً تم سب کو قیامت کے اسدن کی طرف جمع کریگا۔ جس کے بارے میں کوئی شک نہیں"۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا ——— "وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ سورۃ الانعام آیت نمبر ۵۴۔ یعنی "اے پیغمبر جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہدیجئے کہ "تم پر سلامتی ہو، تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت کو واجب قرار دے لیا ہے؟ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے یقیناً تم میں سے جو شخص نادانی میں برا کام کر ڈالے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو اللہ بہت بڑا بخشنے والا مستقل رحم کرنے والا ہے۔

اب خدارا انصاف سے کہئے کیا ان آیتوں میں پروردگار عالم نے صاف اور واضح طور پر یہ اعلان نہیں کر دیا ہے کہ خود اس نے اپنی ذات اقدس پر رحمت کو واجب کر لیا؟ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ پر کچھ بھی واجب نہیں؟ کیا یہ رحمت نہیں

کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے ایسے اسباب پیدا کردے کہ ان کے ذریعہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے اطاعت کرکے قریب اور معصیت سے دور ہو جائیں۔ بس یہی اللہ کی جانب سے لطف ہے اور اسی کو ہم اللہ جل شانہ کے لئے واجب جانتے ہیں اس لئے نہیں کہ کسی اور نے اس کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ (استغفر اللہ) بلکہ اس کے لئے کہ اس نے اپنی رحمت کاملہ سے خود ہی اپنی ذات اقدس کے لئے اس انداز رحمت کو واجب قرار دے لیا ہے لہٰذا لطف کا اللہ پر واجب ہونا قرآن مجید کی تصریح سے ثابت ہے نصب امام کے لطف و رحمت ہونے سے کسی کو انکار نہیں پس ثابت ہوا کہ نصب امام اللہ تعالیٰ ہی پر واجب ہے خود اس کے اپنے بنائے ہوئے قانون قدرت کے مطابق۔

علاوہ بریں پروردگار رحیم و کریم نے اپنی ذات واجب پر رحمت کو واجب قرار دے کر ایمان و عمل صالح پیش کرنے والے بندہ مستحق کے لئے بہترین جزا و ثواب کا وعدہ فرمایا اور بغاوت و نافرمانی کرنے والوں کو اپنے سخت ترین عذاب کی دھمکی دی۔ ان وعدوں اور دھمکیوں کے ساتھ ساتھ اس ذات گرامی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں جا بجا اور بار بار اپنے وعدوں کے سچے ہونے کا اعلان فرمایا چنانچہ سورۂ نساء میں مومنین صالحین سے جنت کا وعدہ کرکے فرمایا۔

"وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (آیت نمبر ۲۲) یعنی یہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچے قول والا کون ہو سکتا ہے؟"

اور سورۂ یونس میں فرمایا "اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (آیت نمبر ۵۵) یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے" اسی طرح پروردگار عالم نے جا بجا اپنے صادق الوعد ہونے کا اعلان فرمایا ہے اور وعدہ خلافی و بد عہدی کی سخت مذمت کی ہے۔

اب ان آیات کی موجودگی کے باوجود اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ "اللہ اپنی مرضی کا مالک ہے وہ جسے چاہے جہنم میں ڈال دے جنت میں داخل کردے" وغیرہ وغیرہ تو کیا وہ قرآن مجید کی تکذیب کا مجرم نہیں ہوتا؟ اور کیا وہ بندگان خدا کو فریب نہیں دیتا؟ اللہ اپنی مرضی کا مالک یقیناً ہے لیکن اس نے اپنی مرضی کا بھی اعلان کر دیا ہے اور اپنے غضب کا بھی اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے بنائے ہوئے قانون یعنی سنت الٰہیہ میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤگے اور وہ وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتا لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ معاذ اللہ وہ کسی مومن صالح کو جہنم میں ڈال دے اور کسی مشرک و منافق کو جنت میں داخل کردے۔ نہیں، یہ تصریحات قرآنی کی رو سے قطعاً ناممکن ہے لہٰذا اشاعرہ جن کی پیروی اکثریت کا شعار و مذہب ہے ان کے نظریات مخالف قرآن ہیں۔ اور اس صورت میں نصب امام کے بارے میں انہوں نے جو اعتراض ہم پر وارد کیا ہے وہ بھی بے حقیقت ہے۔

دلائل عقلیہ میں سے صرف ایسی ایک دلیل پر اکتفا کرتے ہوئے (اگرچہ ایسے دلائل ہمارے پاس کثیر و وافر ہیں) اب میں قرآن و سنت سے چند ایسی دلیلیں مختصر طور پر پیش کرتا ہوں جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نصب امام کا ذمہ

عہدہ ہے جسے اللہ جل شانہٗ نے خود اپنے اختیار میں رکھا ہے، یعنی نصب تو وہ خود کرتا ہے اور پیغمبر اس کے ترجمان کی حیثیت سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔ اس طرح کی دلیلیں بھی بہت کثیر و وافر ہیں لیکن اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہاں صرف چند دلائل ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے "اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؁" (سورہ المزمل آیت نمبر ۱۵) یعنی "ہم نے تمہاری طرف اپنے رسول کو تم پر اس کے گواہ کی حیثیت سے اس کی طرح بھیجے ہم نے فرعون کی طرف اپنے رسول کو بھیجا تھا ـــــ اس آیۂ کریمہ میں خاص طور سے قابل توجہ یہ بات ہے کہ یہاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت موسیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے جو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، یہ بھی یاد رہے کہ پورے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسطرح صرف حضرت موسیٰؑ ہی سے تشبیہ دی گئی ہے، اور آیت مذکورہ میں دو مرتبہ لفظ "اَرْسَلْنَا" (یعنی بھیجا ہم نے) کی تصریح سے یہ بات بدیہی و ضروری طور پر ثابت ہے کہ یہ تشبیہ کیفیت ارسال (یعنی بھیجنے کا انداز و حالات وغیرہ) میں ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح اور جن حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تھا اسی طرح کے حالات میں حتمی مرتبت کو قریش اور ساری دنیا کی طرف بھیجا ـــــ پروردگار عالم نے ایک طرف تو یہ تشبیہ دے دی اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کی طرف بھیجا جانے کی تمام تفصیلات کو بیان کر دیا جس سے آنحضرت کے بھیجے جانے کی تفصیلات خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں اور "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا" (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۶۲) یعنی "اللہ کے طریقے میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے" ـــــ کے ذریعے اس کی مزید تائید کر دی۔

چنانچہ سورہ طٰہٰ میں کیفیت ارسال موسیٰ کی تفصیلات یہاں سے شروع ہوتی ہیں "وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ؁" یعنی کیا تمہیں موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ اور پھر مذکور ہے کہ جب وہ وادیٔ مقدس میں پہنچے تو انہیں آواز دی گئی۔ "وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ؁" یعنی "اور میں نے تمہیں چن لیا ہے لہٰذا غور سے سنو اس چیز کو جس کی وحی کی جاتی ہے" پھر انہیں حکم ہوا۔ "اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" یعنی جاؤ فرعون کی طرف کہ وہ باغی ہو گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی یہ سنا اپنی عرضداشت بارگاہ ایزدی میں پیش کر دی "قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ؁ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ؁ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ؁ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ؁ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ؁ هٰرُوْنَ اَخِي ؁ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ؁ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ؁" یعنی "موسیٰؑ نے کہا اے میرے پروردگار میرے صدر کو وسیع کر دے میرے لئے میرے معاملے کو آسان کر دے میری زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لئے ایک وزیر بنا دے میرے اہل میں سے، میرے بھائی ہارون کو اُن سے میری کمر مضبوط کر دے اور انہیں میرے امر تبلیغ میں میرا شریک بنا دے" ـــــ اور اللہ نے ان کی تمام درخواستوں کو منظور فرمایا۔ "قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ؁" خدا نے

قرآن مجید دونوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ دیکھئے سورۂ دھر میں ہے "اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا" آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس آیت میں "سَلَاسِلًا" استعمال ہوا ہے حالانکہ گرامر کے اعتبار سے اس کو صرف "سَلَاسِلَ" ہونا چاہیئے تھا لیکن صوتی حسن پیدا کرنے کے لئے "سَلَاسِلًا" کر دیا گیا کیونکہ اس کے خلاف "اَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا" ہے قرآن مجید میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

اس کے بعد کلام عرب سے بھی ثبوت ملاحظہ ہو۔ لغات القرآن کی مشہور کتاب مفردات امام راغب اصفہانی میں ہے۔ کہ کبھی لفظوں کا جوڑا بنانے کے لئے اُن کی حرکات اور حروف میں تبدیلی کر دی جاتی ہے اور اس طریقے کو صنعت مزاوجت کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے لَا اَدْرِیْ وَلَا اَتْلِیْ (یعنی نہ میں جانتا ہوں نہ پڑھتا ہوں) حالانکہ دوسرے لفظ کو لَا اَتْلُوْ ہونا چاہیئے تھا اسی طرح ہے لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ (یعنی نہ تم نے جانا نہ تم نے پڑھا) یہاں دوسرے لفظ کو وَلَا تَلَوْتَ ہونا چاہیئے تھا اور کہا جاتا ہے مَا زُوْرَاتٍ غَيْرَ مَاجُوْرَاتٍ (یعنی وہ عورتیں گنہگار ہیں اجر پانے والی نہیں) یہاں پہلے لفظ کو مَوْزُوْرَاتٍ ہونا چاہیئے تھا لیکن ساتھ والے لفظوں کی وجہ سے ان میں تبدیلی کر دی گئی۔ (دیکھئے المفردات فی غریب القرآن مؤلفہ امام راغب اصفہانی صفحہ نمبر ۹، مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ صوتی حسن و جمال کے لئے لفظوں میں ایسا تغیّر عام طور سے ہوتا ہے تو اب سورۂ انشراح کی آیات مذکورہ میں چونکہ آخری آیت کا آخری لفظ "فَارْغَبْ" ہے لہذا اس سے پہلے کی آیت کے آخری لفظ کو "فَانْصِبْ" کے بجائے "فَانْصَبْ" پڑھا گیا اور معنی وہی رہے جو "فَانْصِبْ" کے ہیں یعنی نصب کر دو (امام کو)! اور یہ ہمارے عقیدہ و نظریئے کی واضح تائید ہے۔

اسی وجہ سے پیغمبر اکرم نے دعوت عشیرہ کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں اعلان فرما دیا تھا کہ "اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَوَصِيِّیْ وَخَلِيْفَتِیْ فِيْكُمْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا"۔ یعنی "یقیناً یہی میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور میرے بعد تم میں میرا جانشین ہے لہذا اس کی بات سنو اور اطاعت کرو"! (دیکھئے تاریخ طبری جلد ثانی صفحہ نمبر ۶۳ مطبوعہ "مطبعۃ الاستقامۃ قاھرہ")۔

(۳) اسی مفہوم کی کھلی ہوئی تائید ہوتی ہے قرآن مجید کی اس آیت سے "يَاۤ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ" (سورۃ المائدۃ آیت ۶۷) یعنی "اے رسول (اب) پہنچا دیجئے اس (حکم) کو جو آپ کی طرف پہلے ہی اتارا جا چکا ہے آپ کے رب کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا بھی۔ یقیناً اللہ قوم کافرین کو ہدایت نہیں دیگا"۔

سورہ مائدہ آنحضرت پر آپ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی یہ متفق علیہ ہے یعنی آپ نے توحید، رسالت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد وغیرہ ہر ایک کی تفصیل سے تعلیم و تبلیغ کر چکے تھے۔ ایسے وقت میں وہ کون سا حکم تھا جس کا اعلان اتنا ضروری تھا کہ اگر وہ نہ کرتے تو پیغمبر کی رسالت ہی پوری نہ ہوتی۔ پھر حکم بھی ایسا تھا کہ جس کے اعلان میں برملا تکذیب کا خطرہ تھا جس کے لئے یہ اطمینان دلایا گیا کہ "اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا"۔ بے تعصبی سے غور کیجئے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ نصب امام ہی کا حکم تھا کیونکہ یہی وہ اہم ترین رکن ہے دین اسلام کا کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اس کے سمجھنے میں ذرا سی غلطی واقع ہو جائے تو تمام عقائد و اعمال بگڑ جاتے ہیں لہٰذا اس کی واقعی اتنی اہمیت ہے کہ اگر رسول اللہ اس کی تعلیم و تبلیغ نہ فرماتے تو ساری تعلیمات کے ضائع ہونے کا خطرہ پھر چونکہ اسی حکم کی نوعیت ایسی تھی کہ برملا تکذیب کا خطرہ ہو سکتا تھا کیونکہ اس میں دینی ہدایت کے ساتھ ساتھ دنیاوی حکومت و اقتدار بھی شامل تھا لہٰذا سوائے نصب امام کے اور کوئی حکم اس آیت میں مراد نہیں لیا جا سکتا۔

علماء فریقین نے اس آیت کے مورد نزول کے بارے میں متفقہ طور پر لکھا ہے کہ حج آخر سے واپس ہوتے ہوئے آنحضرت مسلمانوں کے جمِ غفیر کے ساتھ جب غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے ایک لاکھ سے زائد مجمع کو وہیں ٹھہرا دیا سخت گرمی تھی اور چلچلاتی دھوپ کا عالم تھا۔ پیغمبر کے لئے ببولوں کے جھنڈ تلے کانٹوں کو صاف کر کے پالان شتر سے ایک منبر بنا دیا گیا کچھ خیمے نصب کر دیئے اور تمام لوگ ٹھہر گئے جن کے پاس اور کچھ نہیں تھا وہ اپنے کپڑے بچھا کر اپنی سواریوں کے سائے میں بیٹھ گئے۔ پیغمبر کے منادی نے ندا دی۔ لوگ خاموش ہو کر گوش بر آواز ہوئے پیغمبر اکرم اس نئے طرز کے اونچے منبر پر تشریف لے گئے نیچے کے زینے پر ان کے بھائی اور وصی حضرت علی علیہ السلام تھے۔ پیغمبر نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا یہ بھی معجزہ تھا کہ اتنے بڑے مجمع میں جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا ہر شخص کے کانوں تک رسول خدا کی آواز پہنچ رہی تھی اور حضور انہیں اللہ کا پیغام پہنچا رہے تھے پھر آپ نے ان سب لوگوں سے خطاب کر کے پوچھا "بتاؤ کیا میں تم سب پر تمہارے اپنے نفوس سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟" تمام مجمع نے یک زبان ہو کر کہا "یقیناً آپ کو یہ تصرف حاصل ہے۔" رسول اللہ نے اس طرح اپنی اولویت و حاکمیت اور اپنے اقتدار اعلیٰ کا اقرار کروا لینے کے بعد ان سے کہا کہ "آگاہ ہو جاؤ جس کسی کا میں مولا و آقا ہوں اس کے مولا و آقا یہ علی بھی ہیں۔" پھر آنحضرت نے اس اعلان کی تائید کے طور پر خدا کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی۔ "اے اللہ تو اس کو چھوڑ دے جو ان کو چھوڑ دے۔"

اس یادگار خطبے کے بعد پیغمبر اکرم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کریں اور انہیں مبارکباد دیں وہ حضرات جن کے اسماء گرامی اس موقع پر خصوصیت سے مبارکباد دینے کے سلسلے میں آج تک کتابوں میں مذکور ہیں ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دوسرے بڑے بڑے اصحاب شامل ہیں۔

حدیث غدیر، مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ۔ یعنی جس کسی کا میں مولا و آقا ہوں علی اس کے مولا و آقا ہیں ۔ احادیث پیغمبر کے تمام موجودہ ذخیروں میں سب سے زیادہ مشہور و متواتر حدیث رسول ہے اس حدیث کو بیان کرنے والے کم از کم ۱۱۰ صحابہ کے سلسلہ اسناد آج بھی موجود ہیں اور اتنے صحیح و حسن سلسلے کسی اور حدیث کے لئے اتنی کثرت کے ساتھ نہیں مل سکتے علماء اہل سنت میں سے بڑے بڑے محدثین نے اعلان فرمایا ہے کہ "اس حدیث کی صحت سے انکار کرنا جہالت و ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں یہ متواترات کے مابین متواتر ترین حدیث ہے ۔

چونکہ میں بحمد اللہ اس موضوع پر اردو زبان میں ایک مفصل کتاب لکھ چکا ہوں جس کا نام "حدیث غدیر" ہے اور اس میں اس کے تمام پہلوؤں پر مکمل و صحیح حوالوں کے ساتھ تفصیلی بحثیں موجود ہیں ۔ لہٰذا تحصیل حاصل سمجھتے ہوئے میں نے اس حدیث کے متعلق یہاں کسی حوالے کا ذکر نہیں کیا اگر آپ اس موضوع پر مکمل و مفید ترین معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کتاب مذکور کا مطالعہ ضرور کیجئے جو طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اور اردو زبان میں اتنی مفصل کتاب اس موضوع پر ابھی تک نظر سے نہیں گزری ۔

ناانصافی ہوگی اگر حدیث غدیر کا تذکرہ کرتے ہوئے سرکار آیۃ اللہ مولانا سید حامد حسین صاحب لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کی کتاب "عبقات الانوار" اور موجودہ صدی کے نابغۂ روزگار سرکار آیۃ اللہ علامہ شیخ عبد الحسین احمد امینی نجفی اعلی اللہ مقامہ کی کتاب "الغدیر" کا ذکر نہ کیا جائے جو گیارہ جلدوں میں دو مرتبہ چھپ چکی ہے پہلی کتاب فارسی میں ہے اور دوسری عربی میں ان بزرگوں نے اتنی معلومات جمع کر دی ہیں کہ اب حدیث غدیر کی صحت کے سلسلے تواتر اور اس کے صحیح مفہوم کے بارے میں کوئی شبہ نہیں پیدا کیا جا سکتا ۔

واقعات صحیحہ متواترہ کے مطابق جب رسول اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے منصب امامت کے لئے نصب فرمایا اور ولایت مطلقہ کا اعلان عام کر دیا تو جبرئیل امین رب العالمین کی جانب سے یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہوئے ۔

" اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا " (سورۃ المائدۃ آیت ۳)

یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہو گیا ۔

پیغمبر نے کمال دین، اتمام نعمت اور رضائے رب پر خدا کا شکر ادا کیا اور اہل ایمان نے ۱۸ ذی الحجہ یوم غدیر خم کو یوم عید کی حیثیت سے یاد رکھا ۔ ائمہ معصومین اہل بیت باقاعدہ طور پر اس روز کو روز عید کے شمار کرتے تھے اور عبادات خصوصیہ سے اس دن کو مناتے تھے ۔

حدیث غدیر کی شہرت و اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نصب امام من جانب اللہ کا عقیدہ نہ رکھنے والوں نے جب یہ دیکھا کہ اس حدیث کی صحت سے انکار ناممکن ہے تو انہوں نے لفظ مولیٰ کے مختلف معانی کا سہارا

دے کر اسے ناصر و محب وغیرہ کے معانی پر منطبق کرنے کی سعی بلیغ کی۔ لیکن بہر طور حضرت علی علیہ السلام کا مولائے امت ہونا انھیں معنوں میں ثابت ہے جن معنوں میں پیغمبر اکرم مولائے امت ہیں اور انھیں میں سے ایک صوفی مشرب بزرگ سید علی حسن جالسی نے اس معنیٰ کو نہایت خوبی سے اپنے لفظوں میں ادا کر دیا۔ وہ فرماتے ہیں ؎

چرا در معنیٔ مَنْ کُنْتُ مَوْلا می روی ہر سو
علی مولا بآں معنیٰ کہ پیغمبر بود مولا

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین

”دوست اس وقت تک دوست نہیں جب تک وہ تین موقعوں پر اپنے دوست کا بچاؤ نہ کرے (۱) اسکی مصیبت میں، (۲) اسکی عدم موجودگی میں، اور (۳) اسکی وفات پر۔“

(حضرت علیؑ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا سید محمد الحسن کراروی



نص خلافت

خلافت علی بن ابی طالب اور تفسیر

آیۂ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ

خلاق عالم نے اپنے بندوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیئے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہادی اور رہنما بھیجے جن میں ۳۱۳ رسول باقی نبی تھے، رسولوں میں پانچ اولوالعزم تھے جنہیں دیگر انبیاء و رسل پر فضیلت حاصل تھی انہیں معصوم منصوص عالم علم لدنی اور افضل کائنات قرار دیا گیا تھا، یہ نہ صرف بطن مادر میں نبی بنائے گئے تھے بلکہ ان کو نبوت بدؤ فطرت میں عطا ہوئی تھی۔

انہیں انبیاء و رسل میں ہمارے نبی و رسول ابوالقاسم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی تھے، جنہیں خلاق عالم نے اپنے نور عظمت و جلال سے پیدا کیا تھا وہ نوری تھے، ان کے جسم کا سایہ نہ تھا (روضۃ الاحباب) وہ بصورت انسانی اور بشکل البشر بتاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱؁ عام الفیل مطابق ۱۱ مئی ۵۷۰؁ء یوم جمعہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے تھے جو وسطِ عالم ارضی میں واقع ہے۔

خالق کائنات نے ان کی نبوت و رسالت کو دوام دے کر اس سلسلۂ نبوت و رسالت کو ختم کر دیا اور یہ فیصلہ فرما دیا کہ ان کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی رہتی دنیا تک نہ آئے گا لیکن چونکہ سلسلۂ تخالیق کا جاری رہنا لابدی اور مسلم تھا اور ضرورت تبلیغ کی بقا عقلاً لازمی تھی اس لئے خدائے دانا و بینا نے اپنے ازلی فیصلے کے مطابق

۔ نص، کے لغوی معنی منتہیٰ کے ہیں والنص من الکلام ھو ما لا یحتمل الا معنا واحدا او لا یحتمل التاویل اور کلام میں نص کا مطلب یہ ہے کہ اس میں معنی واحد کا ایسا قطع ہو جس میں شبہ کی گنجائش اور تاویل کا احتمال نہ ہو (المنجد ص۸۸۶) علامہ طریحی لکھتے ہیں " النص اقصی الشئی وغایتہ، نص منتہیٰ اور غایت شئی کو کہتے ہیں اور اصطلاح اہل علم میں "نص" ایسے دلالت کرنے والے واضح لفظ کو کہتے ہیں جس میں نقیض کے پیدا ہونے کا قطعاً کوئی احتمال نہ ہو یعنی وہ لفظ جو بالتصریح خدا، رسول یا امام کے مقصد پر دلالت کرے اسے نص کہتے ہیں (مجمع البحرین ص۳۸۹)

باب نبوت بند کر کے اپنے لطف خاص سے امامت کا ابدی دروازہ کھول دیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ جانشین معین کر کے ان کے اسماء "لوح محفوظ" میں تحریر فرما دیتے (اعلام الوریٰ)

یہ نوری مخلوق بھی جو نور مجسم حضرت رسول اکرم کی نسل سے تھی اور ہے سائے سے بے نیاز تھی اور ہے۔ اسے بھی خدا نے معصوم، منصوص، عالم علم لدنی، افضل کائنات قرار دیا ہے یہ حجت خدا بھی ہے، امام زمانہ بھی، اسے خدا نے اسلام کی حفاظت، دین کی صیانت، کائنات کی امامت، رسول خدا کی خلافت اور تبلیغ کی ذمہ داری سونپی ہے اور اس سلسلہ کو قیامت تک کے لئے قائم کر دیا ہے۔

ان بارہ اماموں میں "جن کے اسماء" لوح محفوظ میں محفوظ ہیں اور جن کی تعداد کا تذکرہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے، سب سے پہلی منزل ابوالائمہ حضرت علی علیہ السلام کی ہے جو نور رسول کے مسلم اول اور سلسلہ امامت کی فرد اکمل ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منشاء باری عز کے مطابق انبیاء ماسبق کے اصول پر اپنی زندگی میں مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا دیا جو فرائض نبویہ میں سے تھا۔ انھوں نے اس کی داغ بیل "دعوت ذوالعشیرہ" کے موقع پر ڈال پھر موقع بہ موقع، منزل بہ منزل اور محل ومقام کے لحاظ سے اپنی تیئیس ۲۳ سالہ تبلیغی زندگی میں اس کی تجدید فرمانے کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق ۱۸ یا ۲۰ مارچ ۶۳۲ء کو "حج آخر" سے واپسی کے موقع پر "غدیر خم" میں یہ نص قرآنی اعلان جانشینی کر کے بذریعہ آیہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط" اس کا بھی اعلان کر دیا کہ علیؑ کو خلیفہ بنانے کے آخری اعلان سے دین کامل ہو گیا، نعمت اتمام کو پہنچ گئی اور اللہ تعالیٰ دین اسلام سے راضی وخوشنود ہے۔

دعوت ذوالعشیرہ

تاریخ کے اس اہم واقعہ کو کثیر مورخین ومحدثین نے لکھا ہے ہم اس مقام پر صرف مؤرخ ابوالفداء متوفی ۷۳۲ھ کی عبارت ان کی تاریخ سے نقل کر کے اس کا ترجمہ مولانا مولوی کریم الدین حنفی انسپکٹر مدارس پنجاب ۱۸۴۶ء کے الفاظ وعبارت میں درج کرتے ہیں،

کانت دعوۃ رسول اللہ صلعم الی الاسلام سراً ثلاث سنین ثم بعدھا امر اللہ	"واضح ہو کہ تین برس تک پیغمبر خدا دعوت طرف اسلام خفیہ کرتے رہے مگر جب کہ یہ آیت نازل ہوئی انذر

واضح ہو کہ نبی رسول، امام، خلیفہ بنانے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے کوئی اور نہیں بنا سکتا اللہ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کے ذریعہ سے اپنا پیغام پہنچائے اور کون اس قابل ہے پ۲۰ رکوع ۱۰ میں ہے وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ سُبْحَانَ اللہِ تَعَالیٰ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ تمہارا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے (تفصیل آگے آئیگی)

رسوله باظهار الدعوة لما نزل " وَاَنْذِرْ
عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ " دعا النبی صلی اللّٰه علیه
وسلم علیاً فقال اصنع لنا صاعاً من طعام و جعل
علیه رجل شاة و املا لنا عساً من لبن و اجمع
لی بنی المطلب حتی اکلمهم و ابلغهم ما
امرت به ففعل ما امره و دعاهم و
اربعون رجلا یزیدون رجلا او ینقصونه
فیهم اعمامه ابو طالب و حمزه و
العباس و احضر علی الطعام فاکلوا حتی
شبعوا قال علی لقد کان الرجل الواحد
منهم لیاکل جمیع ما شبعوا کلهم
منه فلما فرغوا من الاکل و اراد النبیؐ
ان یتکلم بدره ابو لهب الی الکلام
فقال اشد ما سحرکم صاحبکم فتفرق
القوم و لم یکلمهم رسول اللّٰه صلعم
فقال رسول اللّٰه لعلی یا علی قد رائیت
کیف سبقنی هٰذا الرجل الی الکلام
فاصنع لنا فی غد کما صنعت الیوم
و اجمعهم ثانیاً فَصَنَعَ عَلِیٌّ فی الغد
کذالک فلما اکلوا و شربوا اللبن قال
لهم رسول اللّٰه صلعم ما اعلم انسانا
فی العرب جاء قومه بافضل مما جئتکم
به فقد جئتکم بخیر الدنیا و الآخرة وقد
امرنی اللّٰه تعالیٰ ان ادعوکم الیه
فایکم یوازرنی علی هٰذا الامر علی

عشیرتک الاقربین " یعنی ڈرا اپنے کنبے والوں کو جو
قریبی رشتے کے ہیں، اس وقت حضرتؐ نے بموجب
حکم خدا کے اظہار کرنا دعوت کا شروع کیا، بعد نازل
ہونے اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
علیؑ سے ارشاد کیا کہ " اے علیؑ ایک پیمانہ کھانے کا میرے
واسطے تیار کر اور ایک بکری کا پیر اس پر چھا لے اور
ایک بڑا کاسہ دودھ کا میرے واسطے لا اور عبدالمطلب
کی اولاد کو میرے پاس بلا کر لا تاکہ میں اس سے کلام کروں
اور سناؤں ان کو وہ حکم کہ جس پر جناب باری کی طرف سے
مامور ہوا ہوں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ
کھانا ایک پیمانہ بموجب حکم تیار کر کے اولاد عبدالمطلب
جو قریب چالیس کے تھے بلایا ان آدمیوں میں حضرت کے چچا ابولہب
اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس بھی تھے، اس وقت
حضرت علیؑ نے وہ کھانا جو تیار کیا تھا لا کر حاضر کیا۔ سب کھا
پی کر سیر ہو گئے! حضرت علی نے ارشاد کیا کہ جو کھانا ان سب
آدمیوں نے کھایا ہے وہ ایک آدمی کی بھوک کے موافق تھا
اس اثنا میں حضرت چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد کریں کہ ابولہب
جلد بول اٹھا اور یہ کہا کہ " محمد نے بڑا جادو کیا۔ یہ سنتے ہی
تمام آدمی الگ الگ ہو گئے تھے، چلے گئے پیغمبر خدا کچھ کہنے نہ
پائے تھے۔ یہ حال دیکھ کر جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد کیا کہ اے
علیؑ دیکھا تو نے اس شخص کو اس نے کیسی سبقت کی۔ مجھ کو
بولنے ہی نہ دیا۔ آپ پھر کل تیار کرنا جیسا کہ آج کیا تھا اور
پھر ان کو بلا کر جمع کر، چنانچہ حضرت علیؑ نے دوسرے روز
پھر موافق ارشاد آنحضرتؐ کے وہ کھانا تیار کر کے سب
لوگوں کو جمع کیا، جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے اس

ان یکون اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاحجم
القوم جمیعاً: قال علیؑ فقلت لاحدثم سناً
وارمصهم عنیاً واعظمهم بطناً واحمشهم
ساقاً انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیهم
فاخذ رسول اللہؐ برقبة علی وقال ان
هذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له
واطیعو فقام القوم یضحکون ویقولون
لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک
وتطیع الخ (تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۱۶)

وقت رسول اللہؐ نے ارشاد کیا تم لوگوں کی بہت اچھی قسمت
اور نصیب ہے، کیونکہ ایسی چیزیں اللہ کی طرف سے لایا
ہوں کہ اس سے تم کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور لے آیا
ہوں۔ تمہارے پاس دنیا اور آخرت میں اچھا۔ خدا تعالٰے
نے مجھ کو تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے کوئی شخص تم میں سے
اس امر کا اقتدا کرے کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بننا
چاہتا ہے۔ اس وقت سب موجود تھے اور حضرت پر
ایک ہجوم تھا۔ اور حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ
میں آپ کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں ان کی
پھوڑ دوں گا اور پیٹ چیروں گا اور ٹانگیں کاٹوں گا
اور آپ کا وزیر ہوں گا حضرتؐ نے اس وقت علی مرتضیٰؑ
کا گردن پر دست مبارک رکھ کر ارشاد کیا یہ میرا بھائی
ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان
اس کی سنو اور اطاعت قبول کرو۔

یہ سن کر سب قوم کے لوگ از روئے تمسخر ہنس کر
کھڑے ہوگئے اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی
بات سن اور اطاعت کر یہ تجھے حکم ہوا ہے

(ترجمہ تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۲۳ تا ص ۳۶ طبع لاہور)

مورخ ابوالفداء کی تحریر پر میرا وضاحتی نوٹ

آیہ مذکورہ کے نزول کی تفصیل جو حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی بنیاد قائم کرتی ہے اس پر عمل رسول، فعل رسول اور قول رسولؐ نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علی ہی رسول خدا کے خلیفہ اول اور خلیفہ بلافصل ہیں۔

عہ میرے خیال میں یہاں اس طرح ترجمہ ہونا چاہیئے تھا "حضرت علی کہتے ہیں کہ میں اگرچہ ان سب میں چھوٹا تھا، میرا پیٹ بڑا تھا، میری پنڈلیاں پتلی تھیں لیکن میں نے کہا کہ نبی خدا میں آپ کا وزیر بنوں گا"

کچھ کم وبیش لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ، تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۱۷ - تاریخ کامل ج ۲ صفحہ ۱۲۲ - لباب التاویل ج ۵ صفحہ معالم التنزیل برحاشیہ خازن ج ۶ صفحہ ۱۰۵ - خصائص نسائی صفحہ ۱۳ مسند احمد بن حنبل ج ۱ صفحہ ۳۶۱ کنزالعمال ج ۶ صفحہ ۳۹۷ ازالۃ الخفا حصہ سوم صفحہ ۲۷۶ جیب السیر اجزا ۳ صفحہ ۱۶۰ - البدایہ والنہایہ ج ۳ صفحہ ۴۰ مستدرک امام حاکم ج ۳ صفحہ ۱۳۳ منہاج السنۃ جز ۴ صفحہ ۸۰ - تاریخ اسلام حصہ اول صفحہ ۳۱ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۳ صفحہ ۳۷ - ریاض النضرہ - جز ۲ باب ۴ فصل ۱ صفحہ ۱۶۸ و صفحہ ۲۰۳ - کفایۃ الطالب باب ۵۱ صفحہ ۸۹ روضۃ الفدیہ صفحہ ۵۳ - نزل الابرار صفحہ ۱۶ روضۃ الصفا ج ۲ صفحہ ۲۷ - تاریخ اسلام عبدالحکیم نشتر ج ۱ صفحہ ۴۴ سیرت ابن اسحاق - تفسیر ابن ابی حاتم - دلائل مناقب احمد مصنف ابوبکر ابن شیبہ - تاریخ خمیس - تفسیر ابن مردویہ - تفسیر سراج منیر - تفسیر ثعلبی تفسیر واحدی - حلیۃ الاولیاء - ذخیرۃ المآل عجیلی - مختارہ ضیا مقدسی - تہذیب الآثار - اکتفاء عاصمی - معارج النبوت - مدارج النبوت میں بھی موجود ہے۔ ان اسلامی کتب کے علاوہ اس واقعہ کا تذکرہ اہل فرہنگ کی تصنیفات میں بھی ہے ملاحظہ ہو اپالوجی جان ڈیون پورٹ صفحہ ۸ - کارلائل صفحہ ۶۱ خلفاء محمد ایرونگ صفحہ ۳ تاریخ گبن ج ۳ صفحہ ۴۹۹ - اوکلی صفحہ ۱۵۔

دعوت ذوالعشیرہ کے سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس اہم اور بنیادی واقعہ کا ذکر امام بخاری نے اپنی صحیح میں نہیں کیا جس سے ان کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے نیز یہ کہ جرمن میں جو تاریخ طبری چھپی ہے اس کی ج ۹ صفحہ ۶۸ میں "وصیّی و خلیفتی" کے بجائے "کذا وکذا" درج ہے جو قابل افسوس ہے۔

واضح ہو کہ دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ ۳ بعثت کا ہے اور یہ دعوت شعب ابی طالب میں دی گئی تھی۔ (حیات القلوب ج ۱ صفحہ ۲۲۵)

دعوت ذوالعشیرہ کے بعد

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت ذوالعشیرہ کے بعد سے تا زندگی بھرپور تبلیغ دین کرتے رہے، انہوں نے اپنی زندگی ایک لمحہ بھی ضایع نہیں فرمایا رات دن، صبح شام، سوتے جاگتے، سفر، حضر غرضیکہ ہر لمحۂ زندگی میں مسلسل تبلیغ فرماتے رہے تعلیم دین دیتے رہے اصول و فروع سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے یہاں تک کہ تبلیغ کی تمام منزلیں طے ہو گئیں لیکن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ۱۰ھ ہجری آنے تک دو اہم کام باقی رہ گئے تھے، جس کی ذمہ داری حضور اکرم صلعم کے سر تھی پہلا کام یہ تھا کہ لوگوں کو مناسک حج تعلیم کریں دوسرا کام یہ تھا کہ اپنی جانشینی کا "علی رؤس الاشہاد" اعلان کریں - علامہ مجلسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ سید ابن طاؤس اور شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی اور خاصہ وعامہ کے محدثین نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت کی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلعم تمام شرائع دین لوگوں کو پہنچا چکے سوائے حج اور ولایت امام ہمام علی ابن ابی طالب کے تو جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ اے پیغمبر آپ کو خلاق عالم سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے کسی پیغمبر کو دنیا سے نہیں اٹھایا مگر اپنے دین کو تمام اور اپنی حجتوں

کو پورا کرنے کے بعد۔ لہٰذا ابھی دو عظیم باتیں رہ گئی تھیں، تم پر فرض ہے کہ تم ان دونوں کو امت تک پہنچا دو ایک ایک فریضہ حج دوسرا تمہارے بعد فریضہ ولایت وخلافت الخ (حیات القلوب ج ۲ صفحہ ۸۰۶)۔ ایک روایت ہے کہ جبرئیل نے یہ کہا کہ جس طرح تم نے نماز روزہ، زکوٰۃ جہاد وغیرہ کی عملی تعلیم دی ہے اسی طرح حج کے ارکان اور خلافت کے اعلان سے بھی فراغت حاصل کر لو۔ سنی مورخ علامہ محمد طلعت حرب لکھتے ہیں کہ حضور کا یہ حج "حج تبلیغ تھا (دول العرب والاسلام ج ۱ صفحہ ۲۲ طبع الہ آباد) یہ ظاہر ہے کہ حضرت رسول خدا ۲ سنہ ہجری تک اپنی جانشینی کی بنیاد استوار کرتے رہے ہیں جیسا کہ واقعہ تبوک (فتح الباری ج ۳ صفحہ ۳۴۷) اور واقعہ شب ہجرت (سیرت النبی) وغیرہ سے ظاہر ہے۔ تفسیر قمی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ۱۲ سنہ بعثت میں حضور اکرم نے اس کے متعلق منزل معراج پر ہدایت بھی حاصل کی تھی۔ لیکن کھلم کھلا اس طرح کا اعلان جس طرح دیگر انبیاء اپنا جانشین مقرر کرتے وقت کیا کرتے تھے اس کی نوبت نہیں آئی تھی۔

حج کے لیے روانگی کا حکم

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد سے دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے تھے لیکن حج نہ کر سکے تھے ایک مدت تک تو قریش سدِّ راہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا۔ لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے، کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے (سیرۃ النبی ج ۲۔ صفحہ ۱۸۶) بالآخر حکم خداوندی آگیا "وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (پ ۱۷ سورہ حج آیت ۲) اے پیغمبر لوگوں کو حج کے لیے پکار دو کہ لوگ تمہارے پاس (جوق در جوق) پیادہ اور ہر طرح کی (دبلی) سواریوں پر جو راہ دور دراز طے کر کے آتی ہوں گی۔ (چڑھ چڑھ کے) آپہنچیں گے تاکہ اپنے (دنیا وآخرت) کے فائدوں پر فائز ہوں۔

اس فرمان کے بعد حضرت رسول کریمؐ نے تمام علاقوں میں جہاں جہاں مسلمان تھے منادی کرا دی اور کہلا دیا کہ تمام مسلمان میرے ہمراہ حج کے لیے چلیں۔ اس اعلان کے بعد تقریباً سارے ہی مسلمان عازم سفر ہو گئے اور جوق در جوق پہنچ کر ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

الغرض حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۶ ذی قعدہ کو مدینہ سے ہفتہ کے دن نماز ظہر سے فراغت کے بعد روانہ ہو کر ذوالحلیفہ پہنچے جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اہل مدینہ کے لئے میقات ہے وہاں رات بسر کی اور صبح کو غسل سے فراغت کے بعد احرام باندھ کر تسبیح پڑھتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے اہل بیت علیہم السلام اور ازواج محترمات بھی تھیں۔

حضورؐ نے تمام مناسک حج ادا فرمائے اور اپنے اصحاب کو ساتھ لگاتے رکھا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ تمام ارکان بالکل اسی طرح ادا کرو جس طرح میں ادا کر رہا ہوں، اصحاب آپ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور آپ ہی

کی طرح تمام مناسک ادا کئے۔ حضورؐ نے دورانِ حج میں نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء ملا کر پڑھی حضورؐ کے ساتھ تمام اصحاب نے اسی طرح نماز ادا کی (سیرۃ النبی شبلی ج ۲ ص ۱۹۰)۔ دوران قیام مکہ میں آپ نے کئی خطبے دیئے اور بہت سی باتوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور خاص خاص ہدایات دیں۔ صحیح مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا وہ خطبہ جو آپ نے منیٰ میں دیا تھا کافی طویل تھا خطبہ کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا (صحیح بخاری باب الخطبہ ایام منیٰ)

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک آپ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے، ابوداؤد باب الخطبہ بمنیٰ میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گذر چکے ۱۳ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محسب جس کا دوسرا نام ابطح اور خیف بنی کنانہ ہے، میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا پھر پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۰۰)

کوہ ثبیر کے قریب رسول خداؐ کی دعا

مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی خلافت کے واضح اعلان کی خاطر بارگاہ خداوندی میں دعا فرمائی جسے خداوند عالم نے قبول فرما کر رسول کریم کو مطمئن فرما دیا، اس کے متعلق امام اہل سنت علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مردویہ متوفی ۴۱۶ھ وخطیب بغدادی اور ابوالقاسم بن عساکر نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ

"میں نے حضرت رسول کریمؐ کو مقام ثبیر جو مکہ میں ایک پہاڑی ہے (منتہی الادب ج ۱ ص ۲۰۰) کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے دیکھا آپ اس مقام پر بارگاہ خداوندی میں عرض کر رہے تھے خدایا میں تجھ سے وہی سوال کرتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰؑ نے کیا تھا کہ میرے سینے کو کشادہ فرما اور میرے کام میرے لئے آسان فرما اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھیں "واجعل لی وزیراً من اھلی علیاً اخی" اور میری اہلبیت میں سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعے سے میری پشت مضبوط کر اور میرے کام میں اس کو میرا شریک بنا تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح کریں اور بہت زیادہ تجھے یاد کریں تو تو ہماری حالت دیکھ ہی رہا ہے (تفسیر درمنثور ج ۴ ص ۲۹۵ سطر ۱۲ طبع مصر، وریاض النضرہ جز ۲ ب ۴ ق ص ۱۶۳)

یہ ظاہر ہے کہ رسول خداؐ کی دعا مسترد نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا خداوند عالم نے اسی طرح ان کی دعا قبول کر لی جس طرح حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول کی تھی (جس کا ذکر قرآن مجید پ ۱۶ رکوع ۱ سورۃ طٰہٰ میں ہے) امام اہل سنت علامہ ابوالحسن علی بن محمد ابن طیب الجلابی المعروف بابن مغازلی الواسطی المتوفی ۴۸۳ھ اپنی کتاب مناقب میں اس روایت کو ابن عباس کے حوالے سے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں "سمعت منادیا یا محمد قد اوتیت ما سئلت

ابن عباس نے کہا کہ میں نے ایک منادی کو آنحضرتؐ کی دُعا کے فوراً بعد یہ کہتے ہوئے سُنا کہ "اے محمدؐ تم نے جو مانگا ہے میں نے تمھیں دیدیا (ارجح المطالب باب۲ ص۸۷ طبع لاہور) یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جانشین خدا نے حضرت ہارونؑ کو بنایا تھا اسی طرح حضرت رسول کریمؐ کا جانشین حضرت علیؑ کو بنا کر اسکے فوراً بعد سورہ الم نشرح میں اسکی وضاحت فرمادی' جسکے متعلق حضرت رسول کریمؐ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ "یا علی انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ لکن لانبی بعدی" اے علی تمھاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کی نسبت موسیٰ سے تھی بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا یعنی جس طرح موسیٰ کے وصی ہارون تھے اسی طرح تم میرے وصی اور وزیر ہو (صحیح بخاری پ۱۸ کتاب المغازی) ازالۃ الخفاج ص۲۶۱) میں اس حدیث منزلت کے آخر میں "وانت خلیفتی" کا لفظ ہے فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص۳۸۷ میں ہے کہ جس طرح موسیٰؑ کے جانشین ہارون تھے اسی طرح آنحضرتؐ کے جانشین علی ابن ابی طالب قرار پائے یہی کچھ تذکرۃ خواص الامۃ ص۱۲ میں بھی ہے

سورہ الم نشرح کا نزول

اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اس میں آٹھ آیتیں ہیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۝ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ۝

ترجمہ:۔ خُدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (اے رسول) کیا ہم نے تمھارا وہ بوجھ ہلکا نہیں کر دیا اور (کیا) ہم نے تمھارا وہ بوجھ ہلکا نہیں کر دیا جو تمھاری کمر کو توڑے دے رہا تھا اور (کیا) ہم نے تمھارے ذکر کو بلند نہیں کیا (ضرور کیا ہے) (سنو) ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کیساتھ آسانی ہے۔ (اچھا تو پھر اب) جبکہ تم (حجۃ الوداع سے) فارغ ہو چکے تو (اپنا جانشین) مقرر کر دو اور بارگاہ احدیت میں حاضر ہونیکی طرف متوجہ ہوجاؤ۔

امام المفسرین حضرت علامہ علی بن ابراہیم قمی تحریر فرماتے ہیں" قال اذا فرغت من حجۃ الوداع فانصب امیر المومنین علی بن ابی طالب" اے رسولؐ تم اب جبکہ حجۃ الوداع سے فراغت کر چکے تو علی کے نصب خلافت کا اعلان کردو۔ (تفسیر قمی ج ۲ ص۴۲۹ طبع نجف اشرف) اس کی وضاحت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اسطرح فرماتے ہیں فاذا فرغت فانصب علمک واعلن وصیک فاعلمھم فضلہ علانیۃ" اے رسول اب جبکہ تم حج آخر سے فراغت کر چکے ہو تو اپنے عَلَمِ خلافت کو نصب کردو اور اپنے وصی کا اعلان کردو اور امت والوں کو اسکے فضل و شرف سے کھلم کھلا آگاہ کردو (اصول کافی ص۱۸۱ طبع نولکشور۔ مجمع البحرین ص۱۵۶ حاشیہ تفسیر بیضاوی ص۷۶۳ تفسیر نور الثقلین علامہ حویزی ج ۵ ص۶۰۵ طبع قم بحوالہ تفسیر امام حسن عسکری و توضیح المجید علامہ سید علی بن جعفر الماب ج ۲ ص۳۵۲ بحار الانوار علامہ مجلسی سفینۃ البحار شیخ عباس قمی ج ا ص۵۹۰ طبع نجف اشرف و تفسیر البرہان ج ۲ طبع ایران تفسیر صافی ص۴۸۴ طبع ایران)۔

مطلب یہ تھا کہ میں تو پہلے ہی سب کچھ کر چکا ہوں لیکن اب اگر تم تقرر کرنا چاہتے ہو تو سُن لو، میرا حکم ہے کہ "فانصب" خلافت کا جھنڈا گاڑ دو۔ اور سب پر واضح کر دو کہ علی خلیفہ ہیں۔ علامہ مجلسی کے تحقیق کے مطابق حضرت رسول کریمؐ نے اپنی رفیقہ حیات حضرت عائشہ سے بقیہ سے اپنے دل کی بات کہہ دی اور انھیں بتا دیا کہ میں عنقریب علی کی خلافت کا اعلان کرنیوالا ہوں، سنو یہ راز ہے اسے کسی سے نہ کہنا، غرضیکہ انھوں نے حضرت حفصہ سے کہدیا پھر ان دونوں نے اپنے اپنے باپ سے کہدیا حیات القلوب ج ۲ ص ۸۲۲) علامہ طریحی لکھتے ہیں کہ پھر خانہ کعبہ میں حضرت ابو بکر، حضرت عمرؓ ابو عبیدہ، عبدالرحمٰن اور سالم (حذیفہ کا غلام) جمع ہوئے اور حلف اٹھایا کہ ان اماتَ اللہ محمدؐ الانورھذا الامر فی بنی ھاشم، رسول کے مرنے کے بعد ہم امر خلافت کو بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔ (مجمع البحرین ص ۳۰۵)

آیہ "فاذا فرغت فانصب" کے معانی علمی بحث

ہمارے نزدیک حضرت محمدؐ و آل محمدؑ کے ارشادات کی روشنی میں اسکا مطلب و ترجمہ یہ ہے کہ اب جبکہ آپ تبلیغ رسالت کے تقریباً تمام فرائض کی ادائیگی سے فارغ ہو چکے ہو تو یہ آخری فریضہ بھی انجام دے دو یعنی اپنا قائم مقام کھلم کھلا مقرر کر دو اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کی طرف پوری توجہ سے راغب ہو جاؤ یعنی اپنے جانشین کا تقرر کا اعلان کر کے میرے پاس چلے آؤ۔ لیکن برادران اہلِ سنت نے اپنے مخصوص مطلب کے تحت اس ترجمہ سے ہٹ کر ترجمہ کیا اور سب نے بالاتفاق سوچے سمجھے منصوبے اور طے شدہ مقصد کے تحت ایک ہی راہ اختیار کی اور اسکی سعی ناشکور کی ہے کہ آیت کا مطلب یکسر بدل دیا جائے۔ ان کے ترجمے ملاحظہ ہوں

(۱) وقتے کہ از وبار فارغ شوی در عبادت خدا محنت کش و لبوئے پروردگار خود تضرع نما (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

(۲) پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دِل لگا۔ (شاہ عبدالقادر دہلوی)

(۳) پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دِل لگا (شیخ الہند محمود حسن دیوبندی)

(۴) تو جب نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کیطرف رغبت کرو۔ (احمد رضا خاں بریلوی)

(۵) تو اب کہ تم ان ترددات سے کسی قدر فارغ ہوئے تو عبادت کی ریاضت کرو اور اپنے پروردگار کی طرف پورے پورے متوجہ ہو جاؤ۔ (شمس العلماء نذیر احمد دہلوی)

(۶) پس جب تو کاروبار سے فارغ ہو تو بہت زیادہ کوشش کرنے میں لگ جا (اردو ترجمہ مفردات راغب اصفہانی)

(۷) تو جب جہاد وغیرہ سے فارغ ہو جایا کریں تو عبادت میں کوشش کیا کیجئے یا یہ کہ جس وقت فرض نماز سے فارغ ہوں تو خوب کوشش سے دعا کیا کریں اور تمام حاجتوں میں اپنے رب سے امید رکھیئے۔

(اردو ترجمہ تنویر المقیاس ترجمہ و تفسیر ابن عباس)

دعوت فکر و نظر

ہر با فہم اور عقلمند کو چاہیئے کہ سورۂ الم نشرح کو بغور پڑھے اور حضرت موسیٰ کی درخواست کا تفصیلی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور حضرت رسول کریم کی دعا اور ان کی وہ بے شمار احادیث جن میں خلافت حضرت علی کے بارے میں واضح الفاظ کے ساتھ نص فرمائی ہے مثلاً ان علیاً ولیکم بعدی۔ انہ خلیفتی و وصیی وغیرہ نیز بعثت سے لے کر وفات رسولؐ تک کے مسلسل واقعات وحالات کو پیش نظر کر کے سوچیئے کہ حضرت محمد وآل محمد کا بتایا ہوا ترجمہ درست ہے جو راسخین فی العلم تھے جو عارف قرآن تھے جو منشاء باری اور منطوق قرآنی کو سمجھتے تھے یا اہل سُنت کے علماء کا ترجمہ درست ہے جو صرف عالم تھے راسخین فی العلم نہ تھے، عارف بالقرآن نہ تھے منشاء اور باری اور منطوق قرآنی سے قطعاً بے خبر تھے میں تو سمجھتا ہوں کہ ترجمہ وہی صحیح ہے جو حضرات معصومین کو بتایا ہوا ہے اور یقیناً صحیح ہے کیوں کہ وہی عالم بالقرآن ہیں (الماموں شبلی) وہی راسخون فی العلم ہیں۔ (القرآن) لیکن علماء اہل سُنت نے اس ترجمہ سے اس لئے گریز کیا ہے کہ اس کے تسلیم کر لینے سے ان کی اجتماعی اور انتخابی مدینہ کی بنیاد نہ صرف یہ کہ متزلزل ہوتی ہے بلکہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتی ہے کیونکہ نص خلافت کے ماننے سے سقیفۂ بنی ساعدہ کی ساری کارروائی باطل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے نظریئے کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں کہ جو ہمارے صحیح نظریئے کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کیا بلکہ اسے بدعت ثابت کرنے کی سعی ناکام کی ہے، امام اہل سُنت علامہ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں "ومن البدع ما روی عن بعض الرافضۃ انہ قرأ فانصب بکسر الصاد ای فانصب علیاً للامامۃ" بعض رافضیوں سے یہ بدعت مروی ہے کہ انہوں نے "فَانْصِبْ" بکسر صاد پڑھا ہے اور اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ "علی کو امامت کے لئے مقرر کرو" اگر استدلال کا یہی انداز ہے تو پھر ناجی بھی تعصب و عداوت علیؑ مراد لے سکتا ہے

(تفسیر کشاف ج ۲ ص ۳۱۴ طبع مصر)

لفظ فانصب کی بحث اور زمخشری کا جواب

یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے جس کا تعصب اظہر من الشمس ہے بروایت مشکوٰۃ اس نے پانچ لاکھ انسان قتل کرائے تھے تو اریخ میں ہے کہ شیعیان علیؑ کا قتل اس کی حکومت کے نصب العین میں شامل تھا بڑے بڑے نامور شیعہ اس نے قتل کرائے تھے قرآن مجید پر اعراب لگانے میں بھی یہ جذبہ کار فرما تھا جس طرح اس نے وضو میں لفظ "ارجلکم" کے لام پر زیر کے بجائے زبر لگا کر یکسر منشاء باری کو بدل دیا پاؤں پر مسح کے بجائے اس کا دھونا بنا دیا لفظ "فانصب" میں ص کے زیر کی بجائے زبر لگا کر مقصود باری اور منطق قرآنی کی کایا پلٹ دی۔

حضرات آئمہ معصومین علیہ السلام نے آیۂ "فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ" میں لفظ "فانصب" کو بکسر صاد تسلیم کیا ہے۔ یہ لفظ باب ضرب، یضرب سے بروزن اضرب ہے جس کا مصدر "النصب" ہے جس کے معنی "اقامتہ الشئی ورفعہ" کے ہیں (رتجامیہ ایں الحجہ ۳ لغت کی مستند کتاب المجدار کے ص ۸۱۴ میں ہے۔

النصب مصدرا و اقامہ، و وضعہ، وضعاً ثاتیا، النصب مصدر "العلم المنصوب"

المنجد اردو کے صفحہ ۱۲۸۳ میں ہے النصب جمع انصاب ، گڑی کی ہوئی علامت ، لغت انگلش ، الفرائد کے صفحہ ۸۱۸ میں ہے نصب لغیار قائم کرنا یہی کچھ الصراح صفحہ ۹۱ اور اردو ترجمہ مفردات راغب الصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ رکے صفحہ ۱۲۷۴ طبع پشاور ۱۹۶۲ء میں بھی ہے۔ علامہ بہاؤ الدین عاملی احاشیہ تفسیر بیضاوی صفحہ ۷۶۳ میں لکھتے ہیں۔

المستفاد من الاخبار انہ بکسر الصاد من النصب بالتسکین الرفع والوضع یعنی فاذا فرغت یعنی فاذا فرغت من امر تبلیغ الرسالۃ ومایجب علیک انماثم من الشرائع فانصب علمک بفتح اللام ای ارفع علم ھدایتک للناس وضع من لقوم برخلافتک موضعک حتی یکون قائماً مقامک تبلیغ الاحکام وھدایۃ الانام لئلا ینقطع خیط الھدایۃ بین اللہ وبین عبادہ بم یکون ذالک مستمراً یقام امام مقام امام ابداً الی یوم القیامۃ

(ترجمہ) احادیث سے یہ بات مستفاد ہے کہ "فانصب" بکسر ص النصب (مصدر) سے نکلا ہے جس میں (ص ۔ ب) ساکن ہیں جس کے معنی رفع اور وضع کے ہیں یعنی اے رسول جب تم امر تبلیغ رسالت کو حد تک پہنچانے سے فارغ ہو چکے ہیں تو اپنے علم (بفتح لام) کو بلند کرو یعنی اپنے علم ہدایت کو لوگوں کے لئے بلند کرو اور اپنی جگہ اپنے خلیفہ کو قائم کر دو تاکہ وہ تمہارا قائمقام ہو تبلیغ احکام کے لئے اور ہدایت عوام کے لئے تاکہ سلسلہ ہدایت خدا اور بندوں کے درمیان منقطع نہ ہو بلکہ یہ سلسلہ قیامت تک اس طرح جاری رہے کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام اس کا قائمقام ہوتا رہے۔

حضرت عمر کا اعتراف

حضرت علامہ بہائی رحمتہ اللہ علیہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسی مقصد کو حضرت عمر نے مختصراً الفاظ میں یوں پیش فرمایا ہے۔ قال عمر بن الخطاب نصب رسول اللہ علیاً علماً فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ اللھم انت شہیدی علیھم۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ (یوم غدیر) حضرت رسول کریم نے علی بن ابی طالب کو علم ہدایت کی حیثیت سے (خلیفہ) مقرر کیا اور انہیں (ہاتھوں پر بلند کر کے) فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ بھی مولا ہے خدایا اسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور اسے دشمن جان جو اسے دشمن جانے اُسے ٹھکرا دے جو اسے چھوڑ دے اور اس کی مدد کر جو اس کی مدد کرے بارالہا تو گواہ رہنا میں نے لوگوں تک تیرا پیغام پہنچا دیا۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۴۹ طبع استنبول)

ایک اور سوال اور اس کا جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ قرآن مجید میں لفظ "فَانْصَبْ" بفتح صاد موجود ہے جو باب سمع سے ہے جس کے معنی تعب میں ڈالنے کے ہیں (مفردات

راغب اصفہانی صد ۵۱۳) اسے حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام نے کیوں تسلیم نہیں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً ان حضرات کا علم قرآن تمام دنیا کے علماء سے نہ صرف یہ کہ بہت زیادہ تھا بلکہ بنص قرآنی " وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ " یہی عالم بالقرآن ہیں جسے دیگر علماء اہل سنت کے علاوہ متعصبین متاخرین کی فرد اکمل علامہ شبلی نعمانی نے بھی " المامون " میں تسلیم کیا ہے یعنی وہ قرآن مجید کے زیر و زبر تک کو سب سے بہتر جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی سنی عالم نے اس آیت کے متعلق شیعہ نظریئے پر جو حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ارشادات کی روشنی میں قائم کیا گیا ہے اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی یہ اور بات ہے کہ اپنے مذہب کی بقاء اور اس کے تحفظ کی خاطر اس کی تائید بھی نہیں کی سوائے صاحب کشاف کے کہ انہوں نے اپنے بغض علیؑ کا کشف فرمایا ہے ثانیاً یہ کہ " فانصب " کو بفتح صاد تسلیم کرنے سے قرآن مجید کی بعض دیگر آیات میں تکرار اور تضاد رونما ہوتا ہے کیوں کہ اس آیت کی بنا پر ان کے نظریئے کے مطابق رسول کریمؐ کو مشقت کی ہدایت ظاہر ہوتی ہے اور حکم ہو رہا ہے کہ عبادت اور دعا میں تعب اور مشقت برداشت کرو اور سورۂ مزمل میں ہے " قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا " اور سورہ طٰہٰ میں ہے " مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ " یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خداوند عالم دو آیتوں کے ذریعہ سے تعب برداشت کرنے اور مشقت کرنے سے روکے اور ایک آیت میں تعب و مشقت برداشت کرنے کی ہدایت کرے اور یہ عقلاً بھی درست نہیں کیوں کہ اس سے جوانی میں مشقت سے روکنا اور بڑھاپے میں مشقت کا حکم دینا واضح ہوتا ہے۔

دفع دخل

اس مقام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر " فَانْصَبْ " کو بفتح صاد قرار دینے کے بجائے بکسر صاد سمجھا جائے۔ اور " فَانْصِبْ " پڑھا جائے تو " فَارْغَبْ " سے مطابقت نہیں ہوتی اور اس کے وزن پر نہیں آتا اس کے متعلق عرض ہے کہ اولاً تو اس قسم کی مطابقت کی کوئی خاص پابندی قرآن مجید میں نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ سورۂ مدثر میں ہے۔ کہ " يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ " ان آیات کا اول و آخر دیکھ لیا جائے ثانیاً یہ کہ جس طرح حضرات معصومین علیہم السلام نے فَانْصَبْ کو فَانْصِبْ سمجھا ہے اسی طرح امام فخرالدین رازی امام ابوالسعود۔ علامہ زمخشری قاضی بیضاوی نے " فَارْغَبْ کو فَرَغِّبْ تحریر کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۸ صد ۱۱۹ طبع مصر تفسیر ابوالسعود برحاشیہ تفسیر کبیر ج ۸ صد ۱۱۹ تفسیر بیضاوی ج ۲ صد ۴۴۳ تفسیر کشاف ج ۲ صد ۷۷۴) اس کے علاوہ علامہ صدیق حسن بھوپالی اپنی تفسیر فتح البیان ج ۱۰ صد ۳۰۶ میں لکھتے ہیں " قرء زید بن علی و ابن ابی عیلۃ فرغّب بالتشدید العین ای رَغِّبِ النَّاسَ اِلَی اللّٰہِ وشوقھم الی ما عندہ من الخیر " زید بن علی اور ابن ابی عیلہ نے فَارْغَبْ کو فَرَغِّبْ عین کے تشدید اور زیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول تم لوگوں کو اللہ کی طرف راغب کرو اور ان کے دل میں طلب خیر کا شوق پیدا کرو۔

در ایں صورت اب آیت کی شکل یہ ہو جاتی ہے۔ " فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصِبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَرَغِّبْ " اسی طرح

والد کی تاریخ روضۃ الصفا کے خلاصہ کے طور پر لکھی ہے، یہ تین جلدوں میں ہے اس کا شمار کتب معتبرہ میں ہے۔ مولوی حسام الدین سہارنپوری اپنی کتاب مرافض میں لکھتے ہیں کہ "حبیب السیر کو کتب معتبرہ مثل صحیح بخاری وشفا قاضی عیاض ومواقف میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام اہل سنت علامہ غیاث الدین بن ہمام المتوفی سنہ ۹۳۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شفیع الامت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وصول بغدیر خم دراں موضع کہ بسبب فقدان آب وعلف قابلیت نزول نہ داشت فرود آمد واہل اسلام لوازم متابعت بہ تقدیم رسانیدند وسبب نزول دراں منزل آن بود کہ قبل ازاں حضرت مقدس نبوی بجبہو وحی سماوی مامور شدہ بود کہ جناب ولایت مآب مرتضوی را بخلافت خویش نصیب فرمائید وآنحضرت اظہار این صورت را جہت دریافت وقتی کہ از اختلاف مامون باشد در عقدہ تاخیر انداختہ بود، وچوں بموضع غدیر خم رسید ومعلوم گردید کہ پس از تجاوز ازاں مکان طوائف الناس از موکب ہمایوں جدا شدہ ف منازل خود خواہند رفت وارادہ ازل مقتضی آن بود کہ تمامی آن مردم ازیں معنی باخبر باشند این آیہ نازل شد کہ " یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (یعنی فی استخلاف علیؑ والنص علیہ بالامامۃ) وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔

وچوں بنا بر کریمہ مذکورہ وجوب نصب امیر المومنینؑ بخلافت متحقق گشت حضرت رسالتؐ دراں موضع منزل گزیدند فرمود تا سایہ بعضے۔

(حاصل ترجمہ) حضرت شفیع امت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم پہنچنے کے بعد ایسے مقام جو آب وگیاہ نہ ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ تھا کہ وہاں ٹھہرا جا سکتا لیکن آپ وہیں اتر پڑے اور آپ کے ساتھ تمام اصحاب بھی اترے اور وہاں اترنے کی وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلی منزل (مقام مسجد خیف) میں خداوند عالم کی طرف سے حضور اقدس مامور تھے کہ علی بن ابی طالب کے جانشین ہونے کا اعلان کر دیں حضور اقدس اس حکم کی تکمیل میں صرف اس لئے تاخیر فرما رہے تھے کہ حکم خداوندی میں اشرار سے حفاظت کا ذکر نہ تھا حضور چاہتے تھے کہ فضا ساز گار ہو تو اعلان کریں لیکن جب آپ غدیر خم میں پہنچے اور یہ محسوس کیا کہ اب یہاں سے لوگ اپنے اپنے راستوں پر چل پڑیں گے۔ اور مجمع منتشر ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالی کا منشاء یہ ہے کہ اس حکم کو تمام لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اسی بنا پر خلاق عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یا ایھا الرسول الخ

اے میرے رسول وہ حکم جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے جس میں تمہیں ہدایت کی گئی ہے۔ کہ

علی کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دو اور ان کی امامت پر نص کر دو، اس کی فوراً تکمیل وتعمیل

از اشجار آں حوالی را صفا دادہ و پالانہائے شتران را
جمع ساختہ بر زیر یک دیگر نہادند و بلال با شارت
آنحضرت ؐ ندا کرد الصلوٰۃ الجامعۃ و بروایتے آواز
بر آورد حی علی خیر العمل" خلائق مجتمع
گشتہ رسول اللہ ؐ بر بالائے آں پالانہا بر آمد و علی
مرتضیٰ نیز بفرمودۂ آنحضرت ؐ بالا رفتہ بر یمین سید المرسلین ؐ
بایستاد و آں سرور بعد از ادائے حمد و ثنا باری تعالیٰ
از انتقال خویش بعالم بقا مردم را آگاہ گردانید و
فرمود کہ من درمیان شما دو امر عظیم می گذارم کہ اگر
دست در آں زنید گمراہ نشود و یکے از آن دو بزرگ تر
است از دیگرے و آں دو چیز گراں مایہ' قرآن است و
اہل بیت من و این ہر دو از یک دیگر جدا نشوند
تا در لب حوض کوثر بمن رسند پس فرمود کہ "یا ایہا
الناس الست اولیٰ بکم من انفسکم
آیا نیستم من اولیٰ بشما از نفسہائے
شما" از اطراف و جوانب آواز بر آمد کہ "بلے"
آنحضرت ؐ فرمود کہ ہر کہ من اولیٰ ام بہ اُو از نفس اُو
علیؑ بدو اولیٰ است از نفس او آنگاہ دست شاہِ
پناہ را گرفتہ گفت" من کنت مولاہ فھذا علیؑ
مولاہ اللھمّ وال من والاہ وعاد من
عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ
وادر الحق معہ حیث ما دار" پس امیر المومنین
علی کرم اللہ وجہہ بموجب فرمودۂ حضرت رسالت پناہ
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم در خیمہ نشست تا طوائف خلائق
بملازمتش رفتہ لوازم تہنیت بہ تقدیم رسانیدند و

کرو اور (سنو) اگر تم نے مزید تساہلی کی اور فوراً تعمیلِ
حکم نہ کیا تو سمجھا جائیگا کہ تم نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں
کیا (گھبراؤ نہیں) اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا'
جونہی رسولِ خدا ؐ نے اس آیت کی طرف توجہ دی
اور حکم خداوندی سے اسی جگہ اعلانِ خلافت کو ضروری
سمجھا فوراً اسی جگہ پر انتظامات کا حکم دیدیا اور فرمایا
کہ درختوں کو صاف کر کے پالان اشتر کا منبر بنایا جائے
چنانچہ جب کاٹھیوں کا ایک کے اوپر ایک رکھ کر بنایا
گیا اور بلال کو حکم دیا گیا کہ الصلوٰۃ الجامعہ
یا بروایت حی علی خیر العمل کے ذریعہ سے
آواز دو تاکہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔ جب آگے نکل
جانے والے واپس آگئے اور پیچھے رہ جانے والے پہنچ
گئے حضرت رسول کریم ؐ منبر پر تشریف لے گئے اور علی
مرتضیٰ کو بلا کر اپنے داہنے جانب کھڑا کر لیا' اس کے
بعد ایک عظیم الشان خطبہ پڑھا اس سے قبل اپنی وفات
کی خبر دی (خطبہ میں فرمایا کہ میں تم میں دو گراں بہا
چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جو ایک دوسرے سے بزرگ
ہیں۔ ان میں ایک قرآن مجید ہے اور دوسرے میرے
اہلبیت یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں
تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ آپ نے یہ بھی
فرمایا کہ اے لوگو کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ
تصرف کا حق نہیں رکھتا سب نے کہا "بیشک رکھتے ہیں"
حضرت ؐ نے فرمایا کہ جس طرح میں سب کے نفسوں سے
اولیٰ ہوں اسی طرح علی بھی سب سے اولیٰ ہیں۔
اس کے بعد حضور ؐ نے علی کے ہاتھوں کو پکڑ کر اتنا بلند کیا

از جملہ اصحاب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضؓ، جناب ولایت مآب را گفت: بخ بخ لک یا بن ابی طالب اصبحت مولائی و مولا کل مومن و مومنة

یعنی خوشا حال تو اے پسر ابو طالب بامداد کردی در وقتی کہ مولائے من و مولائے ہر مومن و مومنہ بودی۔ بعد ازاں امہات مومنین بر حسب اشارت سید المرسلینؐ بر خیمہ امیر المومنین رفتہ تہنیت بجا آوردند الخ

(تاریخ حبیب السیر ج ا جزء ۳ صفحہ ۱۴۴، طبع بمبئی ہند) وتفسیر در منثور ج ۲ ص ۲۰۹ طبع مصر) روضة الصفا ج ۲ ص ۲۱۵)

کہ سفیدی بغل نمودار ہوگئی اور فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے خدایا دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اسے دشمن رکھے اور مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرے اور ٹھکرا دے اس کو جو اسے نظر انداز کر دے اور حق کو اس کی طرف پھیر جس طرف علی پھیریں یعنی حق کو علیؑ کے تابع قرار دے۔ پھر امیر المومنین علیہ السلام رسول خداؐ کے ارشاد کے مطابق ایک خیمہ میں تشریف فرما ہوتے تاکہ تمام لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تہنیت ادا کریں چنانچہ سب نے مبارکباد دی ان مبارکباد دینے والوں میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے جنہوں نے ولایت مآب حضرت علیؑ سے ان لفظوں میں تہنیت ادا کی "مبارک ہو مبارک ہو اے ابن ابی طالب کہ تم میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے یعنی خوشا حال تمہارے کہ تم نے ایسے حال میں صبح کی کہ اب ہمارے اور تمام مومنین و مومنہ کے مولا ہو۔ اس کے بعد حضرتؐ کے ارشاد کے مطابق تمام امہات المومنین خیمہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں تشریف لے گئیں اور ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کی حضرت علیؑ نے سب کا شکریہ ادا کیا۔

مفسرین و محدثین و مورخین کا بیان ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی منبر سے اترنے نہ پائے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور انہوں نے اکمال دین اور اتمام نعمت کا ان الفاظ میں مژدہ سنایا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام" خدا فرماتا ہے کہ اے میرے نبی تمہارے ذمہ جو یہ دو کام تھے ایک حج اور دوسرا اعلان جانشینی اب جبکہ تم ان دونوں سے فارغ ہو گئے ہو اور اس مقام پر علیؑ کی جانشینی کا اعلان کر چکے ہو اور اب تمہارے ذمہ کوئی اہم کام باقی نہیں رہ گیا

گویا تم نے تمام دینی کام ختم کر دیئے ہیں تو اب میری طرف سے یہ سُن لو کہ میں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین اسلام کی پسندیدگی کا اعلان کر دیا یعنی نصب خلافت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر در منثور علامہ جلال الدین سیوطی ج ۲ صفحہ ۲۵۹ سطر ۳-۵ طبع مصر) اسی آیت سے ملی ہوئی یہ آیت بھی ہے الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون۔ آج کے دن کفر والے لوگ مایوس ہو گئے ہیں تمہارے دین سے تم ان سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو (سورۂ مائدہ پ ۶ رکوع ۵)

معلوم ہونا چاہیئے کہ واقعہ غدیر خم صرف تاریخ حبیب امیر مذکور ہی میں نہیں ہے بلکہ برادران اہل سنت کی سینکڑوں کتابوں میں مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ موجود ہے جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں تفسیر در منثور سیوطی اسباب النزول، تفسیر کشف البیان ثعلبی۔ کتاب الدرایہ فی حدیث الولایہ۔ تفسیر کبیر۔ مطالب السئول۔ مودۃ القربیٰ فصول المہمہ، عمدۃ القاری، اربعین محدث جمال الدین۔ توضیح الدلائل۔ مفتاح النجا، حلیۃ الاولیا، عینی شرح بخاری، کتاب المناقب ابن مردویہ، کنز العمال، ریاض النضرہ، فرائد السمطین، صراط سوی، مسند ابو داؤد، سنن کبیر بیہقی، مسند ابن ابی شیبہ شامل ہیں۔ نیز یہ کہ اسی واقعہ غدیر خم کے خطبۂ نبوی میں حدیث ثقلین ہے یعنی حضرت رسول کریم نے اعلان خلافت امیر المومنین کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں (۱) کتاب خدا (۲) میری عترت یعنی میرے اہلبیت، جب تک تم لوگ ان سے متمسک رہو گے گمراہ نہ ہو گے اور یہ ایک دوسرے سے اس وقت تک جُدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ آجائیں، اس حدیث کو برادران اہل سنت کے ۱۸۵ محدثین نے معتبر صحابہ کے ذریعہ سے اخراج کیا ہے جس کا ذکر ان کی کثیر کتابوں میں ہے جن میں صحیح مسلم، صحیح ترمذی، مسند احمد بن حنبل، خصائص نسائی، مستدرک امام حاکم، درمنثور، معجم صغیر طبرانی، خواص الامۃ، کنز العمال، مناقب ابن مغازلی، جواہر العقدین سمعودی، صواعق محرقہ، سیرت حلبیہ۔ فرائد السمطین، مناقب خوارزمی، جمع بین الصحیحین، فردوس الاخیار، تاریخ ابن کثیر، اسد الغابہ، مطالب السئول، ذخائر العقبیٰ، ریاض النضرۃ، تفسیر کبیر، لباب التاویل، مشکواۃ، تفسیر حسینی، مذاہب لدنیہ، شرح شفا قاضی عیاض، ازالۃ الخفا، وسیلۃ النجات وغیرہ شامل ہیں۔

اسی طرح واقعہ غدیر خم کی وہ حدیث جو خلافت امیر المومنین کے اعلان کی بنیاد ہے جسے حدیث ولایت بھی کہتے ہیں جس کو برادران اہل سنت کے ۱۵۲ علماء و محدثین نے معتبر صحابہ کے ذریعہ سے اخراج کیا ہے جن کا ذکر ان کی کثیر کتابوں میں ہے جن میں تاریخ ابن کثیر شامی، صواعق محرقہ، مسند احمد بن حنبل، نہایہ ابن اثیر، جمع البحار۔ کنز العمال، سنن ابن ماجہ، خصائص نسائی، صحیح ترمذی، الامامت والسیاست۔ جامع صغیر سیوطی۔ ریاض النضرۃ

مرقات شرح مشکوٰۃ ۔ منھاج السنہ ابن تیمیہ ۔ فتح الباری عسقلانی، مستدرک امام حاکم ۔ تفسیر کشف البیان ۔ فصول المہمہ استیعاب ۔ اسباب النزول ۔ سرالعالمین ۔ ربیع الابرار ۔ اسد الغابہ ۔ اربعین ۔ جامع الاصول ۔ مطالب تذکرہ خواص الامۃ ۔ البدایہ در نھایہ ۔ اسنی المطالب ۔ تہذیب التہذیب ۔ اصابہ ۔ تاریخ الخلفاء ۔ کنوز الحقائق ۔ مدارج النبوت ۔ نزل الابرار ۔ ازالۃ الخفاء ۔ اسعاف الراغبین ۔ وسیلۃ النجات محمد مبین فرنگی محلی شامل ہیں ۔

مذکورہ کتب اور ان کے علاوہ اور بہت سی کتابوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت رسول کریم نے انبیاء ماسبق کی طرح حکم خداوندی سے اپنے چچازاد بھائی اور داماد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کرکے اس کا شاندار طریقے سے اعلان فرما دیا تھا اس عظیم الشان اعلان کے بعد جس کے اجتماع میں ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب نے شرکت کی ہو یہ کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ "لم ینص علی احد" رسول خداؐ کسی کی خلافت کے لئے نص نہیں فرما گئے تھے بہرحال لوگوں کے منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہے جو چاہتے ہیں کہتے ہیں اور جو چاہتے ہیں لکھتے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دلائل اور شواہد کے بعد حضرت علی کی خلافت بلا فصل سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی ۔

علامہ جلال الدین سیوطی کے بیان سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس تاریخ کو حضرت عمر نے بھی یوم عید قرار دیا ہے اس کے علاوہ انہوں نے حضرت علی کے اعلان خلافت پر جو بخ بخ الخ کہا تھا اس سے بھی اس کا اندازہ ہوتا ہے رئیس العلماء حضرت علامہ بہاؤالدین عاملی تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو حضرت علی کی جانشینی عمل میں آئی اور آپ کے امام الانس والجن ہونے کا اعلان کیا گیا اور اسی تاریخ ۳۴ھ میں عثمان بن عفان قتل ہوئے اور حضرت علی کی بیعت کی گئی، اسی تاریخ حضرت موسیٰ ساحروں پر غالب آئے اور حضرت ابراہیم کو آگ سے نجات ملی اور آپ کے لئے آگ گلزار بنی، اسی تاریخ کو حضرت موسیٰ نے جناب یوشع بن نون کو اور حضرت سلیمان نے جناب آصف بن برخیا کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اسی تاریخ کو تمام انبیاء نے اپنے جانشین بحکم خدا مقرر فرمائے ہیں ۔

(جامع عباسی ۱۵ باب طبع دہلی ۱۹۱۴ء و اختیارات مجلسیؒ)

مورخین فرنگ اور واقعہ غدیر

مسلم مورخین و محدثین کے علاوہ اس عظیم واقعہ غدیر خم کو مورخین فرنگ نے اپنی کتابوں میں نہایت شد و مد کے ساتھ لکھا ہے ہم اس مقام پر ایک دو مورخین فرنگ کے تاثرات پیش کرتے ہیں ۔

مسٹر ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا ۔ جبرئیل آئے تھے اور کہا تھا کہ اے پیغمبرؐ میں خدا کی طرف سے آپ کے لئے صلوات و رحمت لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سنا دیجئے اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے ۔ خدا آپ کو ان کے شر سے

بچائے گا حکم خدا کے پاتے ہی آنحضرت صلعم نے انس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کریں جس میں اپنے اور پرائے دونوں ہوں۔ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیر خم کہتے ہیں جو نواح شہر جحفہ میں مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے.... پہلے اس مقام کو صاف کرایا پھر آنحضرت صلعم ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لئے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ حاضرین نہایت توجہ سے سنتے تھے تو ایک خطبہ حضرت صلعم نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "تمام حمد اس خدائے یکتا کے لئے ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا، اس کا علم ماضی حال مستقبل کو شامل ہے اور اس کو انسانوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم ہیں کیونکہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی وہ بے انتہا لعبید اور بالکل قریب ہے وہی وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو خلق کیا وہ غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اس کی قدرت اور اس کے اختیارات کے تابع ہے، اس کی رحمت اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے وہ جو کرتا ہے مصلحت سے کرتا ہے وہ نزول عذاب میں ٹال مٹول کرتا ہے اس کا سزا دینا رحمت سے خالی نہیں۔ اس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام سماوی اسی کے علم سے اپنی راہ پر جو اسی نے مقرر کی ہے چلتے ہیں بعد حمد خدا واضح ہو کہ میں خدا کا صرف ایک بندہ ہوں مجھے خدا کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال ادب جھکاتا ہوں۔ سنو! تین مرتبہ جبرئیل میرے پاس آچکے ہیں اور تینوں بار انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے تمام پیروؤں سے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور میرے وصی اور تمام امت کے امام ہیں اور میرے گوشت و پوست ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰ کے ہارون تھے اور میری وفات کے بعد وہی تمہاری ہدایت کریں گے اور ہادی ہوں گے، جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو میرے پیروؤں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہیئے جیسے میری اطاعت کرتے تھے جبکہ میں تم میں موجود تھا۔ سنو۔ جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے درحقیقت خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔ سنو۔ یہ خدا کے احکام ہیں۔ سب وحیاں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں علی نے مجھ سے سیکھ لی ہیں جو اس کا حکم نہ مانے گا اللہ کی دائمی لعنت اس کے سر پر ضرور رہے گی۔ خدا نے قرآن کی سورتوں میں علی کی تعریف کی ہے۔ میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علی میرے چچا زاد بھائی اور میرے گوشت اور خون ہیں۔ خدا نے ان کو نہایت نادر خوبیاں عطا کی ہیں۔ علی کے بعد ان کے بیٹے حسن و حسین ان کے جانشین ہوں گے .... پھر آپ نے بڑے شد و مد سے کہا کہ جو مجھ کو مولا مانتا ہے وہ علی کو بھی اپنا مولا سمجھے اللہ تائید کرے اس کی جو دوستی رکھے علی سے اور غضبناک ہو اس پر جو ان کا دشمن ہو۔ الخ (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام ج ۳ صفحہ ۲۵) سکیمرز آف محمد طبع لندن صفحہ ۱۸۰ و صفحہ ۱۸۱ تاریخ خلفاء محمد ایرونگ صفحہ ۱۶۵ ایلیمنٹس آف جنرل ہسٹری مسٹر ٹائیلر مطبوعہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۲۲۹ اسپرٹ آف اسلام مسٹر ٹوپو مورخ فرانس زوال سلطنت روم مسٹر گبن۔

اعلان حکومت بلا فصل میں شک کا انجام

یہ ظاہر ہے کہ قرآن وسنت نے اس پر نص کر دی ہے کہ جو بھی خدا اور رسول کے احکام سے سرتابی کرے اور اسے بے چون وچرا نہ مانے گا اس کا انجام آخرت میں نہایت ہی برا ہوگا، حارث بن نعمان فہری جو صحابی رسول تھا اس نے اعلان خلافت بلا فصل امیر المومنین میں شک کیا جس کی وجہ سے فوراً ہلاک ہو گیا، یہ واقعہ ہے کہ اسے سزا آخرت میں اسی طرح ملنا تھی جس طرح تمام منکرینِ خلافت بلا فصل امیر المومنین کو ملے گی لیکن اس نے چونکہ فوری عذاب کی درخواست کی تھی اس لئے اسی وقت ہلاک ہو گیا۔

ہم اس اہم واقعہ کی تفصیل علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الامتہ۔ علامہ محمد بن یوسف الزرندی کی کتاب معارج الوصول، دولت آبادی کی مناقب السادات۔ علامہ سمہودی کی جواہر العقدین۔ محدث شیرازی کی روضۃ الاحباب، امام مناوی کی فیض القدیر۔ علامہ محمود بن محمد قادری کی صراط السوی۔ علامہ حلبی کی لسان العیون علامہ احمد کثیر کی وسیلۃ الآمال۔ علامہ محمد بن اسمٰعیل کی روضۃ الندیہ، علامہ حافظ محمد بن یوسف گنجی کی کفایت الطالب اور امام ابواسحاق کی تفسیر ثعلبی کے حوالے سے اصل عبارت کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف امام ثعلبی کی عربی عبارت کا سنی محقق علامہ عبید اللہ بسمل امرتسری کے الفاظ میں اردو ترجمہ درج کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"امام ابواسحاق ثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سفیان بن عینیہ سے کسی نے پوچھا کہ آیۂ " سال سائل بعذاب واقع " کس کے حق میں نازل ہوا ہے۔ یہ سن کر سفیان بن عینیہ کہنے لگے کہ تو مجھ سے ایک ایسا مسئلہ پوچھتا ہے کہ تجھ سے پہلے کسی نے بھی نہیں پوچھا تھا۔ سن مجھ سے حضرت ابوجعفر امام محمد باقرؑ نے روایتاً اپنے آباءِ کرام سے بیان فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو لوگوں کو جمع کر کے سب کے سامنے جناب امیر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ " جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے، یہ ارشاد مشہور ہو گیا اور اس کی خبر " نعمان بن حارث فہری " کو بھی معلوم ہوئی تو وہ اپنے ناقہ پر سوار ہو کر جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ناقے کو بٹھا کر اور اس سے اتر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، اے محمدؐ آپ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس بات کی گواہی دیں کہ " خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اس کے رسول برحق ہیں، ہم نے آپ کا یہ حکم مان لیا پھر آپ نے ہم کو پانچ وقتوں کی نماز پڑھنے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے قبول کر لیا۔ پھر آپ نے ہم کو روزہ رکھنے کے لئے کہا ہم نے وہ بھی قبول کر لیا۔ پھر آپ نے ہم کو حج کرنے کا حکم دیا ہم نے وہ بھی قبول کر لیا پھر اس پر بھی آپ راضی نہ ہوئے اور اپنے ابن عم کا بازو تھام کر اٹھایا اور ان کو ہم لوگوں پر فضیلت دی اور فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا

علی بھی مولا ہے" فھذا شیئ منکم امر من اللہ عزوجل" یہ سب کچھ آپ نے اپنی طرف سے کیا ہے یا خدا کی طرف سے۔"فقال النبی والذی لا الٰہ الا ھو ھذا من عند اللہ" قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوا ہے۔ یہ سن کر حارث یہ کہتا ہوا اپنے ناقہ کی طرف لوٹا کہ "اللھم ان کان ما یقول محمد حقاً فامطر علینا حجارۃ من السماء و ائتنا بعذاب الیم" خدایا محمد جو کہتے ہیں اگر یہ سچ اور برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر (یہ کہہ کر) وہ ابھی اپنے ناقہ تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ "رماہ اللہ عزوجل الحجر سقط علی ھامتہ" خدا نے اس کی کھوپڑی پر اس طرح پتھر گرایا کہ وہ سر کو توڑ کر زمین پر جا گرا اور وہ ہلاک ہوا، اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔"سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ دافع الخ" ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا جس کا کافرین کیلئے کوئی واقع نہیں ہے۔ (ارجح المطالب ج ۲ ص۲۰۵ طبع لاہور)

واقعۂ غدیر اور اعلان خلافت جناب امیرؑ کے بعد

یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ۔ واقعہ شب ہجرت۔ واقعہ تبوک اور آیت اولو الامر الخ انما ولیکم اللہ الخ۔ آیت اذا فرغت فانصب۔ آیت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل من ربک الخ نیز عمل رسولؐ۔ فعل رسولؐ۔ ارشادات رسولؐ کی روشنی میں مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام یقینی طور پر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واحد جانشین اور خلیفہ بلا فصل ہیں جو اس قطعی فیصلے سے انکار کرے گا یا اس کے ماننے سے چون و چرا کرے گا یا تردد و سرکشی سے کام لے گا وہ یقیناً عقل و خرد دین و شریعت کی عدالت میں خدا و رسول کے حکم کی خلاف ورزی میں مجرم قرار پائے گا۔ اور اس کی سزا جہنم کے سوا کچھ نہیں۔ اس جرم میں صحابی۔ محدث۔ مورخ سب ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ امام بخاری نے اس واقعہ عظیم کا ذکر تک نہیں کیا اور بیسویں صدی کے اردو مورخ شمس العلماء شبلی نعمانی نے جس انداز میں ذکر کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے وہ حضورؐ کی مکہ سے واپسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ امام مسلم نے خطبہ کا ذکر کیا ہے غدیر خم کا ذکر کیا ہے اور حدیث ثقلین کا ذکر کیا ہے لیکن حدیث ولایت کا ذکر نہیں جو اصل واقعہ غدیر اور خلافت بلا فصل کی بنیاد ہے یہی کچھ شارح مسلم امام نووی نے بھی کیا ہے (صحیح مسلم ج ۲ ص۲۷۹ طبع کراچی) اور اس بیسویں صدی کے اردو مورخ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے جس انداز میں ذکر کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ وہ حضورؐ کی مکہ سے واپسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

راہ میں ایک مقام پر خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں "خم غدیر" آتا ہے۔ آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ "اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور فخذو الکتاب اللہ واستمسکوا بہ واھلبیتی اذکرکم اللہ فی اھلبیتی"۔

(ترجمہ) حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم مناقب حضرت علیؑ کی روایت ہے۔ نسائی مسند امام احمد۔ ترمذی۔ طبرانی۔ طبری۔ حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؑ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (ترجمہ) جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیئے۔ الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔"

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی الخ ملاحظہ ہو۔ سیرۃ النبی (ج ۲ ص۸۰ طبع لاہور) منصور پوری نے بھی "رحمۃ اللعالمین" میں یہی ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ (افسوس)

انصاف کا خون

علامہ شبلی نعمانی نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ آپ کے پیشِ نظر ہے۔ ہم اس وقت مناظرے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کیونکہ ہم صرف ایک مضمون لکھ رہے ہیں کوئی کتاب زیرِ قلم نہیں ہے ورنہ ہم شبلی صاحب کی ان تمدی کوتاہیوں کا ایسا پردہ چاک کر دیتے کہ ان کے ماننے والے حیران رہ جاتے۔ ہم اس وقت صرف ان کی تحریری کوتاہیوں کی فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے ان کی مسلمانی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

(۱) انہوں نے واقعہ غدیر خم کو جو قرآن و سنّت اور تاریخ و حقیقت کا عظیم واقعہ ہے۔ نہایت معمولی انداز میں پیش کر کے رواداری کا ایک معمولی سا واقعہ ظاہر کیا ہے۔ (۲) کہتا ہے کہ رسولِ خدا نے وہاں ایک

مختصر سا خطبہ دیا (۳) اور پر جو مسلم کی روایت نقل کی ہے اسی کو پورا خطبہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ وہ خطبہ بہت طویل تھا۔ (۴) نسائی وغیرہ کے حوالے سے جو عبارت لکھی ہے اس میں نفرہ کا لفظ لکھا ہے جو کم سے کم پر بولا جاتا ہے (۵) ترجمہ میں مولیٰ کے معنی محبوب لکھا ہے جو اس جگہ کے لئے بالکل غلط ہے (۶) اس امر سے لاعلمی ظاہر کی ہے کہ رسول نے کیوں خطبہ دیا اسکی کیا ضرورت تھی (۷) بخاری کے حوالے سے کہا ہے کہ یمن کے سفر میں بعض لوگوں کو علی سے شکایت پیدا ہوگئی تھی غالباً اسی کو دور کرنے کے لئے خطبہ دیا اور "من کنت مولاہ الخ" فرمایا تھا۔

دعوت توجہ

جناب شبلی صاحب اگر اپنی عقل و خرد کی نگاہ سے امام بخاری اور امام مسلم کے دل کے اندر جھروکے سے جھانکیں اور ان کے دماغوں کی باریک رگوں پر نگاہ کریں تو ان کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے جو لفظ "مولیٰ" کا ترجمہ محبوب کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ کیوں کہ اگر اس کا یہی ترجمہ ہوتا تو یقیناً امام بخاری اور مسلم اس حدیث متواتر کو ضرور نقل کرتے کیوں کہ علی کے محب رسول ہونے یا ان کے لئے دعوت محبت عوام کو دینے سے ان کے مذہب کی بنیاد پر زد نہیں پڑتی البتہ زد پڑتی ہے تو علی کے خلیفہ، حاکم، اولی بالتصرف ہونے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی مولا کے معنی محب کے نہیں، حاکم اعلیٰ ہی کے سمجھتے تھے جیسا کہ تمام غیر متعصب علماء سمجھتے اور لکھتے آئے ہیں لیکن وہ بے چارے (بخاری و مسلم) سمجھتے تو تھے مگر لکھ نہیں سکتے تھے ورنہ ان کو اپنے اس نئے مذہب سے جسے خلفاء ثلاثہ نے جنم دیا تھا ہاتھ دھونا پڑتا جو علی کی خلافت بلافصل کے نہ ماننے کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔ جس کا احداث وفات رسول کے بعد ہوا تھا۔ میں جناب شبلی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے تو آپ ہی بتائیے کہ امام بخاری اور مسلم نے اس مستند، متواتر اور مسلم الثبوت متفق بین الفریقین حدیث من کنت مولاہ فھذا علیٌ مولاہ کو نظر انداز کیوں کیا؟ اور سلے اپنی صحیح میں مندرج کیوں نہیں کیا؟

حدیث غدیر کا تواتر

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ واقعہ غدیر جو نزول آیۂ بلغ، حدیث ثقلین، حدیث ولایت وغیرہ پر مشتمل ہے اسے کثیر علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے اور اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور ۳۲۷ محدثین نے اخراج کیا ہے مزید بر آں ایں کہ امام المحدثین حافظ ابن عبدہ نے اسے ایک سو صحابہ سے امام جزری و شافعی نے اسی صحابہ سے امام احمد بن حنبل نے تیس صحابہ سے طبری نے پچھتر صحابہ سے اس کی روایت کی ہے (منہج الوصول نواب صدیق حسن ص ۱۳) میں اس مقام پر تواتر کی وضاحت کے طور پر چند اقوال لکھتا ہوں:۔

(۱) ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں، ان ھذا حدیث صحیح لا مرتۃ فیہ الخ

بل بعض الحفاظ اعدہ متواتر یہ حدیث بالکل صحیح ہے اس میں کوئی شبہ وشک نہیں ہے اسے ہمارے بعض حفاظ حدیث نے متواترات میں شمار کیا ہے (۲) محدث شیرازی کتاب اربعین میں لکھتے ہیں ھذا الحدیث عن النبی رواہ جمع غفیر من النبی "یہ حدیث متواتر ہے لے ایک بہت بڑے گروہ نے نبی کریم سے روایت کیا ہے (۳) امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں، حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ فلہ طرق جیدۃ و تد افردت ذالک ایضاً، حدیث من کنت مولاہ نہایت اچھے اور ستھرے طریقے سے مروی ہے میں نے اس کے متعلق ایک رسالہ بھی لکھا ہے (۴) مرزا محمد معتمد خان بدخشی نزل الابرار میں لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث صحیح مشھور لہ یتکلم فی صحتہ الامتعصب جاحد الاعتبار بقول" یہ حدیث صحیح ہے۔ مشہور ہے اس کی صحت کے بارے میں متعصب منکر کے سوا کوئی زبان نہیں کھول سکتا، ایسے شخص کا اعتبار ہی کیا ہے (۵) امام جزری اسنی المطالب میں کہ حدیث غدیر بالکل صحیح ہے اس کو وہی ضعیف کہہ سکتا ہے۔ ممن لا اطلاع لہ فی ھذا العلم جیسے علم حدیث سے کوئی واقفیت نہ ہو۔

وادی غدیر خم سے مدینہ منورہ کو روانگی

الغرض اعلان خلافت بلافصل امیر المومنین علیہ السلام کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قافلہ سمیت تیسرے دن عازم مدینہ ہو گئے جو غدیر خم سے ۵ منزل پر واقع آپ کے ہمراہ اس عظیم قافلہ میں مومن بھی تھے اور منافق بھی، وہ بھی تھے جو حضرت علی کے خلیفہ ہونے سے خوش و مسرور تھے اور وہ بھی تھے جنھوں نے بجبر و اکراہ، دنیا داری کے طور پر مبارکباد دی تھی اور دل ہی دل میں جل بھن رہے تھے، راستہ میں ایک گھاٹی پڑی منافقوں نے چاہا کہ حضورؐ کے ناقے کو بھڑکا کر ان کا قصہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی پاک کر دیں تاکہ اعلان خلافت کو استحکام نہ مل سکے اور منصوبہ پر عمل درآمد نہ ہو سکے مگر خدا نے ان کی حفاظت کی اور رہ قطع منازل اور طے مراحل کرتے ہوئے ذوالحلیفہ پہنچے جو مدینہ کے قریب واقع ہے۔ رات وہاں بسر فرمائی۔ علی الصباح وہاں سے روانہ ہو کر اس وقت وارد مدینہ ہوئے جبکہ آفتاب عالمتاب آپ کے استقبال کے لئے طالع ہو رہا تھا۔

مدینہ پہنچنے کے بعد سے زندگی آخری لمحات تک حضور اقدس کام کو سمیٹنے کی کوشش کرتے رہے کیوں کہ انہیں اپنی تاریخ وفات کا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ عنقریب رخت سفر بندھ جائے گا۔ انہوں نے صنہ بری وصیتوں سے فراغت حاصل کی اور ضروری ہدایتوں سے لوگوں کو سرفراز فرمایا۔

حضورؐ کی علالت

بالآخر حضور اقدسؐ علیل ہو گئے علالت کے دوران بھی آپ نماز جماعت پڑھاتے رہے آپ نے کسی کو نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا، ایک دن مرض کا غلبہ ہوا اور مسجد تشریف نہ لے جا سکے یہ حالت دیکھ کر بروایت حضرت عائشہ" امروا ابا بکر یصلی بالناس" لوگوں نے حضرت ابوبکر کو حکم

دیا کہ آپ نماز پڑھائیں چنانچہ انہوں نے نماز پڑھانا شروع کی اتنے میں "وجد رسول اللہ من نفسہ خفۃ"
رسول خدا کو افاقہ ہو گیا وہ فوراً دو صحابہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے وارد مسجد ہوئے اور حضرت ابو بکر کے آگے
بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے کیونکہ ان میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴) نماز پڑھانے کے بعد حضور انور
نے اسی حالت میں خطبہ دیا۔

بیماری کی حالت میں حضورؐ کا خطبہ

امام اہل سنت علامہ شیخ سلیمان قندوزی جو سلطان ترک کے پیر تھے اور امام المحدثین علامہ محمد باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں
نماز پڑھانے کے بعد حضور نے فرمایا کہ مجھ کو منبر پر بٹھاؤ، لوگوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھایا حضرت پہلے زینے
پر بیٹھے اور خدا کی حمد و ثنا بجا لائے اور فرمایا۔

"یا ایھا الناس بلا شبہ میرے پاس وہ چیز جو خدا کی جانب سے آئی ہے جس کی تم کو پابندی کرنا چاہیئے، بے شک میں نے تم کو راہ راست و روشن پر چھوڑا ہے اور اس کو تمہارے واسطے ایسا واضح کر دیا ہے کہ اس کی راتیں دن کی مانند روشن ہیں لہٰذا میرے بعد اختلاف نہ کرنا جس طرح بنی اسرائیل نے کیا۔ ایھا الناس میں نے تم پر کوئی حلال نہیں کی مگر وہی جسے قرآن نے حلال کیا ہے اور کوئی چیز حرام نہیں کی مگر وہی جس کو قرآن نے حرام کیا ہے، یقیناً میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں تم جب تک ان سے متمسک رہو گے اور ان سے ہاتھ نہ اٹھاؤ گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ دونوں خدا کی کتاب اور میری عترت ہیں جو میرے اہلبیت ہیں اور یہ دونوں تمہارے درمیان میرے خلیفہ ہیں اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچیں، پھر میں وہاں تم سے ان کے بارے میں باز پرس کروں گا۔"

یہ سب فرما کر حضرت منبر سے نیچے تشریف لائے اور حجرہ مقدسہ میں واپس تشریف لے گئے۔
حضورؐ نے اس خطبہ میں وہی کچھ فرمایا جو پہلے حج کے موقع پر مسجد خیف اور غدیر خم وغیرہ میں فرما چکے تھے (ترجمہ ینابیع المودہ ص ۵۹ ترجمہ حیات القلوب ج ۲ ص ۸۳۱)

واضح ہو کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے اہلبیت کی بے حد فکر تھی وہ چونکہ بعلم نبوت آنے والے تمام واقعات سے باخبر تھے اسی لئے آخر وقت تک انھیں اہلبیت کی فکر لاحق رہی۔ انھوں نے بروایت احمد بن فضل بن محمد عالم اہل سنت اس وقت جب کہ آپ کا حجرہ اصحاب سے پُر تھا اور آپ بستر سے اٹھ نہ سکتے تھے کہ انی مخلف فیکم کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی ثم اخذ بید علی فقال علی مع القرآن مع علی الخ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، کتاب خدا اور اپنے اہلبیت، پھر علیؑ کا

ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ قرآن ان کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہیں اور یہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں گے (وسلیۃ المآل و صواعق محرقہ صہ) علامہ ابن حجر مکی الطبرانی لکھتے ہیں ان اخرما تکلم بہ النبی اخلفونی فی اھلبیتی کہ رسول خدا کی زبان پر دم واپسین جو آخری بات تھی، وہ یہ تھی کہ میرے اہلبیت کا میرے بعد میری خاطر سے خیال رکھنا (صواعق محرقہ ب صنہ طبع مصر)

علالت کے زمانے کا ایک واقعہ

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس زمانے میں بستر علالت پر تھے حضرت علیؑ اندر سے باہر برآمد ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کی کیسی حالت ہے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا کے فضل سے حالت ٹھیک ہے' اس کے بعد حضرت عباس نے حضرت علی سے فرمایا کہ اے علی میری بات غور سے سنو، خدا کی قسم تین روز کے بعد تم غلام ہو جاؤ گے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ صہ ۹۶ طبع لاہور)

حضرت علی کی خلافت کو دستاویزی شکل دینے کی نبوی کوشش

کون نہیں جانتا کہ خلاق عالم نے نبی، رسول، امام، وصی اور خلیفہ کے انتخاب اور تقرر کا اختیار صرف اپنے ہاتھ میں رکھا ہے' یہ اختیار دنیا میں کسی کو بھی نہیں دیا، قرآن مجید پ ۲۰ رکوع ۱۰ میں ہے "وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ" تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔

یہ آیت انبیاء اور اولیاء وغیرہ کے منصوص من اللہ ہونے پر روشن دلیل ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ دینی حکمران کا منصب خدا ہی کی طرف سے ہوگا، اس میں اجماع، استخلاف، شوریٰ اور استیلاء (وغیرہ) کوئی دخل نہیں ہے، امام یا خلیفہ بنانے کا حق صرف خدا کو ہے یہ کام نہ صرف امت بلکہ انبیاء و رسل کے بھی دسترس سے بالاتر ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی تحریر فرماتے ہیں کہ فظاھرہ نفی الاختیار عنھم راساً والامر کذالک عند التحقیق الخ یعنی ما کان لھم الخیرۃ کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم لوگوں کے مطلقاً اختیار و انتخاب کی نفی کر رہا ہے یعنی امت کو انتخاب و اختیار کا بالکل ہی حق نہیں ہے اور یہی تحقیق سے ثابت ہے۔ (تفسیر بیضاوی صہ ۳۲۵) علامہ شبیر احمد عثمانی قرآن مجید مترجمہ شیخ الہند علامہ محمود حسن دیوبندی کے حاشیہ صہ ۵۰۹ کے نشان ۷ پر لکھتے ہیں "یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اس کی مشیت اور اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے جو اس کی مرضی پر احکام بھیجے جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر

چلا کر کامیاب فرمادے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے فرد چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع وافراد سے ممتاز بنادے اس کے سوا کسی کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں، حافظ ابن القیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے (فلیرجع) یعنی تخلیق و تشریع و اختیار مذکور میں حق کا کوئی شریک نہیں لوگوں نے اپنی تجویز و انتخاب سے جو شرکاء ٹھہرالئے ہیں سب باطل و بے سند ہیں (انتہیٰ) مقصد یہ ہے کہ اسی ابتدائی اصول پر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ مطابق ۶ مارچ سنہ ۶۳۲ء یوم جمعہ کو حج سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ سے بارادہ مدینہ منورہ (جو مکہ سے ۲۷۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۱۵ ذی الحجہ کو روانہ ہو کر ۱۷ ذی الحجہ کو بمقام جحفہ پہنچے جو غدیر خم سے تین میل پہلے واقع ہے پھر وہاں سے ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ مطابق ۱۸ یا ۲۰ مارچ ۶۳۲ء یوم یکشنبہ کی صبح کو روانہ ہو کر پانچ گھڑی دن چڑھے وارد غدیر خم ہوئے جو مکہ سے تین منزل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں پہنچ کر ایک لاکھ $\frac{۲۴}{۲۵}$ ہزار کے مجمع اصحاب میں بحکم خدائے جلیل حضرت علی کی جانشینی اور خلافت کا پالان اشتر کے منبر پر کھڑے ہو کر ایسے وقت میں اعلان فرمایا جبکہ آفتاب نصف النہار پر تھا اور گرمی کی شدت تھی زمین اس طرح تپ رہی تھی کہ لوگ اپنی پگڑیاں یا اپنے عملے پیروں میں لپیٹ رہے تھے۔ حضورؐ نے اعلان کرتے وقت ایک طویل خطبہ پڑھا تھا۔ منبر پر داہنی طرف امیر المومنین اور بائیں جانب جبرئیل امین کھڑے تھے، اعلان کے بعد حضورؐ نے دستار بندی کی تھی اور سیاہ عمامہ باندھ کر ایک سبز خیمہ میں بٹھا دیا تھا تاکہ لوگ مبارک بادیاں دیں چنانچہ سب نے مبارک بادی دی جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔

پھر حضورؐ وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے جو غدیر خم سے پانچ منزل پر واقع ہے۔ وہاں آپ نے علالت سے قبل تک بلکہ علالت میں بھی فرائض انجام دیئے۔ اسی دوران میں اعلان خلافت کو برداشت نہ کرنے والوں کے چہروں کا مطالعہ کیا اور ان کے طرز عمل کا جائزہ لیا، بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ اعلان خلافت کو دستاویزی شکل دے دینا ضروری ہے ورنہ ایسے لوگ جو دل سے مسلمان نہیں ہیں جو عظمت رسول کے قائل نہیں ہیں جو خدا پر سچے دل سے ایمان نہیں رکھتے وہ فرمان خداوندی کی نافرمانی کریں گے اور میری تمام محنتوں کو خاک میں ملا دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے ایسے وقت میں جب کہ کثیر اصحاب آپ کی خدمت میں حاضر تھے ارشاد فرمایا "اے میرے اصحاب، تم قلم دوات، کاغذ لا دو تاکہ، میں تمہارے لئے ایک ایسا نوشتہ قلم بند کر دوں، جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔"

ہم حضورؐ کی اس تمنا اور خواہش کو برادران اہل سنت کی معتبر ترین کتابوں سے درج ذیل کرتے ہیں۔

(۱) ایتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ۔ مجھے سادہ کاغذ لا دو تاکہ

میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ تیار کر دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

(۲) قال النبی صلعم اکتب لکم کتاباً لا تضلون بعدہ ، حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے کاغذ لا دو تاکہ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو (صحیح مسلم)

(۳) قال ادعوا لی بصحیفۃ و دواۃ اکتب کتاباً لا تضلوا بعدہ ابداً حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے ایک ورق کاغذ اور (قلم) و دوات دیدو تاکہ میں تمہارے لئے ایسا وثیقہ لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو۔ (طبرانی)

(۴) قال رسول اللہ ائتونی بالکتف والدوات اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ ابداً رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کوئی پر کا قلم اور دوات دیدو تاکہ میں تمہارے لئے ایسی کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (مسند احمد بن حنبل) وغیرہ وغیرہ

حضور اکرم صلعم کے مقصد کی وضاحت

(۱) امام حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۱۰۱ میں لکھتے ہیں ھو تعیین الخلیفۃ بعدہٗ ، وہ تحریراً خلیفہ کو معین کرنا چاہتے تھے۔

(۲) امام حافظ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی اپنی کتاب " الکوکب الدراری فی شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں۔ انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیودیھم ذالك الی الضلال۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے بعد کے خلیفہ کا نام لکھ کر دے جائیں تاکہ بعد میں لوگ اختلاف نہ کریں اور آپس میں جھگڑا نہ کریں جس کے بعد گمراہ ہو جائیں۔

(۳) امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔ اراد ان ینص علی الخلافۃ فی انسان معین لئلا یقع نزاع و فتن۔ حضرت رسول خدا یہ چاہتے تھے کہ خلافت کے لئے اس انسان کا نام جو معین ہے نص کر دیں تاکہ بعد میں جھگڑا فساد نہ ہو۔

(۴) امام شہاب الدین خفاجی شرح شفا قاضی عیاض میں لکھتے ہیں۔ اراد ان یعین امر الخلافۃ بعدہ حتی لا یختلفوا فیھا وہ چاہتے تھے کہ امر خلافت کی بنیاد بصورت تحریر قائم کر دیں تاکہ بعد میں لوگ اختلاف نہ کریں۔

(۵) امام حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۱ میں لکھتے ہیں۔ اراد ان ینص علی اسامی الخلفاء بعدہ حتی لا یقع بینھم الاختلاف حضورؐ یہ چاہتے تھے کہ تمام خلفاء کے نام پر تحریراً نص کر دیں تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو۔

حافظ ابن حجر کی تحریر سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضور اپنے تمام اوصیاء اور خلفاء کے نام لکھنا چاہتے تھے جن کے اسماء زبانی بتا چکے تھے، جیسا کہ ینابیع المودة ہے اولهم علی واخرهم مهدی جن تعداد کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہے۔

رسول خدا کے مقصد اور ان کی خواہش کا حضرت عمر کی طرف سے ردّ عمل

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس آخری خواہش و فرمائش اور تمنا کو پوری کرنے کے لئے چند اصحاب آگے بڑھے جن میں حضرت علی۔ حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد، حضرت عمار اور حضرت عبداللہ بن عباس شامل تھے، ابھی وہ قلم و دوات و کاغذ ان کی خدمت میں پیش نہ کرنے پائے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب اپنے اس گروہ سمیت جو ان کے ہمراہ تھا، درمیان میں حائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ " اس مرد کو چھوڑ دو یہ بکواس کر رہا ہے اور بخار کی تیزی کی وجہ سے ہذیان (اول فول) بک رہا ہے یہ سننا تھا کہ صحابہ کا ایک گروہ بھڑک اٹھا اور اس نے اس طرز کی گفتگو پر سخت نوٹس لیا جس کے نتیجے میں دونوں گروہ دست و گریباں ہو گئے اور دیر تک دھما کا چوکڑی مچتی رہی، اسی دوران میں ازواج رسول اور دیگر عورات بنی ہاشم نے پردے سے شور مچایا کہ " یہ کیا ہو رہا ہے، رسولؐ جو کچھ مانگتے ہیں، دیدو" لڑائی جھگڑے کی کیا ضرورت ہے، ان کے جواب میں حضرت عمر بن خطاب نے کہا " انکن صواحبات یوسف الخ تم سواحیات یوسف ہو جب مرد تندرست ہوتے ہیں تو ان کی گردنوں پر سوار ہوتی ہو اور جب بیمار پڑتے ہیں تو روتی ہو یہ سن کر حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا دعوهن فانهن خیر منکم انھیں کچھ نہ کہو یہ تم سے بہتر ہیں (طبرانی) غرضیکہ یہ شور و غوغا، دیر تک جاری رہا اور اس کے دوران حضرت خاتم النبیینؐ بے انتہا اضطراب اور پریشانی میں کروٹیں بدلتے رہے، جب حضورؐ عاجز آ گئے اور ان سے یہ حرکت ناشائستہ نہ برداشت ہو سکی تو تڑپ کر غصے میں فرمایا " قوموا عنی لا ینبغی عند النبی التنازع " میرے پاس سے دور ہو جاؤ، تمہیں نہیں معلوم کہ نبی کے پاس چیخ پکار شور و غوغا جائز نہیں۔

ان امور کو برادران اہل سنت کے بڑے بڑے علماء نے اپنی معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے ہم اس مقام پر چند علماء اور چند کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حجتہ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی اپنی کتاب " سر العالمین " طبع بمبئی کے ص۹ پر لکھتے ہیں۔

لما مات رسول اللہ قال قبل وفاتہ ایتونی بدوات و	جب رسول اللہ کی وفات ہوئی تو وفات سے قبل انھوں نے فرمایا کہ مجھے دوات اور کاغذ دے دو،

بیاض لا تضلوا بعدہ لا زیل منکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لها بعدی قال عمر دعوا الرجل فانه لیهجر وقیل یهذو

تاکہ میں ایک تحریر کے ذریعے سے خلافت کے اس اشکال کو دور کر دوں (جس کے بعد میں جھگڑا کھڑا ہو سکتا ہے) اور تحریراً بھی بتا دوں کہ میرے بعد خلافت کا حقدار کون ہے؟ یہ سن کر عمر بن خطاب نے کہا، اس مرد کو چھوڑ دو، یہ ہذیان بک رہا ہے

(۲) قال عمر ان النبی غلبه الوجع و عندکم القرآن وحسبنا کتاب الله

(صحیح بخاری) عمر بن خطاب نے رسول اللہ کے جواب میں کہا، نبی پر درد کا غلبہ ہے اس لئے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تمہارے پاس قرآن ہے جو ہمارے لئے کافی ہے (تحریر کی ضرورت نہیں)

(۳) فقالوا هجر رسول الله (صحیح بخاری) عمر بن خطاب کے گروہ نے کہا، رسول خدا ہذیان بک رہے ہیں،

(۴) فقال عمر ان رسول الله قد غلب علیه الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب الله (صحیح مسلم) عمر بن خطاب نے کہا کہ رسول اللہ پر درد کا غلبہ ہے اسی لئے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ہمارے پاس قرآن ہے اور یہی ہمارے لئے کافی ہے۔

(۵) فقالوا ان رسول الله یهجر (مسند احمد بن حنبل) حضرت عمر اور ان کے ساتھیوں نے کہا، رسول اللہ هذیان بک رہے ہیں۔

(۶) فقال له ماله اهجر الخ (منہاج السنة) عمر بن خطاب نے رسول کے جواب میں کہا کہ انھیں ہذیان ہو گیا ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ هذیان بخار کی وجہ سے تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔

(۷) فقال عمر ان رسول الله لیهجر حسبنا کتاب الله (صحیح مسلم ایضاً) عمر بن خطاب نے کہا کہ بے شک رسول خدا هذیان بک رہے ہیں۔

(۸) فقال ان الرجل لیهجر (جمع بین الصحیحین) انہوں نے کہا یہ مرد هذیان بک رہا ہے۔

(۹) علامہ عکبری کتاب شرح دیوان متنبی میں ایک شعر کے ذیل میں ھجر کے معنی لکھتے ہیں۔

الهجر القبیح من الکلام والفحش وهجر اذا هذی وهو ما یقول المحموم عند الحمی ومنه قول عمر بن الخطاب عندم من رسول الله ان الرجل

(ترجمہ) ہجر کے معنی گندی گفتگو اور فحش بول کے ہیں۔ ہجر بولتے ہیں جب ہذیان بکے اور یہ اس اول قول سے متعلق ہے جو بخار میں بکا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عمر بن خطاب کا وہ قول ہے جو انہوں

لیھجر علی عادۃ العرب نے رسول اللہ کے مرض موت کے موقع پر عادت عرب کے مطابق کہا تھا کہ " یہ مرد (رسول) ہذیان بک رہا ہے

(۱۰) شمس العلماء مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی حادثہ قرطاس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انہوں نے دھینگامشتی سے منصوبے کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس بجا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضروری نہیں۔ خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے " (امہات الامۃ صفحہ ۹۲)

(۱۱) شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی لکھتے ہیں۔

" ایسی بیماری کے زمانے میں ایک دن بہت سے لوگ حضرتؐ کے پاس جمع تھے، آپ نے ارشاد فرمایا۔ لاؤ کاغذ میں تم کو کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ........ یہ سن کر (حضرت عمر) بولے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بخار کی تکلیف کا غلبہ ہے اس کے سبب ایسا فرماتے ہیں، وصیت نامے کی کچھ ضرورت نہیں۔ ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے (محرم نامہ صفحہ ۱۰ طبع دہلی)

(۱۲) شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

" وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ بعض صحابہ نے لوگوں سے مخاطب کر کے کہا " رسول اللہ کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن مجید ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے، بعض کچھ اور کہتے تھے۔ اختلاف اور شور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا " اھجر استفھموہ " خود آپ سے دریافت کر لو۔ لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا " مجھے چھوڑ دو، میں جس مقام (حال) میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو (سیرۃ النبی ج ۲ صفحہ ۲۱۵)

علامہ شبلی اس کے فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں۔

" مجھ کو احتیاط کرنی چاہیئے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے دائرے میں نہ آجائے، تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے میں الفاروق میں لکھ چکا ہوں۔

ناظرین کرام اب ان کی ذاتی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

• بیماری کا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہوگے اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے، حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) روایت میں ھجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں، یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے، ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ ص بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی،
اور اس میں سہو اور خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اس کے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں، ہم کو قرآن کافی ہے، طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت ص کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا نعوذ باللہ الخ"

(الفاروق ص۱۰۶)

واضح ہو کہ یہ حادثہ قرطاس وفات رسولؐ سے چار پانچ دن پہلے یوم پنجشنبہ کا تھا جس کو یاد کر کے حضرت ابن عباس تا زندگی بے انتہا روتے رہے اور کہتے رہے ہائے وہ کیسا دن تھا جس دن لوگوں نے رسول خدا کی آخری خواہش کو ٹھکرا کر انھیں بے پناہ صدمے سے دوچار کیا (مشکوٰۃ حصہ۲ ص۲۵۰ طبری ج۳ ص۱۹۳)

حضرت رسول کریمؐ کی ایک آخری زبانی وصیت

حادثۂ قرطاس و قلم کے بعد سے حضورؐ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ دو دن تک بالکل خاموش پڑے رہے بالآخر تیسرے دن کچھ سکون محسوس کیا تو نہایت رنج و غم اور دکھ درد کی حالت میں فرمایا کہ میں جو کچھ لکھنا چاہتا تھا اس سے تو تم لوگوں نے محروم رکھا اب یہ آخری وصیت میں تین باتیں ہیں، انہیں تم غور سے سنو پہلی بات یہ ہے کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا دوسری بات یہ ہے کہ باہر سے جو وفود آئیں ان کے ساتھ میری طرح سلوک کرنا، تیسری بات (جو خلافت علی سے متعلق تھی، اس کے بارے میں راوی نے کہا) ونسیت الثالثۃ، میں تیسری بات بھول گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد) اس کے متعلق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "وصیت سیوم دے را فراموش شدہ بود یا در اظہار آں مصلحت نہ دید الخ" تیسری وصیت راوی کو یا تو بھول گئی یا اس نے اس کے اظہار میں مصلحت نہیں دیکھی (معارج النبوت ص۲۲۹)

بحوالہ فصل ۳ رکن ۴۲) میرے خیال میں اگر امام بخاری پر جھوٹ لنے کا الزام عائد کرنے کے بجائے یہ کہئیے۔ کہ رسولؐ نے وصیت میں وہی باتیں کہی تھیں تو شاید لوگوں کو ان کی طرف سے بدگمانی کم ہوتی

وفاتِ رسولؐ اور حادثۂ سقیفہ

صحیح بخاری، کتاب الطب باب

ج ۲، ص۱۲۷ طبع مصر ۱۳۱۴ھ سے ظاہر ہے اس کے دوسرے دن یعنی یوم دوشنبہ ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۶۳۲ء پیغمبرِ اسلام خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انتقال فرما گئے (اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون)

وفاتِ رسولؐ کے فوراً بعد انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر بیعت کے مسئلہ پر غور کرنے لگے۔ بروایت طبری وہ علی ابن ابی طالب کی بیعت کے خواہشمند تھے، علی کا اس وقت وہاں پہنچنا ناممکن تھا کیونکہ وہ رسول خداؐ کو غیروں کی طرح بے غسل و کفن چھوڑ کر جا نہیں سکتے تھے،

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اپنے ایک ہمنوا گروہ کے ساتھ وہاں پہنچ گئے، حضرت عمر نے ایک منٹ بھی ضائع کئے بغیر حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں، کیوں کہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں، اس منصب کا آپ سے زیادہ کوئی حقدار نہیں، جب انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بیعت کر لی۔ پھر سلسلہ شروع ہو گیا۔

مورخ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری کے عین الفاظ یہ ہیں:

انصار گفتند کہ با علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیعت کنیم کہ پسرِ عم اوست عمر رضؓ ترسید کہ اختلاف درمیان پیدا شود، ابوبکر رضؓ را گفت کہ تو دست دراز کن تا یا تو بیعت کنیم کہ تو نیز قریشی و سزاوار تری۔ عمر رضؓ دست ابوبکر را بگرفت و بیعت کرد

(تاریخ طبری ج ۳ ص۴۳۶)

انصار نے کہا کہ ہم حضرت علی رضؓ کی بیعت کریں گے کیونکہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضؓ ڈرے کہ اختلاف پیدا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں، کیونکہ آپ بھی (علی کی طرح) قریش ہیں اور اس منصب کے لئے سب سے زیادہ لائق ہیں۔ یہ کہتے ہی عمر رضؓ نے ابوبکر رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی۔

غصب خلافت کا اعتراف

حضرت عمر فرماتے ہیں "لقد اراد فی مرضہ ان یصرح باسمہ فمنعت" وہ اپنے ایام مرض میں یہ چاہتے تھے کہ علیؑ کے نام کی صراحت کر دیں لیکن میں نے انھیں اس میں کامیاب نہیں ہونے دیا (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جز ۳ صک ۹۷) حضرت عمر کے خصوصی ماننے والے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"کوئی دانشمند اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ مرتدوں سے جنگ کرنا بلاد عجم و بلاد روم کو فتح کر لینا، کسریٰ و قیصر کے لشکروں کو شکست دینا انھیں خلفاء کی تدبیروں کا نتیجہ ہے اور انھیں کے حکم سے ہوا ہے اور کفایت کرنے والے کے لئے اس قدر کافی ہے کہ اس کے تو خود شیعہ بھی قائل ہیں کہ حضرات شیخین نے خلافت کو حضرت علی مرتضیٰ رضہ سے غصب کرلیا تھا، اور خلافت کا غصب کرلینا بلا جرأت و تدبیر نیز لوگوں کی تکالیف کے ممکن نہیں الخ (ازالۃ الخفاء ج ۱ صد۳ طبع کراچی)

اس اعتراف گناہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ غصب خلافت کا عمل ناجائز، حرام اور مستوجب عذاب الٰہی ہے۔

غصب خلافت کا نتیجہ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت منہاج نبوت سے ہٹ گئی اور فوراً ہی ملوکیت کے لباس میں بانیان اسلام، منصوص من اللہ خلفاء اور ان کے ماننے والوں کو تباہ و برباد کیا جانے لگا، اور اس بربادی کو ایسا دوام دے دیا گیا جو قیامت تک جاری رہے گا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

آخرت میں کیا ہوگا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا و رسول اور آئمہ طاہرین کے صحیح ماننے والے اور ان کی راہ پر

چلنے والے جنت میں جائیں گے اور ان کے دشمن اور ان کی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور علی مرتضیٰ کے ہاتھوں جہنم میں جھونکے جائیں گے بقرآن مجید میں ہے " اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ " (حکم ہوگا کہ) تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو (پ ۲۶ رکوع ۱۶ آیت ۲۴)
علامہ محسن فیض تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ "اے علی یہ آیت میرے اور تمہارے بارے میں نازل ہوئی ہے (تفسیر صافی ص ۴۳۹) امام اہل سنت علامہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی (جو سلطان ترک کے پیر تھے) تحریر فرماتے ہیں: اذا کان یوم القیامۃ وقف محمد و علی علی الصراط وینادی مناد یا محمد یا علی القیا فی جھنم کل کفار عنید ... یا محمد و عنید لولا یتک یا علی (ترجمہ) جب روز قیامت ہوگا تو محمد مصطفےٰ اور علی مرتضیٰ پل صراط پر کھڑے ہوں گے اور ایک منادی ندا دے گا کہ "اے محمد و علی تم دونوں منکر نبوت اور منکر خلافت و ولایت کو جہنم میں جھونک دو، پس وہ دونوں منکرین کو جھونکنا شروع کر دیں گے (ینابیع المودۃ باب ۱۶ ص ۸۵)

دعوتِ توجہ

میں دنیا کے تمام حلقہ بگوشان اسلام کو مسئلہ خلافت پر غور کرنے کے لئے دعوت توجہ دیتا ہوں تاکہ ان کی عاقبت بخیر ہو اور وہ جنت میں جانے کے حقدار بن جائیں۔

(وما علینا الا البلاغ)

"(اللہ سے) امداد خرچ کے مطابق ملتی ہے"

حضرت علیؑ

جناب علامہ سید ضیاء الحسن موسوی رائی صاحب عبقات،



حدیثِ غدیر

ماجرائے غدیر سنہ۱۰ھ میں خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فریضۂ حج ادا کرنے کا عزم فرمایا اور مسلمانوں کو مطلع فرمایا۔ بہت سے لوگ آپکے ہمراہ حج کرنے کے لئے مدینۂ منورہ پہنچے۔ ہجرت کے بعد اور وفات سے پہلے آپکا یہ واحد حج تھا۔ اس کو حجۃ الوداع، حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ الکمال اور حجۃ التمام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ ہفتے کے دن ۲۴ یا ۲۵ ذی القعدہ کو غسل فرما کر خوشبو لگا کر احرام کے لباس میں پیدل روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے اہل بیت بھی تھے تمام ازواج بھی اور مہاجرین وانصار کے علاوہ مختلف قبائل کے لوگ بھی (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۲۲۵ وغیرہ)۔

جب حضورؐ مدینہ سے روانہ ہوئے تو چیچک کی وبا پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کچھ لوگ ساتھ نہ جاسکے اس کے باوجود بڑا ہجوم تھا اور ساتھ جانے والوں کی تعداد مورخین نے (۹۰) ہزار اور بعض نے ایک لاکھ (۲۰) ہزار لکھی ہے بلکہ چند مورخین نے اس سے بھی زیادہ تعداد بتلائی ہے۔ یہ تعداد تمام حاجیوں کی تعداد نہیں اور اس میں اہل مکہ اور وہ اہل یمن شامل نہیں جو بغرض حج امیرالمومنین علی بن ابیطالب کے ساتھ آئے تھے (سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۲۸۳ ۔ سیرت احمد زینی دحلان ۔ تاریخ الخلفاء ابن الجوزی ۔ تذکرۃ خواص الامۃ ۔ دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۳ ص ۵۴۲ وغیرہ)۔

اتوار کی صبح آنحضرتؐ یلملم اور شام کو شرف السیالۃ پہنچے دوسری صبح عرق الظبیہ پھر روحا اور عصر کے وقت منصرف پہنچے اور وقت عشاء متعشی پھر تیسری صبح اثابہ اور منگل کی صبح عرج بدھ کے دن سقیا جمعرات کی صبح ابوا جمعہ کے دن جحفہ وہاں سے قدید اور اتوار کے دن آپ عسفان میں تھے پھر غمیم پہنچے۔ پیر کے دن مرّ الظہران۔ مقام سرف میں مغرب ہوئی مگر نماز مغرب آپنے مکۂ معظمہ پہنچ کے ادا فرمائی۔ شب آپنے مقام ثنیتین میں بسر کی اور منگل کی صبح آپ مکۂ معظمہ میں داخل ہوئے (الامتاع مقریزی ص ۵۱۳ ۔ ۵۱۷)۔

حجۃ الوداع کے تمام مناسک ادا فرمانے کے بعد آپ مدینۂ منورہ واپس ہونے لگے تو مذکورہ بالا مجمع

محجاج آپکے ہمراہ تھا اور جب آپ مقام غدیر خم پہنچے جہاں سے اہل مدینہ، اہل مصر اور اہل عراق کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں تو یہ جمعرات ۱۸ ذی الحجہ تھی اسی مقام پر حضرت جبرئیل امین آیۂ بلغ لے نازل ہوئے اور آپؐ کو اللہ کا حکم پہنچایا کہ علیؑ کو راہ خدا کی نشانی بنائیں اور لوگوں کو بتلائیں کہ علیؑ کی ولایت اور سب کے لئے انکی اطاعت کرنے کے بارے میں کیا حق نازل ہوئی ہے۔ اس وقت قافلہ حجاج کا اگلا سرا جحفہ کے قریب تھا آنحضرتؐ نے آگے جانے والوں کو واپس بلانے کا حکم دیا اور پیچھے آنے والوں کو یہاں سے آگے نہ جانے کا حکم دیا۔ تا اینکہ نماز ظہر کی اذان دی گئی گرمی اتنی تھی کہ بعض لوگ آدھی چادر سر پہ ڈالے تھے اور کچھ حصہ پاؤں کے نیچے بچھا رہے تھے۔ آنحضرتؐ کیلئے ایک درخت پر کپڑا باندھ کے سایہ کیا گیا۔ نماز کے بعد پالان شتر یعنی کجاووں کے منبر پر آپ تشریف لے گئے جو لوگوں کے بیچ میں تھا اور بلند آواز سے فرمایا:

"تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں اسی پر ایمان رکھتے ہیں اسی پر بھروسہ کرتے ہیں ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے وہ اللہ جو گمراہ ہونے والوں کو ہدایت کی توفیق نہیں عطا کرتا اور ہدایت کی راہ اختیار کرنے والوں کو گمراہی سے بچاتا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ اس کے بعد۔ اے لوگو! مجھے لطیف خبیر نے مطلع کیا ہے کہ ہر نبی کی عمر اس سے پہلے مبعوث ہونے والے نبی کی نصف ہوتی ہے! اور مجھے اللہ نے یاد فرمایا تو میں نے اس کے حضور حاضر ہونے کو پسند کیا ہے میں بھی ذمہ دار اور جوابدہ ہوں اور تمہیں بھی جواب دہی کرنا ہوگی! اب بتلاؤ کہ تم کیا کہتے ہو؟ سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام خدا پہنچایا نصیحت کی کوشش فرمائی پس اللہ آپ کو نیک جزا عطا فرمائے! آپ نے پوچھا کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے! جنت برحق ہے جہنم برحق ہے موت برحق ہے اور قیامت بلاشک ضرور آئے گی اور خدا ان سب کو مبعوث کرے گا جو قبروں میں ہیں! سب لوگوں نے کہا جی ہاں سب اسکی گواہی دیتے ہیں! آپ نے فرمایا: "یا اللہ تو گواہ رہنا! پھر آپ نے فرمایا کہ: اے لوگو کیا تم سن رہے ہو؟ سب نے کہا جی ہاں ہم سن رہے ہیں! آپ نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پہ ہوں گا اور تم وہاں میرے پاس لائے جاؤ گے! اور حوض کوثر کی چوڑائی اتنی ہوگی جیسے صنعاء (آج کے یمن کا دارالسلطنت) اور بصریٰ (دمشق شام کے قریب ایک قصبہ) کا درمیانی علاقہ۔ وہاں ستاروں کے ہم عدد جام ہوں گے جو چاندی کے ہوں گے پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ثقلین (دونوں گراں بہا چیزوں: یعنی قرآن و عترت) کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟

یہ سن کے کسی نے آواز دی یا رسول اللہ ثقلان (دو گراں بہا چیزوں) سے آپ کی مراد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ثقل اکبر کتاب خدا ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے! اس سے وابستہ رہنا اور گمراہ نہ ہونا! ثقل اصغر میری عترت ہے! خدا نے مجھے مطلع کیا ہے کہ یہ دونوں حوض کوثر پہ مجھ سے ملاقات کرنے تک

کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے دیکھو تم ان دونوں سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے! اسی طرح ان کے بارے میں کوتاہی نہ کرنا اور ان سے نہ بچھڑنا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے!

اس کے بعد آنحضرت نے علی کا ہاتھ پکڑا اور آپ کو اتنا اونچا کیا کہ بغل کی سپیدی نمایاں ہوگئی اور تمام لوگوں نے اچھی طرح پہچان لیا کہ یہ علی ہیں! اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ اے لوگو! مومنین کے نفسوں سے خود انکی اپنی بہ نسبت اولیٰ کون ہے! (یعنی مومنین کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ اقتدار کا حق کس کو ہے!) سب نے کہا: اللہ اور اس کا رسولؐ ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں! آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ میرا مولیٰ ہے، اور میں مومنین کا مولیٰ ہوں اور مجھے ان کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ تصرف کا حق ہے! تو میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں! آنحضرت نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے (اور بقول امام حنابلہ امام احمد بن حنبل کے چار مرتبہ مکرر فرمائے)، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

اے اللہ جو علی کو دوست رکھے تو بھی اس سے محبت فرمانا۔ اور جو علی سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کرنا! جو علی کی مدد کرے اس کی مدد کر! جو علی کی نصرت ترک کرے، اس کا ساتھ تو بھی چھوڑ دینا! علی جدھر کا رُخ کریں "حق" کو ان کے ساتھ رکھنا!

پھر حضور نے فرمایا: "دیکھو جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں!"

ابھی لوگ اس اجتماع سے اٹھے بھی نہ تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آنحضرت نے فرمایا: اللہ اکبر خدا کا شکر دین کامل ہونے پر نعمت تمام ہونے پر اللہ کی رضا پر میری رسالت سے اور میرے بعد علیؑ کی ولایت سے"۔ اس کے بعد سب لوگ امیر المومنین علیؑ کو بے اختیار مبارک باد دینے لگے ان مبارک باد دینے والوں میں سب سے آگے حضرت ابوبکر و حضرت عمر تھے جو کہہ رہے تھے، خوشا بحال تو یا علیؑ آپ صبح و شام میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ ہوگئے۔ حضرت ابن عباس نے کہا سب کی گردنوں پر آپ کی اطاعت واجب ہوگئی۔

حضرت حسان بن ثابت انصاری نے آنحضرتؐ سے اجازت مانگی کہ کچھ شعر علیؑ کے متعلق سنائیں، آنحضرت نے فرمایا پڑھو خدا کی برکت کے ساتھ! اس کے بعد حسان نے اپنا قصیدہ سنایا ؎ ینادیھم یوم الغدیر نبیھم اجمالاً یہ ہے واقعہ غدیر۔ درحقیقت یہ ہے کہ تاریخ عہد رسول کا یہ واقعہ ہے جس کی صداقت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور یہ واقعہ اور یہ ارشاد رسول اتنے صحابہ نے بیان کیا ہے اتنی روایتوں میں آیا ہے۔ اتنی تفسیریں

حدیثوں تاریخوں اور کتب شعر و ادب میں موجود ہے کہ اب اس کے بعد بھی کوئی اس سے انکار کرے تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر حدیث غدیر ثابت نہیں تو عہدِ رسالت محمد مصطفےٰ کا کوئی بھی واقعہ ثابت نہیں اور اگر واقعہ غدیر سے انکار کی گنجائش ہے تو دنیا کے ہر مشہور اور متواتر واقعہ سے انکار ممکن ہے!

اسنادِ غدیر دنیا کا قاعدہ ہے کہ ثبوت بذمۂ مدعی اس لئے علمائے شیعہ نے یہ ثبوت برادرانِ اہل سنت کی مستند کتابوں سے یکجا کر کے منکرین ولایت علیؑ اور امامت حیدر کرار سے انکار کرنے والوں کے لئے راہ فرار بالکل بند کر دی ہے! اس سلسلے میں سب سے عظیم تصنیف **عبقات الانوار فی امامۃ ائمۃ الاطہار** ہے جس کی پہلی اور دوسری جلد فقط حدیث غدیر سے متعلق ہے اور اٹھارہ سو صفحات میں علامہ سید حامد حسین موسوی نیشاپوری رحمۃ اللہ نے وہ تحقیقی مواد اور مستحکم دلائل جمع کر دیئے ہیں کہ ان کا مطالعہ کر کے علمائے حق نے صاحب عبقات کے قلم کو ذوالفقار حیدر کرار کا پرتو قرار دیا ہے یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس سے استفادہ کر کے علامہ احمد امینی نجفی نے عربی زبان میں (۱۴) جلدوں پر مشتمل کتاب الغدیر مرتب کی ہے جو بار بار چھپ چکی ہے اور جس کی عظمت و حقانیت کا اعتراف عرب ممالک کے حکمرانوں، دانشوروں اور تمام علمی حلقوں نے کیا ہے اور یہ اعتراف تحریری ہے جو الغدیر کی مجلدات کے ساتھ شائع بھی کر دیا گیا ہے۔

میں نے اس مقالہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ انہی دو کتابوں کا فیض ہے اور ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہے۔
میری خدمت فقط اتنی ہے کہ میں نے آسان اردو میں ان عظیم کتابوں کے مندرجات کے متعلق کچھ اشارے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور مجھے اعتراف ہے کہ ان کتابوں کے مقابلے میں میری یہ کوشش ایسی ہی ہے جیسے کوئی گونگا آدمی لحن داؤدی کی نقل کرنے کی کوشش کرے!

مباحث غدیر ایک نظر میں

اگلے صفحات میں حسب ذیل مباحث پیش کئے گئے ہیں

(۱) **غدیر اور قرآن مجید**

الف۔ آیات قرآنی جو غدیر سے متعلق نازل ہوئیں — تعداد (۳) آیات

ب۔ جن کتابوں میں ان آیات کی شان نزول کا تذکرہ ہے — (۲۵) کتب اہل سنت

(۲) **حدیث غدیر کے راوی**

الف۔ صحابۂ رسول .. .. (۱۱۰) مشہور صحابی

ب۔ تابعین .. .. (۸۴) مشہور تابعی

ج۔ کبار علمائے مسلمین (۳۶۰) کتابیں

د ۔ حدیث غدیر پر مستقل کتابیں — (۳۰) کتابیں

ھ ۔ عہد نبوی سے عہد طباعت کتب تک چند عربی
شعراء جن کے کلام میں غدیر کا تذکرہ ہے ۔ — ( ) شاعر

و ۔ مورخین — (۴۴) مورخ

ز ۔ آئمہ علم حدیث — (۲۷) محدثین

ح ۔ ائمہ علم تفسیر — (۱۱) مفسرین

ط ۔ ائمہ علم کلام — (۱۴) متکلمین

ی ۔ ائمہ علم لغت — (۵) لغویین

ک ۔ علمائے حدیث جو حدیث غدیر کو متواتر مانتے ہیں ۔ — (۳۴) محدثین

(۳) حدیث غدیر سے استدلال اور احتجاج

علی کے احتجاجات ۔ جناب فاطمہؑ کا احتجاج ۔ امام حسنؑ کا احتجاج ۔ امام حسینؑ کا احتجاج عبداللہ بن جعفر کا احتجاج عمار یاسر کا احتجاج ۔ اصبغ بن نباتہ کا احتجاج ۔ جابر کا احتجاج ۔ قیس بن سعد کا احتجاج ۔ دارامیہ کا احتجاج ۔ عمرو الا ودی کا احتجاج عمرو بن العاص کا اقرار ۔ ابوھریرہ کا اقرار ۔ زید بن ارقم کا اقرار ۔ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنو امیہ کا اقرار ۔ مامون خلیفہ بنی عباس کا اقرار ۔

(۴) دست رسولؐ سے علیؑ کی تاج پوشی ۔

(۵) تاریخ اسلام میں عید غدیر کی اہمیت ۔

(۶) حرف آخر ۔

غدیر اور قرآن

(پہلی آیت) ۱ ۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط
وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ٥ (۶۷ ۔ سورہ مائدہ)

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے (اردو ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن ۔ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی)

علمائے شیعہ کا اجماع ہے کہ یہ آیت ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کو دن کے پانچ گھنٹے گزرنے کے بعد غدیر خم میں نازل ہوئی جس کے بعد آنحضرت نے اپنے خطبہ میں علی بن ابیطالب کے بارے میں وہ فرمایا جو حدیث غدیر میں مذکور ہے ۔ حسب ذیل

علمائے اہل سنت نے بھی شان نزول نقل کی ہے:۔

(۱) حافظ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے کتاب الولایۃ فی طرق حدیث الغدیر میں شان نزول نقل کی ہے اس عبارت میں آنحضرت کا یہ قول بھی شامل ہے۔ "علی ابن ابیطالب میرے بھائی میرے وصی میرے خلیفہ اور میرے بعد امام ہیں"

(۲) حافظ ابن ابی حاتم ابو محمد الحنظلی الرازی (متوفی ۳۲۷ھ) نے حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت آنحضرت پر علیؑ ابن ابیطالب کے بارے میں روز غدیر خم نازل ہوئی۔ (تفسیر درمنثور و فتح الغدیر)

(۳) حافظ ابوعبداللہ المحاملی (متوفی ۳۳۰ھ) نے اپنی کتاب امالی میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت روز غدیر خم نازل ہوئی۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۳ وغیرہ)

(۴) حافظ ابوبکر الفارسی الشیرازی (متوفی ۴۰۷ھ) نے اپنی کتاب ما نزل من القرآن فی امیر المومنین میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یوم غدیر خم علیؑ بن ابیطالب کے بارے میں نازل ہوئی۔

(۵) حافظ ابن مردویہ (متوفی ۴۱۶ھ) نے حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یوم غدیر خم علیؑ بن ابیطالب کے متعلق نازل ہوئی۔ دوسری روایت حضرت ابن مسعود سے نقل کی ہے۔ تیسری حضرت ابن عباس کی روایت اور چوتھی حضرت زید بن علی کی (درمنثور سیوطی جلد ۲ ص ۲۹۸ و فتح الغدیر شوکانی و کشف الغمہ ص ۹۴)

(۶) ابو اسحاق ثعلبی نیشاپوری (متوفی ۴۲۷ھ) تفسیر الکشف والبیان۔ روز غدیر نازل ہوئی:
کتاب العمدہ ابن بطریق ص ۴۹۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۵۲۶۔

(۷) حافظ ابونعیم الاصبہانی (متوفی ۴۳۰ھ) کتاب ما نزل من القرآن فی علیؑ "علیؑ کے متعلق غدیر میں نازل ہوئی"
(الخصائص ص ۲۹)

(۸) ابوالحسن الواحدی (متوفی ۴۶۸ھ) کتاب اسباب النزول ص ۱۵۰ "روز غدیر نازل ہوئی"

(۹) حافظ ابوسعید السجستانی (متوفی ۴۷۷ھ) کتاب الولایت "روز غدیر نازل ہوئی" (الطرائف)

(۱۰) حافظ الحاکم الحسکانی الحنفی (متوفی ۴۹۰ھ کے بعد) کتاب شواہد التنزیل لقواعد التفضیل والتاویل "روز غدیر نازل ہوئی"
(مجمع البیان ج ۲ ص ۲۲۳)

(۱۱) حافظ ابوالقاسم ابن عساکر الشافعی (متوفی ۵۷۱ھ) "علیؑ کے بارے میں روز غدیر نازل ہوئی"
(درمنثور ج ۲ ص ۲۹۸ و فتح القدیر ج ۲ ص ۵۷)

(۱۲) ابوالفتح نطنزی (مولود ۴۸۰ھ) کتاب الخصائص العلویہ "علیؑ کے بارے میں روز غدیر نازل ہوئی"
(ضیاء العالمین)

(۱۳) امام فخر الدین رازی الشافی (متوفی ۶۰۶ھ) "فضیلت علی میں یہ آیت نازل ہوئی"
(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۶۳۶)

(۱۴) ابوسالم النصیبی الشافعی (متوفی ۶۵۲ھ) روایت حضرت ابوسعید الخدری
(اسباب النزول واحدی)

(۱۵) حافظ عزالدین الرسعنی الموصلی الجنبلی (متوفی ۶۶۱ھ) کتاب التفسیر "علی کے بارے میں نازل ہوئی"
(مفتاح النجا بدخشانی وکشف الغمۃ ص ۹۲)

(۱۶) شیخ الاسلام ابواسحاق الحموینی (متوفی ۷۲۲ھ) "یہ آیت علی کے بارے میں نازل ہوئی"
(فرائد السمطین)

(۱۷) سید علی الہمدانی (متوفی ۷۸۶ھ) یہ آیت روز غدیر علی کے بارے میں نازل ہوئی۔
(مودۃ القربیٰ)

(۱۸) ابن العینی الحنفی (متوفی ۸۵۵ھ) "اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ"
(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۵۸۴)

(۱۹) ابن الصباغ المالکی (متوفی ۸۵۵ھ) روایت واحدی (الفصول المہمۃ ص ۲۷)

(۲۰) نظام الدین قمی (تفسیر السائر الدائر ج ۶ ص ۱۷۰) روایت ابن عباس

(۲۱) کمال الدین المیبذی (متوفی بعد ۹۰۸ھ) روایت ثعلبی (شرح دیوان امیر ص ۴۱۵)

(۲۲) جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی ۹۱۱ھ) رواحسن

(۲۳) عبد الوہاب بخاری (متوفی ۹۳۲ھ) کتاب تفسیر بخاری "روز غدیر علی کے بارے میں نازل ہوئی"
(ابونعیم و ثعالبی)

(۲۴) جمال الدین شیرازی (متوفی ۱۰۰۰ھ) روز غدیر در شان علی نازل ہوئی۔
(کتاب الاربعین)

(۲۵) محمد محبوب العالم کتاب تفسیر شاہی "یوم غدیر در شان علی نازل ہوئی"

(۲۶) میرزا محمد بدخشانی کتاب مفتاح النجا ص ۲۲۱ " " "

(۲۷) قاضی شوکانی تفسیر فتح الغدیر ج ۳ ص ۵۷ " " "

(۲۸) شہاب الدین آلوسی شافعی بغدادی روح المعانی ج ۲ ص ۳۴۸ " " "

(۲۹) شیخ سلیمان قندوزی حنفی۔ ینابیع المودۃ ص ۱۲۰ " " "

(۳۰) شیخ محمد عبدہ مصری تفسیر المنار ج ۶ ص ۴۶۳ " " "

طبری نے حضرت عائشہ وغیرہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ : آنحضرت کی حفاظت کے لئے لوگ پہرہ دیتے تھے تا اینکہ یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قبۂ خیمہ سے سر نکال کے فرمایا "اے لوگو! چلے جاؤ اس لئے کہ اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے!

دوسری آیت جو روز غدیر نازل ہوئی :

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

آج میں نے پورا کر دیا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین :

(ترجمہ از شیخ الہند مولانا محمود حسن، کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی)

تمام آئمہ و علمائے شیعہ کا اجماع ہے کہ روز غدیر اعلان ولایت و وصایت امیر المومنین کے بعد آیت آنحضرت پر نازل ہوئی یہ امامت امیر المومنین کی ایسی جلی نص ہے اور ایسا حکم الٰہی ہے جس کو صحابہ رسول اور تمام سننے والے بخوبی سمجھ گئے تھے۔

علمائے اہل سنت میں سے بھی بہت سے علمائے تفسیر و حدیث نے بھی یہی شان نزول اپنی کتابوں میں لکھی ہے (سوائے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے جن میں ان کا نزول "یوم عرفہ" لکھا ہے۔ مگر اس شان نزول سے روایت کا دوسرا حصہ غلط ہو جاتا ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرتؐ فقط (۸۰) دن زندہ رہے اور ۱۲ ربیع الاول کو آپ کی وفات ہوئی)

جن علمائے عظام اہل سنت نے اس آیت کا روز غدیر نازل ہونا لکھا ہے ان میں یہ بھی شامل ہیں :

(۱) حافظ ابو جریر طبری در کتاب الولایة

(۲) حافظ ابن مردویہ بروایت حضرت ابو سعید الخدری الصحابی و حضرت ابو ہریرہ کتاب تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۴ تفسیر در منثور سیوطی وغیرہ۔

(۳) حافظ ابو نعیم اصبہانی کتاب ما نزل من القرآن فی علی

(۴) حافظ ابو بکر خطیب بغدادی تاریخ بغداد ج ۸ ص ۲۹۰

(۵) حافظ ابو سعید سجستانی کتاب الولایت

(۶) حافظ ابن المغازلی الشافعی۔ کتاب العمدہ ص ۵۲

(۷) حافظ ابو القاسم الحاکم الحسکانی روایت حضرت ابو سعید الخدری

(۸) حافظ ابو القاسم ابن عساکر دمشقی کتاب در منثور ج ۲ ص ۲۵۹۔

(۹) اخطب الخطباء الخوارزمی۔ کتاب المناقب و فرائد السمطین۔

(۱۰) ابو الفتح نطنزی۔ کتاب الخصائص العلویہ۔

(۱۱) سعد الدین الصالحی۔ کتاب توضیح الدلائل۔

(۱۲) سبط ابن الجوزی الحنفی البغدادی۔ کتاب تذکرہ ص ۱۸

(۱۳) شیخ الاسلام حموینی۔ کتاب فرائد السمطین باب دوازدہم۔

(۱۴) ابن کثیر دمشقی۔ کتاب ابن کثیر و تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص ۲۱۰

(۱۵) جلال الدین سیوطی شافعی کتاب درمنثور ج ۲ ص ۲۵۹ و کتاب الاتقان ج ۱ ص ۳۱

(۱۶) میرزا محمد البدخشی۔ کتاب مفتاح النجا۔

ان سبنے یہ روایت نقل کی ہے اور متعدد طریقوں سے کہ یہ آیت روز غدیر نازل ہوئی۔ نیز یہ کہ حضرت امیر کی شان میں نازل ہوئی اور یہ الفاظ بھی لکھے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا "اللہ اکبر اکمال دین اتمام نعمت پر خدا میری رسالت اور علی بن ابی طالب کی ولایت سے رضامند ہوا (تفسیر کشف الغمہ) بعضوں نے حدیث غدیر نقل کر کے حضرت عمر بن الخطاب کا مبارکباد دینا بھی لکھا ہے۔

تیسری آیت

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکروں کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا آئے اللہ کی طرف سے جو چیز

اردو ترجمہ از ترجمہ قرآن شیخ الہند مولانا محمود حسن مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی۔

روز غدیر جب آنحضرت نے حکم خدا پہنچایا اور حضرت امیر کو اپنا جانشین بنایا تو اسی کے وقت مدینہ منورہ کی راہ میں آنحضرت کے پاس ایک مسجد میں آکر حارث بن نعمان فہری اور بقولے جابر بن نضر بن حارث عبدری نے کہا "اے محمد ہم نے آپکے حکم سے توحید اور آپ کی رسالت کی گواہی دی پھر نماز اور روزہ حج زکوٰۃ کا حکم دیا ہم نے سب قبول کیا مگر آپ راضی نہ ہوئے اور اب اپنے چچازاد بھائی کو ہم پر فضیلت دے کر یہ کہا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں، اس کے علی بھی مولا ہیں تو کیا یہ آپ کا حکم ہے یا خدا کا حکم ہے؟" تو آنحضرت نے فرمایا خدائے واحد کی قسم یہ اسی کا حکم ہے!" یہ سن کر وہ شخص اپنی سواری کی طرف بڑھا اور دعا مانگی کہ "یا اللہ اگر محمد سچ کہہ رہے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا عذاب نازل کر!" دعا مانگتے ہی اس کے سر پر ایک پتھر گرا جو اس کے جسم کے نیچے سے نکل گیا جس سے وہ مر گیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ روایت حسب ذیل علمائے اہل سنت بھی نقل کی ہے۔

(۱) حافظ ابو عبید هروی (متوفی ۲۲۳ھ) کتاب تفسیر غریب القرآن)

(۲) ابو بکر نقاش موصلی بغدادی (متوفی ۳۵۱ھ) کتاب تفسیر شفاء الصدور۔

(۳) ابو اسحاق ثعلبی (متوفی ۴۳۷ھ) کتاب تفسیر الکشف والبیان

(۴) حاکم ابوالقاسم حسکانی ۔ کتاب دعاۃ الھداۃ

(۵) ابوبکر یحییٰ القرطبی (متوفی ۵۶۷ھ) کتاب تفسیر قرطبی

(۶) سبط ابن الجوزی (متوفی ۶۵۴ھ) کتاب تذکرہ

(۷) شیخ ابراہیم بن عبداللہ الیمنی کتاب الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء ص ۲۴۰۔

(۸) شیخ الاسلام حموینی (متوفی ۷۲۲ھ) کتاب فرائد السمطین باب ثانی عشر۔

(۹) شیخ محمد زرندی حنفی (متوفی ۷۵۰ھ) کتاب معارج الوصول وکتاب دار السمطین۔

(۱۰) شہاب الدین احمد دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ھ) کتاب ہدایت السعداء جلوۂ ثانیہ۔

(۱۱) نور الدین ابن صباغ مالکی مکی (متوفی ۸۵۵ھ) کتاب الفصول المہمہ ص ۲۷۔

(۱۲) نور الدین سمہودی شافعی (متوفی ۹۱۱ھ) کتاب جواہر العقدین۔

(۱۳) ابو السعود العمادی (متوفی ۹۸۲ھ) کتاب تفسیر عمادی ج ۸ ص ۲۹۲۔

(۱۴) شمس الدین شربینی شافعی (متوفی ۹۷۷ھ) کتاب تفسیر السراج المنیر ج ۳ ص ۳۶۴۔

(۱۵) جمال الدین شیرازی (متوفی ۱۰۰۰ھ) کتاب الاربعین۔

(۱۶) شیخ زین الدین مناوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) کتاب فیض القدیر ج ۶ ص ۲۱۸۔

(۱۷) ابن العید روس یمنی (متوفی ۱۰۴۱ھ) کتاب العقد النبوی والسر المصطفوی۔

(۱۸) احمد بن باکثیر (متوفی ۱۰۴۷ھ) کتاب وسیلۃ المآل۔

(۱۹) شیخ عبد الرحمٰن الصفوری کتاب نزھۃ ج ۲ ص ۲۴۲۔

(۲۰) شیخ برھان الدین حلبی شافعی (متوفی ۱۰۴۴ھ) کتاب سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۰۲۔

(۲۱) سید محمود بن محمد القادری مدنی۔ کتاب الصراط السوی فی مناقب النبی۔

(۲۲) شمس الدین الحفنی الشافعی (متوفی ۱۱۸۱ھ) کتاب شرح جامع الصغیر سیوطی ج ۲ ص ۳۸۷۔

(۲۳) شیخ محمد صدر العالم۔ کتاب معارج العلیٰ فی مناقب المرتضیٰ

(۲۴) شیخ محمد محبوب العالم ۔ کتاب تفسیر شاہی۔

(۲۵) ابو عبداللہ زرقانی مالکی (متوفی ۱۱۲۲ھ) کتاب شرح المواھب اللدنیہ۔

(۲۶) شیخ احمد بن عبد القادر شافعی . کتاب ذخیرۃ المآل۔

(۲۷) محمد بن اسماعیل یمانی (متوفی ۱۱۸۲ھ) الروضۃ الندیہ شرح التحفۃ العلویہ۔

(۴۸) سید مومن الشبلنجی شافعی مدنی کتاب نور الابصار ص ۷۸۔
(۴۹) شیخ محمد عبدہ مصری (متوفی ۱۳۲۳ھ) کتاب تفسیر المنار جلد ۶ ص ۴۶۴۔

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں فقط ابن تیمیہ نے حسب عادت کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ صاحب عبقات نے جغرافیہ، لغت، ادب اور دیگر علوم اسلامی کی کتابوں سے متعدد صفحات میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اعتراضات نہ صرف عصبیت و عداوت پر مبنی ہیں بلکہ ان سے معترض کی جہالت و ناواقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے اور حقیقت وہی ہے جسے حذیفہ یمانی جیسے صحابی کی روایت ظاہر کرتی ہے اور جو شانِ نزول بڑے بڑے مفسرین و محدثین نے مختلف راویوں سے بطریق صحیح نقل کی ہے۔ جب کتب تفسیر کے ساتھ کتب حدیث و تاریخ کو بھی شامل کر لیا جائے اور ان صدہا شعرار کو بھی جنھوں نے عہد صحابہ سے اب تک حدیث غدیر کی توثیق کی ہے تو یہ حدیث تواتر اور شہرت اور صحت کی مقررہ شدہ حدود سے بھی آگے نکل کے امامت و ولایت علی مرتضیٰ ایسی نص جلی بن جاتی ہے جس سے انکار روز روشن میں آفتاب کے وجود سے انکار کی طرح مہمل اور عبث نظر آتا ہے اور جس کا سبب عناد اور عداوت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مسلم اور مومن تو یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ اللہ اور رسول کا حکم ہے فوراً اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

(۱۱۰) فہرست راویان حدیث غدیر از صحابہ رسول بحساب حروف تہجی

جن کتابوں میں روایت موجود ہے

(۱) حضرت ابوہریرۃ (تاریخ خطیب۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب التہذیب۔ مناقب خوارزمی۔ اسنی المطالب وغیرہ)
(۲) " ابولیلیٰ انصاری (مناقب خوارزمی۔ تاریخ الخلفاء سیوطی۔ جواہر العقدین سمہودی)
(۳) " ابوزینب بن عوف انصاری (اسد الغابہ۔ الاصابہ وغیرہ)
(۴) " ابوفضالہ الانصاری (اسد الغابہ۔ وتاریخ آل محمد)
(۵) " ابوقدامۃ الانصاری (اسد الغابہ۔ حدیث الولایہ ابن العقدہ۔ جواہر العقدین۔ اصابہ)
(۶) " ابوعمرۃ بن عمرو بن محصن الانصاری (اسد الغابہ۔ وابن العقدہ)
(۷) " ابوالہیثم بن التیہان (ابن عقدۃ۔ نخب المناقب۔ مقتل خوارزمی۔ جواہر العقدین۔ تاریخ آل محمد)
(۸) " ابورافع القبطی (ابن عقدۃ۔ نخب المناقب۔ مقتل خوارزمی)
(۹) " ابوذویب خویلد (ابن عقدۃ۔ خوارزمی)
(۱۰) " ابوبکر بن ابی قحافہ (ابن عقدۃ۔ نخب المناقب۔ اسنی المطالب)
(۱۱) " اسامہ بن زید بن حارثہ (حدیث الولایہ۔ نخب المناقب)

(۱۲) حضرت اُبیّ بن کعب انصاری (منتخب المناقب)

(۱۳) 〃 اسعد بن زرارۃ الانصاری (ابن عقدۃ۔ منتخب المناقب۔ کتاب الولایہ۔ اسنی المطالب)

(۱۴) 〃 اسماء بنت عُمیس (ابن عقدہ)

(۱۵) 〃 اُمّ المومنین اُمّ سلمہ (ابن عقدہ۔ جواہر العقدین۔ ینابیع المودۃ۔ وسیلۃ آلمآل)

(۱۶) 〃 اُمّ ہانی بنت ابی طالب (مسند بزاز۔ ینابیع المودۃ۔ ابن عقدہ)

(۱۷) 〃 ابوحمزہ انس بن مالک (تاریخ خطیب۔ ابن قتیبہ۔ منتخب المناقب۔ مقتل خوارزمی۔ تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ)

(۱۸) 〃 براء بن عازب الانصاری (مسند امام احمد۔ سنن ابن ماجہ۔ خصائص نسائی۔ تاریخ خطیب۔ الریاض النضرۃ وغیرہ)

(۱۹) 〃 بریدہ ابن الحصیب اسلمی (مستدرک حاکم۔ حلیۃ الاولیاء۔ استیعاب ابن البر۔ کنز العمال وغیرہ)

(۲۰) 〃 ثابت بن ودیعۃ الانصاری (ابن عقدۃ۔ اسد الغابہ۔ تاریخ آل محمدؐ)

(۲۱) 〃 جابر بن سمرۃ بن جنادہ (ابن عقدۃ۔ کنز العمال)

(۲۲) 〃 جابر بن عبداللہ الانصاری (ابن عقدۃ۔ استیعاب۔ کفایت الطالب۔ فرائد السمطین وغیرہ)

(۲۳) 〃 جبلۃ بن عمرو الانصاری (ابن عقدۃ)

(۲۴) 〃 جبیر بن مطعم النوفلی (تاریخ آل محمدؐ۔ مودۃ القربیٰ۔ ینابیع المودۃ)

(۲۵) 〃 جریر بن عبداللہ بجلی (مجمع الزوائد۔ معجم کبیر طبرانی۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔ البدایۃ والنہایہ۔ کنز العمال)

(۲۶) 〃 ابوذر الغفاری (ابن عقدۃ۔ منتخب المناقب۔ فرائد السمطین۔ اسنی المطالب وغیرہ)

(۲۷) 〃 ابوجنیدہ جندع الانصاری (اسد الغابہ۔ معارج العلیٰ)

(۲۸) 〃 حبّۃ بن جوین العرنی (ابن عقدۃ۔ الکنیٰ والاسماء۔ مناقب ابن المغازلی وغیرہ)

(۲۹) 〃 حبشی بن جنادۃ السلولی (ابن عقدۃ۔ اسد الغابہ وغیرہ)

(۳۰) 〃 حبیب بن بدیل بن ورقاء الخزاعی (ابن عقدۃ۔ اسد الغابہ۔ الاصابہ)

(۳۱) 〃 حذیفہ بن اسید الغفاری (ابن عقدۃ۔ ینابیع المودۃ۔ صحیح ترمذی۔ اسد الغابہ۔ الفصول المہمہ وغیرہ)

(۳۲) 〃 حذیفہ بن الیمان الیمانی (ابن عقدۃ۔ منتخب المناقب۔ دعاۃ الھداۃ۔ اسنی المطالب)

(۳۳) 〃 حسان بن ثابت انصاری (دیوان شاعر رسول)

(۳۴) 〃 امام حسن مجتبیٰ بن علیؑ (ابن عقدۃ۔ منتخب المناقب۔ خوارزمی)

(۳۵) 〃 امام حسین بن علیؑ (ابن عقدۃ۔ زین الفتیٰ وغیرہ)

(۳۶) 〃 خالد بن زید الانصاری (ابن عقدۃ۔ الریاض النضرہ۔ منتخب المناقب۔ اسد الغابہ۔ البدایۃ والنہایۃ۔ کنز العمال وغیرہ)

(۳۷) حضرت خالد بن الولید بن المغیرہ (نخب المناقب)

(۳۸) 〃 خزیمہ بن ثابت الانصاری (ابن عقدہ۔ نخب المناقب وغیرہ)

(۳۹) 〃 خویلد ابن عمرو الخزاعی (مسند امام احمد بن حنبل)

(۴۰) 〃 رفاعہ بن عبد المنذر انصاری (ابن عقدہ۔ نخب المناقب۔ کتاب الغدیر)

(۴۱) 〃 زبیر بن العوام القرشی (ابن عقدہ۔ اسنی المطالب وغیرہ)

(۴۲) 〃 زید بن الارقم الانصاری (مسند امام احمد وغیرہ)

(۴۳) 〃 زید بن ثابت (ابن عقدہ۔ نخب المناقب۔ اسنی المطالب وغیرہ)

(۴۴) 〃 زید بن شراحیل الانصاری (ابن عقدہ۔ اسد الغابہ وغیرہ)

(۴۵) 〃 زید بن عبد اللہ انصاری (ابن عقدہ)

(۴۶) 〃 سعد بن ابی وقاص (خصائص نسائی۔ سنن ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم۔ حلیۃ الاولیاء وغیرہ)

(۴۷) 〃 سعد بن الجنادۃ العوفی (ابن عقدہ وغیرہ)

(۴۸) 〃 سعد بن عبادۃ الانصاری (نخب المناقب)

(۴۹) 〃 سعد بن مالک الانصاری (ابن عقدہ وغیرہ)

(۵۰) 〃 سعید بن زید القرشی (مناقب ابن المغازلی)

(۵۱) 〃 سعید بن سعد بن عبادۃ الانصاری (حافظ ابن عقدہ)

(۵۲) 〃 سلمان الفارسی 〃 (نخب المناقب۔ فرائد السمطین۔ اسنی المطالب)

(۵۳) 〃 سلمہ بن عمرو بن الاکوع (〃 〃)

(۵۴) 〃 سمرۃ بن جندب الفزاری (〃 ۔ اسنی المطالب)

(۵۵) 〃 سہل بن حنیف الانصاری (ابن عقدہ۔ اسد الغابہ وغیرہ)

(۵۶) 〃 سہل بن سعد الانصاری (جواہر العقدین وغیرہ)

(۵۷) 〃 الصدی ابن عجلان الباہلی (ابن عقدہ)

(۵۸) 〃 ضمیرۃ الاسدی (کتاب الغدیر منصور الرازی و ابن العقدہ)

(۵۹) 〃 طلحہ بن عبید اللہ التمیمی (مروج الذہب۔ مستدرک حاکم وغیرہ)

(۶۰) 〃 عامر بن عمیر النمیری (الاصابہ وغیرہ)

(۶۱) 〃 عامر بن لیلیٰ بن ضمرہ (ابن عقدہ۔ اسد الغابہ۔ الاصابہ۔ بلفظ الست و من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ)
(جلد ۳ ص ۹۲) (ج ۲ ص ۲۵۷)

(۶۲) حضرت عامر بن لیلیٰ الغفاری (الاصابہ ابن حجر مکی)

(۶۳) " ابو الطفیل عامر بن واثلہ اللیثی (مسند امام حنبل، خصائص نسائی، صحیح ترمذی، حاکم مستدرک، اسد الغابہ، کنز العمال وغیرہ)

(۶۴) " عائشہ بنت ابی بکر (ابن عقدۃ فی حدیث الولایہ)

(۶۵) " عباس بن عبد المطلب (ابن عقدۃ ۔ اسنی المطالب)

(۶۶) " عبد الرحمن بن عبد رب الانصاری (ابن عقدۃ ۔ اسد الغابہ ۔ الاصابہ وغیرہ)

(۶۷) " عبد الرحمن بن عوف القرشی (ابن عقدہ ۔ اسنی المطالب)

(۶۸) " عبد الرحمن بن یعمر الدیلی (ابن عقدہ، مقتل خوارزمی)

(۶۹) " عبد اللہ بن ابی عبد الاسد المخزومی (ابن عقدۃ)

(۷۰) " عبد اللہ بن بدیل بن ورقاء (فہرست کشی)

(۷۱) " عبد اللہ بن بشیر المازنی (حافظ ابن عقدۃ)

(۷۲) " عبد اللہ بن ثابت الانصاری (تاریخ آل محمدؐ)

(۷۳) " عبد اللہ بن جعفر بن ابیطالب الہاشمی (حافظ ابن عقدہ)

(۷۴) " عبد اللہ بن حنطب القرشی (احیاء المیت سیوطی)

(۷۵) " عبد اللہ بن ربیعہ (مقتل خوارزمی)

(۷۶) " عبد اللہ بن عباس (خصائص نسائی، مسند امام احمد، مستدرک حاکم ۔ البدایۃ والنہایۃ وغیرہ)

(۷۷) " عبد اللہ بن ابی اوفی علقمۃ الاسلمی (حافظ ابن عقدۃ)

(۷۸) " عبد اللہ بن عمر الخطاب (مجمع الزوائد، سنن ابی شیبہ، جمع الجوامع سیوطی، تاریخ الخلفاء، کنز العمال وغیرہ)

(۷۹) " عبد اللہ بن مسعود الہذلی (حافظ ابن مردویہ، در منثور سیوطی، تفسیر شوکانی، روح المعانی، اسنی المطالب)

(۸۰) " عبد اللہ بن یامیل (حافظ ابن عقدۃ ۔ اسد الغابہ وغیرہ)

(۸۱) " عثمان بن عفان (حافظ ابن عقدۃ، کتاب الغدیر منصور رازی، ابن المغازلی)

(۸۲) " عبید بن عازب الانصاری (حدیث الرحبہ)

(۸۳) " عدی بن حاتم (حافظ ابن عقدۃ، جواہر العقدین)

(۸۴) " عطیہ بن بسر المازنی (")

(۸۵) " عقبہ بن عامر الجہنی (") ۔ تاریخ آل محمد قاضی بہجت)

(۸۶) " علی بن ابیطالب علیہ السلام (دیوان امیر ۔ و احتجاجات علویہ در کتب مختلفہ، مسند امام حنبل، سیوطی و ابن حجر وغیرہ)

(۸۷)	حضرت عمار بن یاسر العنی	(کتاب صفین ۔ شرح نہج ۔ فرائد السمطین ۔ اسنی المطالب وغیرہ)
(۸۸)	" عمارۃ الخزرجی الانصاری	(مجمع الزوائد ۔ تاریخ الخلفاء ۔ مفتاح النجا ۔ نزل الابرار)
(۸۹)	" عمر بن ابی سلمۃ المخزومی	(حافظ ابن عقدۃ)
(۹۰)	" عمر بن الخطاب	(مناقب خوارزمی ۔ الریاض النضرہ ۔ مناقب امام احمد ۔ فصل الخطاب ۔ البدایۃ والنہایۃ وغیرہ)
(۹۱)	" عمران بن حصین الخزاعی	(ابن عقدہ ۔ اسنی المطالب)
(۹۲)	" عمرو بن الحمق خزاعی	(ابن عقدۃ)
(۹۳)	" عمرو بن شراحیل	(مقتل خوارزمی)
(۹۴)	" عمرو بن العاص	(الامامۃ والسیاسۃ ۔ مناقب خوارزمی)
(۹۵)	" عمرو بن مرۃ الجہنی	(امام احمد ۔ طبرانی ۔ کنز العمال)
(۹۶)	" صدیقہ کبریٰ فاطمہ بنت النبی	(ابن عقدۃ ۔ کتاب الغدیر منصور رازی ۔ مودۃ القربیٰ ۔ ایضاً بلفظ من کنت امامہ فعلی امامہ)
(۹۷)	" فاطمہ بنت حمزۃ عم الرسولؐ	(ابن عقدۃ و منصور رازی)
(۹۸)	" قیس بن ثابت بن شماس انصاری	(حافظ ابن عقدۃ ۔ اسد الغابہ ۔ الاصابہ ۔ معارج العلیٰ)
(۹۹)	" قیس بن سعد بن عبادۃ انصاری	(منجملہ شعراء غدیر و منجملہ گواہان حدیث غدیر فی حدیث الرکبان)
(۱۰۰)	" کعب بن عمرۃ الانصاری	(ابن عقدۃ)
(۱۰۱)	" مالک بن الحویرث اللیثی	(مناقب ابن حنبل ۔ ابن عقدہ)
(۱۰۲)	" مقداد بن عمرو الکندی	(ابن عقدۃ ۔ فرائد حموینی)
(۱۰۳)	" ناجیہ بن عمرو الخزاعی	(ابن العقدۃ ۔ اسد الغابہ ۔ اصابہ ابن الحجر وغیرہ)
(۱۰۴)	" ابو برزہ فضلۃ بن عتبہ	(ابن عقدہ حدیث الولایۃ)
(۱۰۵)	" نعمان بن عجلان الانصاری	(تاریخ آل محمد قاضی بہجت)
(۱۰۶)	" ہاشم المرقال ابن عتبہ	(ابن عقدہ ۔ اسد الغابہ ۔ الاصابہ)
(۱۰۷)	" ابو دسمہ وحشی بن حرب الحبشی	(ابن عقدہ ۔ مقتل خوارزمی)
(۱۰۸)	" وھب بن حمزۃ	(الادھام ۔ مقتل خوارزمی)
(۱۰۹)	" وھب بن عبداللہ السوائی	(ابن عقدہ ۔ حدیث الولایۃ)
(۱۱۰)	" یعلی بن مرۃ بن وھب الثقفی	(حافظ ابن عقدہ ۔ ابو موسیٰ ۔ ابو نعیم ۔ اسد الغابہ ۔ اصابہ ابن حجر وغیرہ)

یہ تھے (۱۱۰) صحابۂ رسول کے نام جن میں مسلمانوں کے خلفائے راشدین اور افراد عشرۂ مبشرہ بھی شامل ہیں اور افراد خانوادۂ نبوت بھی اور امہات المومنین بھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ سامعین حدیث غدیر ہیں سے ان

راویوں کی روایتیں جو مختلف اسناد سے مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔ صاحب عبقات الانوار نے ان کتابوں کے مصدقہ قلمی اور مطبوعہ نسخے جمع کئے اور ان راویوں کو علماء اہل سنت کیا درجہ دیتے ہیں وہ روایتیں بھی نقل کی ہیں فرمان رسالت کے مختلف جملے بھی نقل فرمائے خطبۂ غدیر کے کلمات بھی آنحضرت کی دعا بھی صحابہ کی مبارکباد اور تہنیت بھی کہ علی کو اعلان ولایت مطلقہ مبارک! فالحمد للہ اولاً و آخراً

(۸۴) علمائے تابعین جنھوں نے حدیث غدیر کی روایت فرمائی ہے

(۱) ابوراشد الحبرانی الشامی۔ (علامہ عجلی اور علامہ ابن حجر نے ان کو قابل وثوق قرار دیا ہے) (۲) ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف (متعدد علماء نے ان کو فقیہہ وثقہ لکھا ہے) (۳) ابوسلیمان المؤذن (علمائے رجال نے انکو مقبول ثقہ لکھا ہے) (۴) ابوصالح السمان ذکوان المدانی (امام احمد نے نہایت قابل اعتماد قرار دیا ہے) (۵) ابوعنفوانہ المازنی (علماء نے ثقہ لکھا ہے) (۶) ابوعبدالرحیم الکندی (ثقہ تھے) (۷) ابوالقاسم اصبغ ابن نباتہ (ابن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ تابعی لکھا ہے) (۸) ابولیلی الکندی (بقول علمائے رجال ثقہ ہیں) (۹) ایاس بن نذیر (بقول ابن حبان ثقہ ہیں) (۱۰) جمیل بن عمارۃ (توثیق ابن کثیر) (۱۱) حارثہ بن نصر (یوم رحبہ گواہی دی) (۱۲) حبیب بن ابی ثابت الاسدی (ذہبی نے فقیہہ الکوفہ اور ثقہ لکھا ہے) (۱۳) الحرث بن مالک (ثقہ تھے) (۱۴) حسین ابن مالک (ثقہ تھے) (۱۵) حکم بن عتیبہ الکوفی (ذہبی نے فقیہہ اور ثقہ لکھا ہے) (۱۶) حمید بن عمارۃ الخزرجی (ثقہ تھے) (۱۷) حمید الطویل (بقول ذہبی مشیخۃ الاثر اور ثقات میں سے تھے) (۱۸) خیثمہ بن عبدالرحمان الجعفی (ابن حجر وغیرہ نے ثقہ لکھا ہے) (۱۹) ربیعۃ الجرشی (دارقطنی نے فقیہہ و ثقہ قرار دیا ہے) (۲۰) ابوالمثنیٰ ریاح بن الحارث النخعی (ابن حجر نے توثیق کی ہے) (۲۱) ابوعمرو زاذان بن عمر الکندی (ابن حجر نے توثیق کی ہے) (۲۲) ابومریم زر بن حبیش (ذہبی نے امام القدوہ لکھا ہے) (۲۳) زیاد بن ابی زیاد (حافظ ہیثمی نے ابن حجر کے ساتھ توثیق کی ہے) (۲۴) زید بن یثیع الھمدانی (تقریب میں ثقہ، من کبار التابعین لکھا ہے) (۲۵) سالم بن عبداللہ بن عمر الخطاب (ذہبی نے فقیہہ الحجۃ لکھا ہے) (۲۶) سعید بن جبیر الکوفی (علماء نے ثابت قدم فقیہہ لکھا ہے) (۲۷) سعید بن ابی حدان (ثقہ تھے) (۲۸) سعید بن المسیب القرشی داماد ابوھریرہ (علماء نے ان کو واسع العلم لکھا ہے) (۲۹) سعید بن وھب الھمدانی (ابن معین نے توثیق کی ہے) (۳۰) ابویحییٰ سلمہ بن کہیل الحضرمی (امام احمد نے توثیق کی ہے) (۳۱) سلیم بن قیس الہلالی (عند الفریقین معتبر ہیں) (۳۲) سلیمان بن مھران الاعمش (ذہبی نے توثیق کی ہے) (۳۳) سہم بن الحصین الاسدی (ثقہ ہیں) (۳۴) شہر بن حوشب (ثقہ ہیں) (۳۵) الضحاک بن مزاحم الہلالی (امام احمد نے توثیق کی ہے)

(۳۶) طاؤس بن کیسان الیمانی (ابونعیم نے ان کو اولیاء میں شمار کیا ہے) (۳۷) طلحہ بن المصرف الایامی
(ابن حجر نے ثقہ اور قاری و فاضل لکھا ہے) (۳۸) عامر بن سعد بن ابی وقاص (تقریب میں ثقہ لکھا ہے)۔
(۳۹) عائشہ بنت سعد (ابن حجر نے توثیق کی ہے۔) (۴۰) عبدالحمید بن المنذر بن الجارود العبدی (نسائی اور ابن
حجر نے توثیق کی ہے) (۴۱) ابوعمارہ عبدخیر بن یزید الہمدانی (ابن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے) (۴۲) عبدالرحمٰن
بن ابی لیلیٰ (میزان میں ان کو تابعین میں شمار کیا ہے) (۴۳) عبدالرحمٰن بن سابط (ابن حجر نے توثیق کی ہے۔)
(۴۴) عبداللہ بن اسعد بن زرارہ (ثقہ ہیں) (۴۵) ابومریم عبداللہ بن زیاد الاسدی (ابن حبان نے توثیق کی ہے)
(۴۶) عبداللہ بن شریک عامری (علماء نے ان کو نہایت سچا اور ثقہ لکھا ہے) (۴۷) ابومحمد عبداللہ بن محمد بن
عقیل الہاشمی (ترمذی نے ان کو صدوق لکھا ہے) (۴۸) عبداللہ بن یعلی بن مرہ (ثقہ ہیں) (۴۹) عدی بن ثابت
الانصاری (علماء نے توثیق کی ہے) (۵۰) ابوالحسن عطیہ بن سعد بن جنادہ (توثیق ابن جوزی و ابن معین) (۵۱)
علی بن زید بن جدعان بصری (توثیق ابن ابی شیبہ و ترمذی) (۵۲) ابوھارون عمارہ بن جوین العبدی (علمائے
رجال نے توثیق کی ہے) (۵۳) عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنی امیہ (علماء نے توثیق کی ہے) (۵۴) عمر بن عبدالغفار
(ثقہ ہیں) (۵۵) عمر بن علی (صاحب تقریب نے ثقہ مانا ہے) (۵۶) عمرو بن جعدۃ بن ھبیرۃ (ثقہ تھے) (۵۷)
عمرو بن مرۃ (ذہبی نے توثیق کی ہے) (۵۸) ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی (ذہبی نے من آئمۃ التابعین
ثقۃ عابدٌ لکھا ہے) (۵۹) ابوعبداللہ عمرو بن میمون الاودی (امام اور ثقہ مانا ہے) (۶۰) عمیرہ بن سعد الہمدانی
(ابن حبان نے توثیق کی ہے) (۶۱) عمیرہ بنت سعد بن مالک المدنیہ (علماء نے توثیق کی ہے) (۶۲) عیسیٰ بن طلحہ بن
عبیداللہ (ابن معین نے توثیق کی ہے) (۶۳) ابوبکر فطر بن خلیفۃ المخزومی (ثقہ صدوق اور امام احمد کے معتبر راوی)
(۶۴) قبیصہ بن ذویب (توثیق ذہبی) (۶۵) ابومریم قیس الثقفی المدائنی (توثیق امام نسائی) (۶۶) محمد بن عمر بن
علی (توثیق ابن حبان و ابن حجر) (۶۷) ابوالضحیٰ مسلم بن صبیح (توثیق ابن معین و ابن زرعہ) (۶۸) مسلم الملائی
(ثقہ تھے) (۶۹) ابوزرارۃ مصعب بن سعد بن ابی وقاص (صاحب تقریب نے ثقہ لکھا ہے) (۷۰) مطلب بن
عبداللہ القرشی المخزومی (ابوزرعہ اور دارقطنی کی توثیق) (۷۱) مطر الوراق (ثقہ تھے) (۷۲) معروف بن خربوذ
(ثقہ تھے) (۷۳) منصور بن ربعی (ثقہ تھے) (۷۴) مہاجر بن مسمار الزہری (ابن حبان نے توثیق کی ہے) (۷۵)
موسیٰ بن اکتل بن عمیر النمیری (ثقہ تھے) (۷۶) ابوعبداللہ میمون البصری (ابن حبان نے توثیق کی ہے) (۷۷)
نذیر الضبی الکوفی (کبار تابعین میں شمار ہوتے) (۷۸) ھانی ابن ھانی الہمدانی الکوفی (نسائی نے توثیق کی ہے)
(۷۹) ابوبلج یحییٰ بن سلیم الفزاری (توثیق ابن معین و نسائی) (۸۰) یحییٰ بن جعدہ بن ھبیرۃ المخزومی (ثقہ
تھے) (۸۱) یزید بن ابی زیاد الکوفی (منجملہ علمائے کوفہ شمار ہوتے تھے) (۸۲) یزید بن حیان التیمی الکوفی۔

(حاکم نے توثیق کی ہے) (۸۳) ابوداؤد یزید بن عبدالرحمٰن بن الاودی (ابن حبان نے توثیق کی ہے) (۸۴) ابونجیح یسار الثقفی (ابن معین نے خلاصۃ الخزرجی کے مطابق ان کی توثیق کی ہے)

یہ ۸۴ تابعین ہیں جنہوں نے عہدِ صحابۂ رسول دیکھا اور ان سے احادیث کی روایت کی۔ ظاہر ہے کہ حدیث غدیر اتنی اہم حدیث ہے جس کے متعلق آنحضرتؐ نے سامعین کو حکم دیا تھا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان تک جو یہاں حاضر نہیں ہیں یہ حکمِ خدا اور رسول پہنچا دیں ایک لاکھ سے زائد حاضرینِ مجمع غدیر نے لاتعداد لوگوں سے حدیث نقل کی ہوگی مگر صاحب "عبقات الانوار" اور صاحب کتاب "الغدیر" کو ۱۱۰ صحابہ اور ۸۴ راویان تابعین کے نام ملے اور انھوں نے ان میں سے ہر ایک کے اہل سنت کے نزدیک معتبر اور موثق اور سچے راوی ہونے کے حوالے صدہا کتب سے جمع کئے اور ان کو مع نام کتاب اور صفحہ و سطر کے جمع کر دیا ہے۔

۲۴۔ تاریخوں میں واقعہ غدیر اور حدیثِ غدیر کا تذکرہ

	امام المورخین بلاذری	متوفی	سنہ ۲۷۹ھ	کتاب انساب الاشراف
(۲)	ابن قتیبہ دینوری	"	سنہ ۲۷۶ھ	کتاب المعارف و الامامۃ والسیاسۃ
(۳)	طبری	"	سنہ ۳۱۰ھ	کتاب مفرد
(۴)	ابن زولاق اللیثی المصری	"	سنہ ۳۸۷ھ	تاریخ ابن زولاق
	خطیب بغدادی	"	سنہ ۴۶۳ھ	تاریخ بغداد
	ابن عبدالبر	"	سنہ ۴۶۳ھ	استیعاب
	شہرستانی	"	سنہ ۵۴۸ھ	الملل والنحل
	ابن عساکر	"	سنہ ۵۷۱ھ	تاریخ ابن عساکر
	یاقوت الحموی	"	سنہ ھ	معجم الادباء (جلد ۱۸ ص ۸۴)
	ابن الاثیر	"	سنہ ۶۳۰ھ	اسد الغابہ
	ابن ابی الحدید معتزلی	"	سنہ ۶۵۶ھ	شرح نہج
	ابن خلکان	"	سنہ ۶۸۱ھ	تاریخ ابن خلکان
	یافعی	"	سنہ ۷۶۸ھ	مرآۃ الجنان
	ابن الشیخ البلوی	"	سنہ ھ	الف باء
	ابن کثیر الشامی	"	سنہ ۷۷۴ھ	البدایۃ والنہایۃ

(۱۶)	ابن خلدون	متوفی ۸۰۸ھ	مقدمۂ تاریخ
(۱۷)	شمس الدین ذہبی	〃 ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ
(۱۸)	النویری	〃 درحدود ۷۳۳ھ	نہایۃ الارب
(۱۹)	ابن الحجر العسقلانی	〃 ۸۵۲ھ	الاصابہ و تہذیب التہذیب
(۲۰)	ابن صباغ مالکی	〃 ۸۵۵ھ	الفصول المہمہ
(۲۱)	المقریزی	〃 ۸۴۵ھ	الخطط
(۲۲)	جلال الدین سیوطی	〃 ۹۱۰ھ	متعدد کتابوں میں
(۲۳)	القرمانی الدمشقی	〃 ۱۰۱۹ھ	اخبار الدول
(۲۴)	نور الدین الحلبی	〃 ۱۰۴۴ھ	سیرت حلبیہ

وغیرہم از مورخین عرب و ایران و برصغیر پاک و ہند

دوسری سے چودھویں صدی ہجری کے حدیث غدیر کے راوی۔ بڑے علمائے اہل سنت اور صاحبان تصانیف

دوسری صدی ہجری کے	۵۶ علماء	تیسری صدی ہجری کے	۹۲ علماء
چوتھی صدی ہجری کے	۴۳ علماء	پانچویں صدی ہجری کے	۲۴ علماء
چھٹی صدی ہجری کے	۲۰ علماء	ساتویں صدی ہجری کے	۲۱ علماء
آٹھویں صدی ہجری کے	۱۸ علماء	نویں صدی ہجری کے	۱۶ علماء
دسویں صدی ہجری کے	۱۰ علماء	گیارھویں صدی ہجری کے	۱۲ علماء
بارھویں صدی ہجری کے	۱۴ علماء	تیرھویں صدی ہجری کے	۱۲ علماء
چودھویں صدی ہجری کے	۱۹ علماء		

کل ۷ اہم مصنفین و راوی

توثیق سند حدیث غدیر کرنے والے آئمہ علم حدیث

۴۳ آئمہ حدیث

(۱) حافظ ترمذی م ۲۷۹ھ (یہ حدیث حسن اور صحیح ہے) (۲) حافظ طحاوی م ۳۲۱ھ (یہ حدیث صحیح الاسناد ہے) (۳) فقیہہ محاملی بغدادی م ۳۳۰ھ (یہ حدیث صحیح ہے) (۴) ابو عبداللہ حاکم م ۴۰۵ھ (متعدد صحیح اسناد سے روایت کی) (۵) ابو محمد العاصمی (امت محمدی نے یہ حدیث قبول کرلی ہے) (۶) حافظ ابن عبدالبر م ۴۶۳ھ (یہ سب حدیثیں ثابت ہیں) (۷) فقیہہ مغازلی شافعی۔ م ۴۸۳ھ۔ (یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے) (۸) امام غزالی۔ م ۵۰۵ھ (جمہور متن حدیث پر متفق ہیں)

الحاج مولانا سید رضی جعفر نقوی
(ایم۔ اے)



اعلانِ خلافت یا تحفظِ رسالت

شاید ہی کسی ذی شعور کو اس بات میں شک و شبہ ہو کہ انسان کی برتری اس کے جسم کی ساخت کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس فہم و فراست اور عقل و فکر کی بنا پر ہے جو خالق کائنات نے اسے ودیعت کی ہے ورنہ انسان کے جسم میں نہ تو پہاڑ جیسی بلندی ہے نہ سرو جیسا حسین قد و قامت، نہ شیر جیسی بہادری ہے نہ گینڈے جیسی طاقت، نہ ہاتھی جیسی تنومندی ہے نہ گھوڑے جیسی تیز رفتاری، نہ ہرن جیسی پھرتی ہے نہ اونٹ جیسا بھوک پیاس پر صبر و تحمل.... اور یہ سب تو بڑے جانور تھے۔ اگر انتہائی چھوٹے جانوروں کا بھی تجزیہ کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انسان نہ شہد کی مکھی کی خوش تدبیری اور حسن سلیقہ کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ چیونٹی جیسی مختصر مخلوق کی دور اندیشی کا۔

اور اسی طرح آپ تجزیہ کرتے چلے جائیں تو بہت آسانی سے اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ بیشمار خصوصیات میں انسان، دیگر حیوانات کیا بعض نباتات و جمادات سے بھی کم تر ہے۔

انسان کی سربلندی

لیکن اپنے ان نقائص کے باوجود وہ اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے؟ اور اس کے شرف و برتری کو جمادات، نباتات یا حیوانات میں سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا، اور جمادات، نباتات و حیوانات کا کیا تذکرہ وہ مخلوقات بھی انسان کے مقابلے میں شرف و برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتیں جن کو قدرت نے نور سے پیدا کیا ہے جیسے فرشتے، جن کی عبادت و ریاضت اور عصمت و طہارت سب تسلیم شدہ ہے اور قرآن مجید نے واضح لفظوں میں اعلان کیا ہے کہ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ (الانبیاء آیت ۲۶۔ ۲۷)

(بلکہ یہ خدا کے معزز بندے ہیں جو اس کے سامنے بڑھ کر بول نہیں سکتے یہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں)

(ملاحظہ ہو سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۲۶، ۲۷)

اور جن کے بارے میں مولائے کائنات ایک انتہائی مشہور و معروف خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ثم فتق مابین السموات العلا فملاھن اطوارا من ملئکتہ : منھم سجود

لا یرکعون، وَرکوع لا ... ، و صافون لا یتزایلون، ومسجون لا یأمون، لا یغشاھم نوم العین ولا سھو العقول، ولا فترۃ الابدان ولا غفلۃ النسیان (نہج البلاغہ جلد ۱ ص۲)

پھر (خداوند عالم نے) بلند آسمانوں میں شگاف کیا اور اسے انواع و اقسام کے فرشتوں سے بھر دیا۔ ان فرشتوں میں) کچھ سجدے میں رہتے ہیں رکوع میں نہیں جاتے، کچھ رکوع میں ہیں تو رکوع سے سر نہیں اٹھاتے کچھ صف بستہ ہیں تو اپنی صف سے جدا نہیں ہوتے۔ کچھ حالت تسبیح میں ہیں تو تسبیح سے نہیں تھکتے، نہ ان کی آنکھوں پر نیند غالب آتی ہے نہ کوئی بات بھولتے ہیں، نہ ان کے جسم میں تھکن طاری ہوتی ہے، نہ ان سے غفلت ہوتی ہے اور یہ بارگاہ معبود میں اس قدر مقرب تھے کہ خالق کائنات نے اپنے مخصوص بندوں، انبیا، و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے پاس پیغام پہنچانے کے لئے ان ہی ملائکہ مقربین کا انتخاب کیا اور اپنی کتاب مقدس میں یوں ان کی تعریف کی : فی صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (سورۃ عبس آیت ۱۳ تا ۱۶)

(یہ قرآن) لوح محفوظ کے بیت معزز، بلند مرتبہ اور پاک اوراق میں لکھا ہوا ہے اور ہمارے ایسے سفیروں کے ہاتھ میں ہے جو بلند مرتبہ اور نیکو کار ہیں۔

اور ان فرشتوں میں سے بھی اس فرشتے کا انتخاب کیا جو سب سے زیادہ مقرب تھا اور جس کی اطاعت دوسرے تمام فرشتوں پر فرض تھی چنانچہ سورہ تکویر میں ارشاد فرمایا :

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ

بے شک ایک معزز فرشتہ (جبرئیل) کی زبان کا پیغام ہے، جو بڑے قوی، عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے، وہاں (سب فرشتوں کا) سردار اور امانت دار ہے (تکویر آیت ۱۹ تا ۲۱)

لیکن یہ فرشتے بھی انسان کی عظمت و جلالت اور اس کی بلندی و برتری کا انکار نہیں کر سکتے، اور اپنی تمام عبادتوں اور ریاضتوں کے باوجود عروج و کمال میں انسان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب خلافت الٰہیہ اور خداوند عالم کی جانب سے نمائندگی کے موقع پر فرشتوں نے اپنی عبادت و تسبیح و تقدیس کو معیار قرار دیتے ہوئے بارگاہِ معبود میں یہ درخواست پیش کی کہ (پانے والے خلافت کے زیادہ حقدار تو ہم ہیں، کیونکہ)

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (سورہ البقرہ آیت نمبر ۳۰)

(ہم تیری تعریف میں تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں)

تو قدرت کی جانب سے انہیں جواب ملا کہ : إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرہ آیت ۳۰)

(اس میں کوئی شک نہیں کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے)

اور پھر تمام ملائکہ کو یہ حکم دے کر "کہ تم سب آدم کو سجدہ کرو" خداوند عالم نے قیامت تک کے لئے

فرشتوں پر انسان کی برتری کو ناقابلِ تردید حقیقت بنا دیا اور یہ واضح کر دیا کہ خلافت الٰہیہ کے لئے محض تسبیح و تقدیس کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے وہ جوہرِ معنوی ضروری ہے جسے خداوند عالم نے اس انسانِ اوّل کا طرۂ امتیاز قرار دیا تھا اور اس جوہرِ کمال کی عظمت و جلالت کا اعترافِ اتنا اہم اور ناگزیر تھا کہ جس نے اس کا اعتراف کرنے کے لئے آدم کو سجدہ کیا وہ بزمِ ملکوت میں باقی رہا اور جس نے اس کے مقابلے پر غرور و تکبّر کو اپنایا اسے ہزارہا برس کی عبادت و ریاضت بھی نہ بچا سکی اور ایسا مردودِ بارگاہِ الٰہی قرار پایا کہ جب تک یہ حیاتِ رنگ و بو برقرار ہے اس پر لعنت پڑتی رہے گی۔

خلافت الٰہیہ، منزل بہ منزل

اور چونکہ یہ جوہرِ معنوی ایک ایسی مخفی صفتِ کمال ہے جس کا تعلق ارتقائے نفس سے ہے جس کو صرف علام الغیوب ہی جان سکتا ہے اس لئے صرف اسی کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ کون اس منصبِ خلافت الٰہیہ پر فائز ہو سکتا ہے اور کون فائز نہیں ہو سکتا۔

اور اسی لئے حضرتِ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم تک ہر دور اور ہر زمانے میں خلافت الٰہیہ کا مستحق صرف وہی قرار پایا جسے نگاہِ قدرت نے منتخب کر لیا، نہ کسی انسانی رائے کا اس میں کبھی دخل رہا ہے مشورے کا نہ نامزدگی کا اور نہ الیکشن کا، بلکہ حاکم اعلےٰ (خداوند عالم) نے جسے منتخب کیا وہی امت کا زمانہ قرار پایا نہ کسی نبی کا انتخاب امت نے کیا اور نہ کسی نبی نے اپنے وصی و جانشین کا انتخاب امت کی مرضی پر چھوڑا بلکہ ہر جانے والا اپنے بعد کے لئے یہ بتا کر گیا کہ: میرے بعد خلافت الٰہیہ کا ذمّہ دار کون ہے؟
آیئے ذرا حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم النبیینؐ تک سلسلہ انبیاء و اوصیاء پر نگاہ ڈالیں۔

چنانچہ مورخ جلیل علامہ طبری نے لکھا ہے۔ لما حضرت آدم الوفاة دعا ابنه شیثاً فعهد الیه عهده۔

(جب حضرت آدم کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ نے اپنے فرزند جناب شیث کو پاس بلایا اور احکام خدا سے ان کو ولی عہد بنایا) (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲)

(۲) پھر لکھا ہے ان آدم علیه السلام مرض قبل موته احد عشر یوماً و اوصیٰ الی ابنه شیث وکتب وصیة ثم کتاب وصیة الی شیث۔

حضرت آدم اپنی موت سے قبل گیارہ روز تک علیل رہے اور اپنے فرزند حضرت شیث کو اپنا وصی مقرر کیا اور اس وصیت نامہ کو لکھ کر جناب شیث کے حوالے کیا۔ (طبری۔ جلد ۱ ص۷۹)

بالکل اسی طرح جنابِ رسالت مآب صلعم نے بھی اپنی موت سے قبل قلم و دوات و کاغذ طلب کیا کہ وصیت نامہ

لکھکر خلیفہ کے حوالے کر دیں تاکہ بعد کو امت اسلام گمراہی سے محفوظ رہے۔ چنانچہ مولانا شبلی صاحب تک نے لکھا ہے کہ "بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے وفات سے تین روز قبل قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ آئندہ گمراہ نہ ہوگے اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے حاضرین میں سے بعضوں نے کہا یا رسول اللہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔ یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غم خواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھ سکے یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔ طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔" (الفاروق ص۹۱)

(۳) حضرت شیث نے بھی بغیر اپنا خلیفہ مقرر کئے دنیا سے کوچ نہیں کیا چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے۔

ان شیث لما اوصی الی ابنہ انوش ومات

حضرت شیث جب بیمار ہوئے تو اپنے فرزند جناب انوش کو اپنا وصی خود مقرر کیا اور انتقال فرما گئے

(طبری ص۸۱)

(۴) جناب انوش کا عمل بھی دیکھو ولد انوش قینان ونفرا کثیرا والیہ الوصیۃ

جناب انوش نے اپنے فرزند قینان کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۵) فولد قینان مھلائیل ونفرا معہ والیہ الوصیۃ

قینان نے اپنے فرزند مہلائیل کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۶) فولد مھلائیل ھو الیارد ونفرا معہ والیہ الوصیۃ

مہلائیل کے یرد (یارد) اور دوسرے لڑکے پیدا ہوئے تو مہلائیل نے یرد (یارد) کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری۔ ص۸۶)

(۷) اور یرد (یارد) کے بارے میں ہے کہ فولد میرد خنوخ وھو ادریس النبی ونفرا معہ والیہ الوصیۃ

یعنی یرد نے اپنے فرزند خنوخ عرف حضرت ادریس کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (تاریخ کامل جلد ۱ ص۲)

(۸) پھر حضرت ادریس کے متعلق ہے

فولد خنوخ متوشلخ ولفرامعہ والیہ

حضرت ادریس کے ہاں حضرت متوشلخ پیدا ہوئے اور وہی آپ کے وصی ہوئے اور طبری میں ص۸۵ پر جناب یرد و ادریس کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں ؛ (تاریخ طبری جلد ۱ ص۸۵)

فولد یرد لمھلائیل فکان وصی ابیہ رخلیفۃ فی ماکان والدمھلائیل اوصی الی مھلائیل و استخلفہ علیہ بعد وفاتہ ۔

مہلائیل کے فرزند یرد ان کے وصی اور خلیفہ ہوئے ان امور میں جن میں مہلائیل کے والد نے ان کو وصی مقرر کیا تھا اور ان کو اپنی وفات کے بعد اپنا خلیفہ بنایا ۔ (طبری ۔ ص۸۵)

والد لخنوخ متوشلخ فاستخلفہ خنوخ علیٰ امر اللہ و (وصاہ واھل بلیتہ ۔

حضرت ادریس کے فرزند متوشلخ ہوئے ان کو حضرت ادریس نے احکام خدا پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور وصی بنالیا ۔

(۹) فلما حضرت متوشلخ الوفاۃ استخلف لمک علیٰ امرہ واوصاہ بمثل ماکان آباءہ یوصون بہ

جب متوشلخ کی وفات قریب ہوئی تو اپنے دین پر ملک کو اپنا خلیفہ بنایا اور انھیں کو اپنا وصی مقرر کیا جس طرح آپ کے آباؤ اجداد بھی خود ہی اپنا وصی مقرر کرتے تھے ۔

(طبری ۔ ص۸۶ و تاریخ کامل جلد ۱ ص۲۰)

واضح ہو اکہ یہ لمک حضرت نوح پیغمبر کے پدر بزرگوار تھے اور ان کو لامک اور لامخ کہتے تھے ۔

(۱۰) لما حضرت نوحا الوفاۃ قیل لہ کیف رائیت الدنیا قال کبیت لہ بابان دخلت من احدھما وخرجت من الاخر و اوصی الی ابنہ سام ۔

جب حضرت نوح کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا " آپ نے دنیا کو کیسی پایا ؟ " فرمایا مثل اس گھر کے جس کے دو دروازے ہوں کہ ایک سے تو میں داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا ، پھر آپ نے اپنے فرزند سام کو اپنا وصی مقرر کیا ۔

(تاریخ کامل ۔ جلد ۱ ص۲۶)

مورخ جلیل محمد خاوند شاہ نے اس کی وجہ بھی لکھ دی ہے سام بن نوح از کبار انبیاء مرسل است و حضرت نوح چوں آورا از دیگر فرزندان بوفور خردمندی و کمال ارجمندی و کثرت دانش و فراست تمام و صلاحیت نفس و نجابت ذات مستثنے و ممتاز یافت مرتبہ ولیعہدی و خلافت بعد تفویض فرمود

اسرار و غوامض رسالت بالے درمیان نہادہ سائر اولاد را بہ تابودت اُو وصیت کرد۔

خلیفۂ وقت کے اوصاف

فرزند سام بڑے انبیاء مرسل تھے اور حضرت نوحؑ نے جب دیکھا کہ آپ کے فرزندوں میں سام ہی عقل و فہم و علم و حکمت و حسنِ رائے راصابتِ تدبیر صلاحیتِ نفس و شرافت ذات و محاسن اخلاق و اوصاف و عادات وغیرہ میں سب سے بہتر و افضل اور مستثنیٰ و ممتاز ہیں تو آپ کو اپنی ولی عہدی کا مرتبہ عنایت کر دیا اور خلافت آپ کے سپرد کر دی اور رسالت و نبوت کے کل اسرار و رموز آپ کو بتا دیئے اور اپنی کُل اولاد کو وصیت کی کہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہنا (اور گویا عملاً یہ بتایا کہ خلافت و جانشینی کا مستحق صرف وہ ہے جو اخلاق و کردار علم و فضل اور ذات و صفات میں سب سے افضل ہو بہ تاریخ روضۃ الصفا۔ جلد ۱ صفحہ ۳۰۔

۱۱۔ حضرت ابراہیم نے بھی اپنا خلیفہ خود مقرر کیا۔ ملک الموت بمقتضاءِ فرمان بمجلس او حاضر گشت و صورت واقعہ را معروض داشت ابراہیم مہلتے درمیان نہار و میعادے تعیین فرمود و ؟ کفایت بعضے مہمات دینی و دنیوی کہ سرانجام آں در نظر بصیر از ضروریات بود مشغول شد و اسحاق را در دیار شام ولیعہد و خلیفہ گردنید۔ ملک الموت حکم خدا کے مطابق حضرت ابراہیم کی مجلس میں آئے کہ روح قبض کریں تو جناب ابراہیم نے کچھ مہلت طلب کی اور ایک زمانہ معین کر دیا کہ اس وقت روح قبض کی جائے۔ پھر بعض دینی و دنیوی اہم امور کے انجام دینے میں مشغول ہو گئے کیونکہ آپ کی نظر میں ان امور کا انتظام نہایت اہم اور ضروری تھا اور حضرت اسحاق کو ملک شام میں اپنا ولی عہد و خلیفہ مقرر کیا۔

(روضۃ الصفا۔ جلد ۱ صفحہ ۸۵)

(۱۲) ان اسماعیل لما حضرت الوفاۃ اوصیٰ الیٰ اخیہ اسحاق جب حضرت اسماعیل کی وفات قریب آئی تو اپنے بھائی جناب اسحاق کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب اسماعیل نے خاص حصہ ملک کا وصی جناب اسحاق کو مقرر کیا اس لئے کہ دوسری کتابوں میں ہے کہ

(۱۳) آپ نے اپنے فرزند قیدار کو اپنا خلیفہ و وصی و ولی عہد مقرر کیا تھا۔ "چوں اسماعیل در آخر ایام حیات خویش آثار شیب و ضعف مشاہدہ فرمودہ قیدار را وصی و ولی عہد خویش گردانید"۔
جب حضرت اسماعیل نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑھاپے اور ضعیفی کے آثار مشاہدہ فرمائے تو قیدار کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کر دیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۶۱)

(۱۴) حضرت اسحاق کے متعلق بھی یہی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند یعقوب کو خود اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے۔
(دیکھو روضۃ الصفاء۔ جلد ۱ صـ ۶۲ و ۶۳)

(۱۵) حضرت یعقوب کے متعلق بھی یہی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند حضرت یوسف کو خود ہی (بحکم خدا) اپنا خلیفہ اور وصی مقرر کیا: "چوں اسرائیل دانست کہ از دست عزرائیل پائے فرار و مجال فرار منصور نیست فرزندان خود را خواندہ شرائط وصیت بجا آورد و یوسف را وصی و ولی عہد خود گردانید"
جب اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب) کو یقین ہو گیا کہ عزرائیل (ملک الموت) کے آنے کا وقت یقینی ہو چکا ہے اور اب دنیا میں زندہ رہنے کی اُمید نہیں ہے تو اپنے فرزندوں کو بلا کر شرائط وصیت بجا لائے اور حضرت یوسف کو اپنا وصی و ولی عہد مقرر کر دیا۔ (روضۃ الصفاء جلد ۱ صـ ۹۴)

وان یعقوب اوصیٰ الی یوسف

(حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (تاریخ طبری۔ جلد ۱ صـ ۱۶۲)

(۱۶) حضرت یوسف نے بھی اپنا وصی خود مقرر کیا۔

واوصیٰ الی اخیہ یہودا۔

(حضرت یوسف نے اپنے بھائی یہودا کو اپنا وصی و خلیفہ مقرر کیا) (طبری جلد ۱ صـ ۱۶۲)

(۱۷) حضرت ایوب نے بھی اپنا وصی و خلیفہ خود مقرر کیا: "در قریب وفات حومل را کہ ارشد اولاد او بود وصی و ولی عہد خویش گردانید" اپنی وفات کے قریب حومل کو جو آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ صاحب رشد و صلاح تھے اپنا وصی و ولی عہد مقرر کیا۔
(روضۃ الصفاء۔ جلد ۱ صـ ۱۰۰)

ان عمر ایوب کان ثلاثا وتسعین سنۃ وانہ اوصیٰ عند موتہ الی ابنہ حومل

حضرت ایوب کی عمر ۹۳ سال کی ہوئی اور آپ نے اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی مقرر کیا۔
(تاریخ طبری جلد ۱ صـ ۱۶۷) و (تاریخ کامل جلد ۱ صـ ۴۹)

(۱۸) وان اللہ بعث بعدہ ابنہ بشر بن ایوب نبیا وکان عمرہ خمسا وسبعین ان بشر اوصیٰ الی ابنہ عبدان

خدا نے جناب ایوب کے بعد آپ کے فرزند بشر کو نبی بنایا اور انہوں نے اپنے فرزند عبدان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری۔ جلد ۱ صـ ۱۶۷ و کامل جلد ۵ صـ ۴۶)

(۱۹) حضرت موسیٰ نے بھی اپنا وصی و خلیفہ خود ہی معین کیا۔ جب ماہ نیساں کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو حضرت موسیٰ نے جناب ہارون کو اپنی امامت و خلافت کا عہدہ سپرد کر دیا اور اس سلسلہ کو اپنی وصیت کے مطابق ان کے خاندان میں نسلاً بعد نسل قرار دیا۔ (روضتہ الصفاء جلد ۱ صفحہ ۱۲۰)

فانطلق موسیٰ و استخلف هارون علی بنی اسرائیل

حضرت موسیٰ چلے گئے اور جناب ہارون کو بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ خود مقرر کر گئے۔

(طبری۔ جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ و کامل جلد ۱ صفحہ ۶۵)

(۲۰) مگر چونکہ جناب ہارون کا انتقال حضرت موسیٰ کے سامنے ہی ہو گیا تھا۔ اس سبب سے پھر حضرت موسیٰ نے جناب یوشع ابن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ عبارت ملاحظہ ہو۔ "در روز ہفتم آزار قوم را ہ گروہ مجلسے عظیم ساخت و یوشع را خلیفہ و وصی گردانید۔ و بنی اسرائیل را بعد از حوالہ بضمان حفظ الٰہی بوے سپرد و بتدبیر رعایت مہمات ایشان وصیت کرد و انبساط ابطال و حت و انقیاد و محبت گرفت فرمود کہ بندہ از بندگان خدائے کہ بخلوص نیت از شما ممتاز است خلیفہ ساختم و خداوند تعالیٰ و فرشتگان زمین و آسمان را بریں معنی گواہ گرفتم باید کہ در وصیت من تقصیر و تہاون نہ کنید۔"

ماہ آزار کی ساتویں تاریخ کو حضرت موسیٰ نے قوم کو جمع کر کے ایک بڑی مجلس منعقد کی۔ اور جناب یوشع کو اپنا خلیفہ و وصی مقرر کر دیا اور قوم بنی اسرائیل کو حفظ الٰہی کی ضمانت میں دینے کے بعد جناب یوشع کو سپرد کر دیا اور ان کے امور کی تدابیر اور ان کے مہمات خیال رکھنے کی وصیت کر دی اور اس پر جناب یوشع کی محبت قائم کر کے ان سے فرمایا کہ میں نے بندگان خدا سے ایک بندہ کو جو خلوص نیت میں تم سے ممتاز ہے تم پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور خدا نیز اس کے فرشتوں کو اس پر گواہ کر دیا ہے۔ تم لوگوں کو چاہیئے کہ میری وصیت کے بارے میں کوئی تقصیر اور لاپروائی نہ کرو۔ (روضتہ الصفاء جلد ۱ صفحہ ۱۲۸) انہیں جناب یوشع خلیفہ حضرت موسیٰ کو خدا نے آپ کے بعد نبوت دی۔ ثم انبعث اللہ بعد موسیٰ یوشع بن نون نبیا یعنی خدا نے حضرت موسیٰ کے بعد جناب یوشع بن نون کو نبی مقرر کیا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۸۵)

(۲۱) ثم توفی اللہ انا استخلف علی بنی اسرائیل کالب بن یوقنا

پھر خدا نے جناب یوشع کو دنیا سے اٹھا لیا تو وہ بنی اسرائیل پر کالب بن یوقنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔

(تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۷۰ و طبری جلد ۱، صفحہ ۲۳۷)

کالوب بن یوقنا را طلب داشتہ خلافت داد و اُورا وصی وولی عہد گردانیدہ از جہان بیرون رفت
جناب یوشع نے کالوب بن یوقنا کو بلا کر ان کو خلافت دی اور ان کو وصی وولی عہد کر کے دنیا سے
انتقال کر گئے۔ (روضۃ الصفا، جلد ۱، صفحہ ۱۳۴)

(۲۲) جناب کالب یا کالوب نے بھی اپنا خلیفہ خود مقرر کیا۔ چوں امارت ارتحال مشاہدہ فرمود یوسا
قوس پسر خود را خلافت دادہ۔ جب کالب نے اپنے انتقال کی علامتیں پائیں تو اپنے فرزند
یوسا قوس کو خلافت سپرد کر دی۔ (روضۃ الصفا، جلد ۱، صفحہ ۱۳۵)

(۲۳) جناب الیاس پیغمبر نے بھی اپنا خلیفہ خود مقرر کیا۔ و الیاس پائے در رکاب آوردہ الیسع را بخلافت
خود وصیت کرد۔ حضرت الیاس نے رکاب میں پاؤں رکھتے وقت جناب الیسع کو اپنا خلیفہ
بنایا اور اس کی وصیت بھی کی۔ یک روز بالیاس وحی رسید کہ خلافت خود بوے مفوض
گرداں۔ ایک روز حضرت الیاس پر خدا کی وحی نازل ہوئی کہ تم اپنی خلافت الیسع کے سپرد
کردو۔ (روضۃ الصفا۔ جلد ۱، صفحہ ۱۳۸)۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ سابق انبیاء و مرسلین
خدا کی وحی نازل ہونے پر اپنا خلیفہ خود ہی مقرر کرتے تھے۔

(۲۴) پھر جناب الیسع نے اپنی خلافت کا کیا انتظام کیا۔ بعد از تیقن اجابت ذی الکفل را طلب فرمود
خلافت داد و روح نازنین بحضرت ارحم الراحمین فرستاد۔ جب جناب الیسع کو یقین ہو گیا کہ
اب موت کا وقت آچکا ہے تو ذی الکفل کو طلب کر کے خلافت ان کو دی اور اپنی روح خدا کے
سپرد کر دی (روضۃ الصفا، جلد ۱، صفحہ ۱۴۱)

(۲۵) جناب شعیا کے خلیفہ کو بھی ان کی امت نے نہیں بلکہ خدا ہی نے مقرر کیا۔
استخلف اللّٰہ بنی اسرائیل بعد شیعا رجلاً منھم یقال لہ یاشیہ بن اموس۔
خدا نے جناب شعیا کے بعد بنی اسرائیل پر ایک شخص یاشیہ نامی کو خلیفہ مقرر کیا۔ (تاریخ طبری جلد ۱، صفحہ ۲۸۵)

(۲۶) حضرت داؤد نے بھی اپنے فرزند حضرت سلیمان کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ وتوفی قبل ان
بنائہ و اوصی الی سلیمان حضرت داؤد نے اپنی عمارت تمام کرنے سے پہلے انتقال
کیا اور حضرت سلیمان کو اپنا وصی مقرر کیا۔
فلما مات ورث سلیمان ملکہ وعلمہ ونبوتہ وکان لہ تسعۃ عشر ولدا فورثہ
سلیمان دونھم
جب حضرت داؤد نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمان جناب داؤد کی سلطنت و علم و نبوت

کے وارث ہوئے۔ جناب داؤد کے کل انیس فرزند تھے مگر حضرت داؤد کے وارث صرف حضرت سلیمان ہوئے اور باقی فرزند وارث نہیں ہوئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱۔ ص...)

(۷) حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی مقرر فرمایا۔ از جملہ وصایائے عیسیٰ یکے آں بود کہ خدائے تعالیٰ مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم و حواریان خلافت وے قبول کردند۔ حضرت عیسیٰ کی وصیتوں میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں اور حواریوں نے ان کی خلافت قبول کرلی۔ (روضۃ الصفا۔ جلد ۱ ص ۱۸۴)

آخری منزل

پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کا آخری نبی دنیا سے جاتے وقت اس ہادی برحق کی خلافت کا اعلان نہ کرتا جو اس نبی آخرالزمان کا جانشین بننے والا تھا اس لیے جب آپ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف واپس روانہ ہوئے تو جحفہ کے قریب غدیر خم کے مقام پر یہ آیت اتری

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ

(اے رسول آپ کو جو حکم بھیجا جا چکا ہے اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائیگا کہ آپ نے رسالت کا کوئی کام انجام ہی نہیں دیا اور لوگوں کے شر سے اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا) (سورۂ مائدہ آیت ۶۷)

چنانچہ پیغمبر اسلام اسی جگہ اپنی سواری سے اتر پڑے اور اونٹوں پر جو پالان رکھے ہوئے تھے انہیں اتروا کر ان سے منبر تشکیل دلوایا جس پر کھڑے ہو کر آپ نے ایک انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد اصحاب کے ایک لاکھ سے زیادہ کے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ الست اولیٰ بکم من انفسکم (کیا میں تم لوگوں پر خود تمہارے نفسوں سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ مجمع نے یک زبان ہو کر کہا: بیشک آپ کو ہم پر ہم سے زیادہ اختیار ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ (جس کا میں آقا و مولا ہوں اس کے علی بھی آقا و مولا ہیں) (ملاحظہ ہو تفسیر در منثور جلد ۲ ص ۲۹۸ وغیرہ)

مورخ طبری نے حدیث غدیر کو ۷۵ سلسلہ ہائے سند سے صحیح ثابت کیا ہے (الغدیر جلد ۱ ص ۱۵۲)

اور علامہ ذہبی نے تو اپنی کتاب طبقات ذہبی جلد ۱ ص ۲۵۴ میں یہاں تک لکھ دیا کہ:۔

فاندھشت لہ ولکثرۃ تلک الطرق (کہ میں حدیث غدیر اور اس کی کثرت اسناد دیکھ کر دہشت زدہ رہ گیا) عراق کے ایک انتہائی جلیل القدر عالم جناب علامہ عبدالحسین امینی طاب ثراہ نے حدیث

غدیر کے بارے میں ایک عظیم الشان کتاب " الغدیر" تحریر فرمائی ہے جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں موصوف نے ان تمام صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حدیثِ غدیر کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ اور ان مؤلفین کا بھی تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کے سلسلے میں مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

:- ذوق تجسس :-

واقعہ غدیر پر تفصیلی نگاہ ڈالنے کے بعد ایک متجسس ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت علی کی جانشینی اور خلافت کے اعلان کو اس قدر اہمیت کیوں دی کہ اس نے پیغمبر اسلام سے صاف صاف کہہ دیا کہ:- اے پیغمبر اگر آپ نے یہ اعلان نہ کیا تو گویا تبلیغ رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہ دیا کیا لوگوں کو توحید کا پرستار بنانا ایک اہم فریضہ نہ تھا، کیا نبوت و رسالت کا کلمہ پڑھوانا جاں گسل نہ تھا کیا قیامت پر کامل یقین پیدا کرنا ایک مہتم بالشان خدمت نہ تھی؟ اور کیا ایک ایسے ماحول میں جبکہ ہر طرف کفر و شرک کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اسلام کی شمع روشن کرنا، اور ۲۳ سال تک شب و روز جد و جہد کر کے خاک و خون میں غلطاں ہو کر، لوگوں کو اسلام کی باتوں سے آشنا کرنا کوئی معمولی بات تھی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ جب سب کچھ ہو چکا اور حج سے فارغ ہونے کے بعد اب پیغمبر اسلام دنیا سے رخصت ہونے کی تیاری کرنے لگے تو قدرت کی جانب سے یہ پیغام پہنچا کہ :- اے پیغمبر وہ حکم پہنچا دیجئے جو بھیجا جا چکا ہے اور اگر اسے نہ پہنچایا تو گویا آپ نے خدا کا پیغام ہی نہ پہنچایا .....؟؟ جبکہ اس قسم کا لب و لہجہ نہ توحید و عدل کے اعلان پر ملتا ہے، نہ رسالت و قیامت کی باتوں پر، نہ نماز کے سلسلے میں اس قسم کا فرمان آیا، نہ روزے کے سلسلے میں، نہ حج کے بارے میں یہ تاکید آئی نہ زکوٰۃ کے بارے میں، نہ خمس کے بیان میں یہ انداز اختیار کیا گیا نہ جہاد کے بیان میں۔ پھر اعلانِ خلافتِ علی میں ایسا کون سا راز پوشیدہ تھا کہ قدرت نے یہ انداز خطاب اختیار فرمایا؟

لیکن اگر فطرت انسانی کے صرف ایک ہی تقاضے کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سوال کا تسلی بخش جواب مل جاتا ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص ہم سے کسی چیز کا وعدہ کرے، اور انتہائی نامساعد حالات کے باوجود وہ وقت پر اپنے وعدے کی مکمل طور پر وفا کر دے، اور جو کچھ کہا تھا اسے کر دکھائے تو اس کے بارے میں ہمارے ذہن میں ایک غیر متزلزل اعتماد پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ شخص وعدے کا بہت پکا ہے اور حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں، اس کا وعدہ جھوٹا ثابت نہیں ہو سکتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں اس کے دوسرے سارے وعدوں پر اعتماد یقین کی حد تک پہنچ جائیگا۔ برخلاف اس کے اگر وہ اپنا پہلا وعدہ پورا نہ کرے جس کے پورا کرنے کا وقت آچکا ہو، تو پھر اس کے ان وعدوں پر بھی مطلق اعتبار نہیں رہتا، جو وہ مستقبل کے بارے میں کرتا ہے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جب

پہلا وعدہ جس کی وفا کا وقت آچکا تھا پورا نہ ہو سکا تو دوسروں وعدوں کا کیا اعتبار ؟

:- پہلا وعدہ :-

اس مختصر سی تمہید کے بعد آیئے پیغمبر اسلام کے وعدوں پر نگاہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ نے اُمّت سے متعدد چیزوں کے بارے میں متعدد وعدے فرمائے تھے، مثلاً نماز پڑھو، خدا تمہیں جنت عطا کریگا، روزے رکھو، آتشِ جہنم سے بچ جاؤ گے، زکوٰۃ و خمس ادا کرو، آخرت میں سربلندی نصیب ہوگی، جہاد کرو، قتل کروگے تو غازی بنوگے قتل ہو جاؤگے تو شہید ہوگے اور بلا حساب کتاب جنّت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوگے۔ حج کرو، تمام گناہوں سے پاک ہوکر خوشنودیٔ خدا حاصل کروگے، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرو، میں ضامن ہوں کہ خداوندتعالیٰ تمہاری مدد کرے گا ــــ اور اسی طرح کے بیشمار وعدے جن میں پیغمبر اسلام نے یہ ذمہ داری لی کہ اگر تم ان نیک کاموں کو انجام دوگے تو خداوند عالم تمہیں بہترین نعمتوں سے نوازے گا، اور ان تمام باتوں کا میں ضامن ہوں۔

لیکن یہ سارے وعدے آخرت سے تعلق رکھتے تھے اور دنیا سے جانے کے بعد ان کے پورے ہونے کا وقت آئے گا البتہ پیغمبر اسلام نے جب لوگوں سے پہلی مرتبہ خطاب کیا اور اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا تو وہیں بہت زوردار الفاظ میں ایک ایسا وعدہ بھی کیا تھا جسے اس دنیا میں پورا ہونا تھا۔

جس پر سب کی نگاہ تھی کہ اگر پیغمبر اسلام اپنے اس پہلے وعدے کو پورا کرکے جاتے ہیں تب تو آخرت کے وعدوں کی امید باقی رہتی ہے اور اگر نعوذباللہ پیغمبر اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کرتے جو دنیا میں پورا کرنا ہے تو آخرت کے وعدوں کا کیا اعتبار۔ تو اب اگر پیغمبر نے اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کیا تو سارے وعدوں سے اعتبار اٹھ جائے گا اور اگر پیغمبر کے سارے وعدوں سے اعتبار ہی اٹھ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا ۲۳ سال کی ساری محنت بیکار ہوگئی، تمام مشقتیں رائیگاں گئیں۔

اور شاید اسی لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ :-

"اے پیغمبر اگر آپ نے یہ پیغام لوگوں تک نہ پہنچایا تو گویا کارِ رسالت انجام ہی نہیں دیا"

اب آیئے دیکھیں پیغمبر نے امّت سے سب سے پہلا کون سا وعدہ کیا ہے جسے دنیا میں ہی پورا کرکے جانے کی ذمہ داری لی تھی ؟

تو وہ پہلا موقع جب پیغمبر نے لوگوں کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان کیا، تمام اسلامی، غیر اسلامی ریخوں کے مطابق دعوت ذوالعشیرہ ہی ہے جس میں پیغمبر اسلام نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

"لوگو! میں تمہارے لئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے تو جو کچھ میں کہنے والا ہوں کیا تم اس پر یقین کرو گے؟" سب نے کہا ہاں ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں، یہ اقرار لینے کے بعد آپ نے فرمایا "خدا نے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور تمام عالم کی ہدایت پر مامور کرتے ہوئے مجھے حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیز و اقارب کو اس کی طرف دعوت دوں اور عذاب آخرت سے ڈراؤں اب بتاؤ تم میں سے کون ایسا ہے جو میری بیعت کرے اور اس کام میں میرا معین و مددگار رہے۔ تا کہ میں اسی کو اپنے بعد کے لئے وصی و وزیر اور خلیفہ و جانشین مقرر کروں"۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے مگر حضرت علی جو اس وقت کم و بیش تیرہ سال کے تھے نہایت جوانمردی کے لہجے میں بولے "میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا، آپ کی مدد کروں گا، آپ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال لوں گا، ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا"۔

آنحضرت صلعم نے علی سے فرمایا "ٹھہر جاؤ، شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کریں" پھر تین مرتبہ حضرت نے اپنے قول کا اعادہ کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا اور حضرت علی پہلے کی طرح کلماتِ اطاعت و فرماں برداری دہراتے رہے۔

آخر حضرت رسول خدا نے حضرت علی کو اپنے پاس بلایا، بیعت لی، ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا، اور فرمایا "لوگو دیکھو اب تم لوگوں میں سے یہی علی میرے بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہونگے تم لوگ ان کی اطاعت کرتے رہنا"۔

قریش یہ سن کر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ حضرت ابوطالب سے کہا کہ علی کو سلام کرو اور ان کا حکم مانا کرو پھر سب چلے گئے۔ (ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۔ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶۔ تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۰۵۔ تاریخ گبن جلد ۳ صفحہ ۴۹۹۔ کتاب اُوکلی صفحہ ۱۵۔ کتاب کارلائل صفحہ ۶۰۔ کتاب ایروینگز صفحہ ۳۲۔ کتاب گلمن صفحہ ۸۵۔ کتاب ڈیوس رپورٹ صفحہ ۵ وغیرہ)۔

ذمہ داریاں :۔

تو اس دعوت ذی العشیرہ میں ایک وعدہ حضرت علی نے پیغمبر اسلام سے کیا کہ :۔ اے اللہ کے رسول میں آپ کی مدد و نصرت کروں گا، اور دوسرا وعدہ حضرت رسول خدا نے حضرت علی سے کیا۔ اے علی میں تمہیں خلیفہ بناؤں گا۔ اب اگر بعد میں حضرت علی پیغمبرؐ کی مدد نہ کرتے تو پھر پیغمبرؐ پر بھی اپنے وعدے کی وفا ضروری نہیں ہوتی۔ لیکن اگر پیغمبر اسلام کی زندگی کا ایک ایک لمحہ گواہ ہے کہ حضرت

علی نے پیغمبر کی حمایت و نصرت میں اپنی جان کی بازی لگادی، پیغمبر نے آپ کے بغیر کوئی جنگ ہی نہیں لڑی اور میدان جنگ میں بہت سے ایسے مواقع پر جب سارے اصحاب میدان چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے یہاں تک کہ قرآن مجید میں خداوند عالم کو صاف لفظوں میں کہنا پڑا۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ (آیت ۳ المائدہ)

(اے اصحاب پیغمبر) اس وقت کو بھی یاد کرو جب تم پہاڑ پر بھاگے جا رہے تھے اور باوجودیکہ رسول تمہارے پیچھے (کھڑے ہوئے) تم کو بلا رہے تھے مگر تم مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے)

لیکن ایسے مواقع پر بھی حضرت رسول اکرم کے سچے فدائی و جاں نثار (علی ابن ابی طالب) ہی تھے جن کے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بدر سے لے کر فتح مکہ تک ہر جگہ آپ ہی سرخیل کاروان الٰہی اور سربراہ قافلۂ اسلامی نظر آئے اور اسی لئے ایک اسلامی شاعر بڑے عزم و اعتماد کے ساتھ ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہے کہ

آج ہی مذہب بدل دوں چاہے جو بھی حشر ہو
ایک ہی غزوے میں دکھلا دو فرار مرتضیٰؑ ! (قیس)

توجب ۲۳ رسال کی پوری مدت میں حضرت علی ہر موقع پر پیغمبر اسلام کی مدد و نصرت کرتے رہے تو ایفائے وعدہ کا تقاضا یہ تھا کہ آنحضرت دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل ان کی خلافت کا اعلان کر دیں اور حالات خواہ کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں پیغمبر اپنے اس وعدے کو ضرور پورا کریں ورنہ لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جب پیغمبر نے اس دنیا کا وعدہ پورا نہ کیا تو آخرت کے وعدوں کا کیا اعتبار اور اگر پیغمبر کے وعدوں کا اعتبار نہ رہے تو مقصد رسالت فوت ہو جائے اور اسی لئے قرآن کو یہ کہنا پڑا کہ: "اگر یہ بات نہ کہی تو گویا کار رسالت انجام ہی نہیں دیا"

:- وعدہ کی تکمیل :-

اور جب غدیر خم کے مقام پر لاکھوں مسلمانوں کے مجمع میں پالان شتر کا منبر بنایا گیا۔ اس پر کھڑے ہو کر پیغمبر نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا اور پھر علی کے شانوں کو پکڑ کر بلند کیا تو عصمت بالائے عصمت نظر آئی، نور بالائے نور کا مشاہدہ ہوا، نبوت کے ہاتھوں امامت کی سربلندی کا اعلان ہوا تو قدرت کی جانب سے جبرئیل امین نے یہ نوید سنادی کہ :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط
(سورۂ مائدہ آیت ۳)

(آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا)

(گویا جبتک خلافت علی کا اعلان پیغمبر کی زبان سے نہ ہو گیا نہ دین مکمل تھا نہ نعمتیں پوری ہوئی تھیں)

اور جب پیغمبر اسلام نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود اپنے پہلے وعدے کو پورا کر دیا، تو اب پیغمبر کے باقی تمام وعدوں پر اعتماد کی راہ روشن ہو گئی اور دنیا کو یقین ہو گیا کہ جب پیغمبر نے اپنا پہلا وعدہ پورا کر دیا تو دوسرے وعدے بھی ضرور پورے ہوں گے اور جب پیغمبر کے وعدوں پر لوگوں کو اعتماد رہے تو پھر کافروں کو اپنی اس آرزو میں مایوس ہی ہونا پڑے گا کہ اسلام کو کوئی مٹا بھی سکتا ہے؟ چنانچہ ادھر علیؑ کی خلافت کا اعلان ہوا ادھر تکمیل دین کی سند کے ساتھ قدرت کی جانب سے یہ اعلان بھی ہو گیا کہ:-

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (سورۂ مائدہ آیت ۳)

(مسلمانو) اب آج سے کافر تمہارے دین کے بارے میں (اپنی آرزوؤں سے) مایوس ہو گئے

جناب علامہ مشتاق حسین شاہدی



دعوتِ ذو العشیرہ سے غدیرِ خُم تک

• — وخیر بنی ہاشم احمد رسول الالہ علی فترۃ • — لقد اکرم اللہ النبی
محمداً ۔ فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد • — یا شاہد اللہ علیّ فاشہد — انی علی
دین النبی احمد۔ (ابوطالب)

بنی ہاشم میں سب سے افضل احمدؐ ہیں۔ جو فترت کے زمانے کے بعد رسول ہیں۔ — خدا نے اپنے نبی محمدؐ
کو معزز کیا۔ اس لئے لوگوں میں سب سے افضل و اشرفِ خلق احمدؐ ہی ہیں۔ — اے میرے لئے خدا کے
گواہ۔ تم اکابات کے گواہ رہنا کہ میں پیغمبر اکرم احمدؐ کے دین پر ہوں (شرح ابن ابی الحدید معتزلی ج ۱)

• — ولولا ابو طالب وابنہ۔ — لما مثل الدین شخصا فقاما
• — فذاک بمکۃ اوی وحامی۔ — وھذا بیثرب حبس الحماما (از ابن ابی الحدید)

اگر ابوطالب اور ان کے فرزند علی نہ ہوتے تو اسلام مکمل صورت اختیار نہ کر پاتا۔
ابوطالب نے مکہ میں پیغمبر اکرم کو پناہ دی اور آپ کی حمایت کی اور علی نے مدینہ میں (اسلام کی حمایت میں) موت
سے مقابلہ کیا۔

• — وانذر عشیرتک الاقربین ٥ .... ۲۱۴ الشعراء

(۱) تفسیر مظہری ج ۷۔ تفسیر معالم التنزیل۔ کنز العمال ج ۶ میں دعوت ذو العشیرہ کی تفصیل اسطرح علمائے اسلام
نے لکھی ہے۔

"حضرت علی نے فرمایا جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین ... پر نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم نے مجھے بلا کر فرمایا
یا علی خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے خاندان والوں میں سے قریب ترین افراد کی نذارت کروں میں اس بات سے

خائف ہوا کہ کہیں وہ میری بات سے انکار نہ کر دیں تو جبرئیل حکم خدا لیکر میرے پاس آئے کہ یا محمد جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اگر نہ کیا تو آپ کا رب آپ پر عذاب نازل کرے گا (بعذ لک ربک) لہٰذا اے علی تم ایک صاع اناج سے ہمارے لئے کھانا تیار کرو اور بکری کا ایک بازو بھی پکا کر تیار کرو اور دودھ کا ایک پیالہ بھی تیار رکھو اس کے بعد اولاد عبدالمطلب کو جمع کرو تاکہ میں انہیں وہ پیغام پہنچادوں کہ جس کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے — حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے جب ان لوگوں کو دعوت پر بلایا تو وہ چالیس افراد تھے ان میں پیغمبر کے اعمام (چچا) حضرت ابو طالب وحضرت حمزہ حضرت عباس اور ابولہب تھے جب سب جمع ہو گئے تو پیغمبر نے کھانا طلب فرمایا میں نے کھانا حاضر کیا تو حضور نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے دانتوں سے جدا کر کے سالن کے برتن کی ایک طرف ڈالدیا پھر فرمایا خدا کے نام کے ساتھ کھاؤ۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا لیکن کھانے میں انکی انگلیوں کے صرف نشانات تھے حالانکہ ان میں سے ہر ایک اس پورے کھانے کو کھا سکتا تھا — پھر پیغمبر اکرم نے فرمایا انہیں سیراب کرو تو میں نے دودھ کا پیالہ پیش کیا سب نے اس دودھ سے سیر ہو کر پیا حالانکہ ان میں سے ہر ایک تمام دودھ پی سکتا تھا جب پیغمبر اکرمؐ نے ان سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے فوراً کہا تمہارے صاحب نے تم پر جادو کر دیا ہے اس کے بعد لوگ اٹھ کر چل دیئے ۔ دوسرے روز پیغمبر نے حضرت علی سے پھر کھانا تیار کرنے کیلئے فرمایا جب کھانا تیار ہو گیا اور قوم کے افراد جمع ہو گئے اور ان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا پیغمبر نے گوشت کے ٹکڑے کو دانتوں سے لگا کر برتن میں ایک طرف ڈالدیا سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا پھر سیر ہو کر دودھ پیا تو پیغمبر نے فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی لایا ہوں خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں فایکم یوازرنی علی امری ویکون اخی ووصیی وخلیفتی تو تم میں کون ایسا ہے جو میرے اس کام میں میرا وزیر بنے میرا بھائی ہو میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو۔ تمام لوگ خاموش ہو گئے میں اسوقت سب میں کم سن تھا میں (علی) نے کہا اے خدا کے نبی اس امر میں آپ کا وزیر میں ہوں تو پیغمبر نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ان هذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا یقیناً یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے تم سب اس کی بات کو سنو اور اس کی اطاعت کرو وہ سب لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ یہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم علی کی بات سنیں اور ان کی اطاعت کریں اے ابوطالب تم اپنے بیٹے علی کے مطیع بنا دیئے گئے ہو۔

(۲) اور تفسیر درمنشور ج ۵ میں اس آیہ وانذر عشیرتک کے ذیل میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ جب قریش کھانا کھا چکے تو پیغمبر نے فرمایا جو پیغام تمہارے لئے میں لایا ہوں اس سے بہتر کوئی شخص اپنی قوم کے لئے نہیں لایا میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی لایا ہوں خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں

اسکی طرف دعوت دوں اس پیغام میں کون میراوزیر بننا چاہتا ہے۔ حضرت علی کہتے ہیں ان تمام میں سے میں کم سن تھا میں نے عرض کیا میں حاضر ہوں تو قوم ہنستی ہوئی منتشر ہو گئی۔"

(۳) خصائص نسائی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی سے پوچھا اپنے اعمام (چچا) کو چھوڑ کر پیغمبر کے وارث آپ کیوں ہوئے آپ نے جواب دیا کہ پیغمبر نے جب اولاد عبد المطلب کو دعوت ذوالعشیرہ میں کھانے پر جمع کیا تھا کھانے کے بعد پیغمبر نے فرمایا تھا اے اولاد عبد المطلب میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً بھیجا گیا ہوں تم میں کون ہے جو اس امر میں (ساتھ دینے کے لئے) میری بیعت کرے تاکہ وہ میرا بھائی و میرا ساتھی اور میرا وارث قرار پائے تو میرے علاوہ کوئی نہیں اٹھا اس وقت حاضرین میں سب سے کمسن میں تھا پیغمبر نے مجھے بٹھا دیا اسی طرح پیغمبر نے تین دفعہ اعلان کیا ہر دفعہ صرف میں ہی کھڑا ہوا تیسری بار جب کھڑا ہوا تو پیغمبر نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا۔ اس لئے میں تمام اعمام (چچا) کو چھوڑ کر اپنے ابن عم کا وارث ہوا۔"

پیغمبر اسلام کو حضرت علی کی حمایت کے وعدے پر کتنا یقین تھا کہ کمسنی کے باوجود علی نے کھڑے ہو کر مدد کا اعلان کیا کہ پیغمبر نے اسی مجمع میں علی کی خلافت بلا فصل اور وصی و وارث ہونے کا اعلان فرما کر اپنی خلافت اور اپنی وراثت کے مسئلہ کو واضح کر دیا اگر پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو پیغمبر اکرم نے اس ابتدائی اعلان میں وارث ہونے کا کیوں اعلان کیا۔

دعوت ذوالعشیرہ میں دو وعدے کئے گئے ایک وعدہ پیغمبر اسلام نے کیا اور دوسرا وعدہ علی مرتضیٰ نے کیا اب دیکھنا ہے کہ دونوں حضرات نے عملاً اپنے اپنے وعدے کو کہاں تک پورا کیا ہے پیغمبر اسلام کا یہ پہلا وعدہ تھا جسے دنیا میں پورا کرنا تھا اس کے ساتھ تمام امت سے بھی پیغمبر کا ایک وعدہ ہے کہ جو صحیح طور پر آپ پر اعلان لائے پیغمبر اکرم اس کے لئے جنت کے ضامن ہیں۔ اب اگر حضور نے اعلان نبوت کے وقت پہلا وعدہ کہ جس کا تعلق دنیا سے ہے اگر اس وعدے کو پورا کر دیا ہے تو پھر پیغمبر کے تمام اخروی وعدوں پر یقین و اعتماد بڑھ جائے گا اور جب پیغمبر نے دعوت ذوالعشیرہ کے وعدے کو پورا کر دیا تو پھر بعد پیغمبر امت کو آپ کا وزیر و نائب بنانے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر پیغمبر اکرم نے دعوت ذوالعشیرہ کے پہلے وعدہ کو پورا نہیں کیا تو آپ کے اخروی وعدوں پر اعتماد باقی نہیں رہے گا۔

جہاں تک حضرت علی کے مدد کے وعدے کی تصدیق کی بات ہے تو وہ پیغمبر نے اسی دعوت میں انکی خلافت و وراثت کا اعلان کر دیا تھا اور انکی صداقت پر مہر ثبت کر دی۔ اب صرف بعد کے حالات میں وضاحت کے لئے دیکھنا ہے کہ حضرت علی نے کہاں کہاں وعدے کو پورا کیا۔

(۱) جب پیغمبر اسلام نے کار رسالت علی الاعلان شروع کیا اور تمام عالم عرب خون کا پیاسا ہو گیا جناب

ابوطالب کیوجہ سے ابتدا مزاحمت نہ کر سکے تو حضورؐ کی ایذارسانی کیلئے بچّوں کو جوانوں کو آمادہ کیا چنانچہ پیغمبر اکرم جب باہر نکلتے تھے تو لڑکے مٹی پھینکتے، پتھر مارتے تھے لیکن وہی بچہ جس نے مدد و نصرت کا وعدہ کیا پیغمبر کے ساتھ ساتھ رہتا جوان پر پتھر برساتے تو ان کے ہجوم میں داخل ہو کر انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیتا۔ حضرت امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ جنگ احد میں حضرت علی جب طلحہ بن ابی طلحہ سے مقابلے کے لئے میدان میں آئے تو طلحہ نے پوچھا کہ اے صاحبزادے تم کون ہو تو آپ نے فرمایا میں علی بن ابیطالب ہوں۔ طلحہ نے کہا اے قضم میں پہلے سے ہی جانتا تھا کہ تمہارے سوا میرے مقابل آنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوگی۔ مولا یہ قضم کے کیا معنی ہیں۔ امام نے فرمایا "پیغمبر اکرمؐ جب مکے میں تھے تو تبلیغ کے ابتدائی دور میں ابوطالب کے خوف سے پیغمبر سے کسی کو مزاحمت کی جرائت نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے لڑکوں کو ابھارا لہٰذا پیغمبر جب راہ چلتے تو لڑکے آپ پر پتھر پھینکتے مٹی ڈالتے تھے دوسرے روز علی پیغمبر کے ساتھ نکلے لڑکوں نے حسب سابق وہی حرکت کی تو حضرت علی ان پر ٹوٹ پڑے ان کے چہرے ناک کان توڑ ڈالے لڑکے اپنے گھروں کی طرف روتے ہوئے پلٹے اور والدین سے شکایت کی قضمنا علی۔ علی نے ہمیں توڑ پھوڑ کر رکھدیا۔ اسی وجہ سے بچپن ہی میں آپ کا نام قضم پڑ گیا تھا۔

پھر جب کفار کی برداشت نے جواب دیدیا تو طے کیا کہ پیغمبر اکرمؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدے پر دستخط کئے کہ بنی ہاشم سے نہ کوئی خرید و فروخت کرے گا نہ ہی ان سے کوئی ملے گا نہ ہی ان کو کوئی کھانے کا سامان جانے دے گا جب تک کہ وہ محمدؐ کو قتل کیلئے ہمارے حوالے نہ کردیں۔ چنانچہ شعب ابی طالب میں فاقے برداشت کر کے تین سال گزار دیئے گئے۔ اس عرصے میں حضرت ابوطالب کو پیغمبر اکرم کی فکر سب سے زیادہ رہتی تھی چنانچہ رات کی تاریکیوں میں پیغمبر اکرم کو ایک بستر سے اٹھا کر دوسرے بستر پر سلا دیتے تھے کہ کہیں دشمن آپ کی جگہ پہچان کر موقع پا کر آپ کو قتل نہ کردیں اور پیغمبر کی جگہ پر اپنی اولاد کو سلاتے یہ سعادت اکثر حضرت علی کو نصیب ہوئی کہ اگر کفار قتل کرنے کے لئے آئیں تو ابوطالب کا بیٹا علی قتل ہو جائے اور پیغمبر پر آنچ نہ آنے پائے۔

بعثت کے تیرہویں سال حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد کفار کے مظالم نے شدت اختیار کرلی اور قتل کا منصوبہ بنایا جس پر حضور کو ہجرت کا حکم ملا۔ جب مکے سے ہجرت کا وقت ہوا تو خوفناک منظر پیش آیا کہ پیغمبر اکرمؐ کے قتل کے ارادے سے مختلف قبائل کے چالیس بہادروں نے حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو بلا کر قریش کے ارادے سے آگاہ کیا اور فرمایا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں اور تمہیں اپنے بستر پر سلا جاؤں حضرت علیؑ نے کہا یا رسول اللہ میرے سونے سے آپ بچ جائینگے

فرمایا ہاں ۔ حضرت علی خوش ہوگئے اور اتنے خوش ہوئے کہ سجدہ شکر کے لئے گر پڑے اسلام میں یہ پہلا سجدۂ شکر تھا۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر کہا یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو آپ حکم کے مطابق روانہ ہو جائیں میں آپ کے حکم کے تابع ہوں۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے کفار کی تمام امانتیں علی کے سپرد کیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوۃ" میں لکھتے ہیں کہ "پیغمبر اکرم نے ہجرت کا حکم ملنے پر جب ہجرت کا ارادہ کیا تو جس شب کو ہجرت کا ارادہ کیا اس شب کو آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا تاکہ مشرکین شبہ میں پڑ جائیں اور حقیقت حال سے آگاہ نہ ہو سکیں اسکے علاوہ حضرت علی کو اپنی جگہ سلانے کا سبب کفار و مشرکین کی وہ امانتیں تھیں جو پیغمبرؐ کے پاس تھیں سخت دشمنی کے باوجود کفار آپ کو صادق و امین کہتے تھے۔ اور اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے پس پیغمبر کے حکم کے مطابق حضرت علی حضورؐ کے بستر پر سو گئے اور اس یمنی چادر سے خود کو ڈھانپ لیا جسے پیغمبر اکرمؐ استعمال کرتے تھے حضرت علی کی وہ پہلی بستی ہے کہ جس نے اپنی جان کو اللہ اور رسول کی محبت میں قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ محققین کہتے ہیں کہ آیۂ "ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد" کا شان نزول کا یہی واقعہ ہے۔"

تفسیر کبیر میں فخرالدین رازی لکھتے ہیں "ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله الخ نزلت فی علیؑ بن ابیطالب بات علی فراش رسول الله لیلة خروجه الی الغار وروی انه لما نام علی فراشه قام جبرائیل عند رأسه و میکائیل عند رجلیه و جبرائیل ینادی بخ بخ من مثلك یا ابن ابیطالب یباهی الله بك الملائکة ونزلت الآیة"

آیہ ومن یشری علی بن ابیطالب کی شان میں نازل ہوئی جب وہ پیغمبر اکرم کے بستر پر سوئے تھے تو جبرائیل آپ کے سرہانے اور میکائیل آپ کے پائینتی آکر کھڑے ہو گئے اور جبرائیل ندا دے رہے تھے کہ ابو طالب کے بیٹے مبارک ہو مبارک ہو آپکا مثل کون ہو سکتا ہے آپ کی وجہ سے خدا فرشتوں میں فخر کر رہا ہے تو یہ آیہ نازل ہو گئی " (اسدالغابہ ۔ احیاء العلوم غزالی) غرض تیرہ سال مکے کی تبلیغی زندگی میں امیرالمومنینؑ نے ہر قدم پر ایثار و قربانی کا مثالی کردار پیش کیا۔

(۳) پیغمبر اکرمؐ جب مدینے آگئے اور حضرت علی بھی اہل و عیال کے ساتھ مدینے پہونچ گئے تو دو ہجری کو جنگ بدر ہوئی جس میں حضرت علی نے اپنے وعدے کو بدرجہ اتم پورا کیا۔ چنانچہ مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ " بدر کے میدان میں کفار قریش کے تین نامی گرامی بہادر عتبہ و شیبہ و ولید بن عتبہ مقابلے کیلئے آئے ان کے مقابلے کیلئے حضرت علی و حضرت حمزہ و حضرت عبیدہ میدان میں پہونچے ولید کا مقابلہ حضرت علی سے ہوا آپ نے اسے فوراً ڈھیر کر دیا اور جناب حمزہ نے عتبہ کو مار گرایا لیکن شیبہ نے ایسی پھرتی سے حضرت عبیدہ کے پاؤں پر

ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑے ان کے گرتے ہی حضرت علی و جناب حمزہ نے بڑھ کر شیبہ کا خاتمہ کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا کر پیغمبرؐ کی خدمت میں لے آئے۔ (روضۃ الصفا، ج ۲۔ مطالب السئول کفایۃ الطالب)

اور سیرۃ ابن ہشام ج ۲ میں ہے "حضرت عمر راوی ہیں کہ بدر میں حضرت علیؑ نے عاص بن سعید کو قتل کیا تو کفار نے حضرت علی کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹانا چاہا تو نوفل بن خویلد بن اسد نے آگے بڑھ کر حضرت پر حملہ کر دیا تو حضرت علی نے ایک ہی وار سے اس کا خاتمہ کر دیا۔

پھر مسعود بن مغیرہ (خالد بن ولید کے چچا) مقابلے کے لئے آگے بڑھا حضرت نے اسکا بھی کام تمام کر دیا اس کے بعد ابو القیس بن فاکہ آگے بڑھا حضرت علی نے اس کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے پھر عبداللہ بن منذر آگے بڑھا اس کا بھی خاتمہ کر دیا پھر عاص بن منبہ بن حجاج آگے بڑھا اسے بھی ٹھکانے لگا دیا اسی طرح حنظلہ بن ابوسفیان۔ ابو عمر بن ابوسفیان وغیرہ یکے بعد دیگرے آگے بڑھے حضرت علی نے انہیں بھی ٹھکانے لگا دیا اور حنظلہ بن ابوسفیان کو ایسی ضرب لگائی کہ اس کی آنکھیں باہر نکل آئیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ قریش پر مجھے تعجب ہے کہ جب وہ میری لڑائی کو دیکھ چکے کہ جس سے حنظلہ کی آنکھیں باہر نکل آئیں تو پھر وہ مقابلے کے لئے جرأت کیوں کرتے تھے۔"

مطالب السئول میں اور کفایۃ الطالب میں ہے کہ بدر میں ستر کفار قتل ہوئے جن میں سے نصف کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا۔

(۲) غزوۂ احد کا جائزہ لیں تو وہاں بھی حضرت علی کی قربانی نمایاں نظر آتی ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ احد میں گھمسان کی جنگ میں "جب کفار کی ایک جماعت پیغمبر اکرمؐ کی طرف بڑھی تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یا علی اس جماعت کو دیکھو یہ وقت ہے کہ تم خدمت کا حق ادا کرو اب فتح و نصرت کا وقت آگیا ہے تو حضرت علی نے اس حملہ آور جماعت پر حملہ کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے جو باقی بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے آپ نے ایسی شجاعت و مردانگی دکھائی کہ جبرائیل نے پیغمبر سے کہا علی نے آپ کی حفاظت کے لئے کمال جوانمردی کا اظہار کیا ہے تو پیغمبر نے فرمایا کیوں نہ ہو علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ جبرائیل نے کہا میں آپ دونوں سے ہوں۔ اس موقعہ پر ہاتف غیبی نے یہ کہا:

"لا فتیٰ الا علی و لا سیف الا ذوالفقار" علی جیسا کوئی مرد میدان نہیں اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں۔"

محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "سب سے پہلے کفار کی طرف سے طلحہ بن ابی طلحہ علمدار لشکر جوش غیرت میں میدان میں آیا اور کہا کوئی ہے کہ جو مجھے جہنم میں پہنچائے یا خود جنت میں جائے حضرت علی مقابلے کے لئے نکلے

اور فرمایا میں اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جبتک تجھے جہنم میں نہ پہنچا دوں یا خود جنت میں نہ پہنچ جاؤں پھر آپ نے اسے ایسی کاری ضرب لگائی کہ اسکی ٹانگ کٹ گئی اور وہ واصل جہنم ہوا سیرہ ہشام میں ہے کہ طلحہ کے قتل پر پیغمبر اکرم نے تکبیر بلند آواز سے کہی تو تمام مسلمانوں نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی طلحہ کے بعد طلحہ کا بھائی ابو سعید علم لیکر میدان میں آیا حضرت علی نے اسے بھی واصل جہنم کیا اسکے بعد یکے بعد دیگرے حرث بن طلحہ۔ جلاس بن طلحہ مسافع بن طلحہ میدان میں آئے جو تیروں کا نشانہ بن کر ختم ہوئے۔

ان کے بعد ارطاۃ بن شرحبیل علم لیکر میدان میں آیا حضرت علی نے اسے بھی واصل جہنم کیا جب قریش کے تمام علمدار حضرت علی کے ہاتھوں مارے گئے تو خاندان قریش کا حبشی غلام صواب علم لیکر میدان میں آیا جسے حضرت علی نے فوراً واصل جہنم کیا۔ (طبری)

محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں جنگ احد کے احوال میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا " جب کفار نے مسلمانوں پر حملہ کیا پیغمبر میری نگاہ سے اوجھل ہو گئے میں آپ کو مقتولین میں تلاش کرنے لگا جب کہیں نہیں پایا تو سوچا پیغمبر جنگ سے گریز نہیں کر سکتے یہ اعمال کی سزا ہو سکتی ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو آسمان پر اٹھا لیا ہو یہ سوچ کر میں نے طے کیا کہ اب بہتر یہی ہے کہ کفار سے لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں یہ سوچ کر کفار کے گروہ پر ٹوٹ پڑا اور اتنی بے جگری سے لڑا کہ انہیں متفرق و پریشان کر دیا۔ اسی اثنا میں میری نگاہ پیغمبر اکرمؐ کے جمال مبارک پر پڑی کہ آپ صحیح و سلامت ہیں تو فوراً پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا پیغمبر نے دیکھتے ہی فرمایا علی تم بھی اپنے بھائیوں سے کیوں نہیں جا ملے تو میں نے عرض کیا کہ حضور کیا میں ایمان کے بعد کافر ہو جاتا مجھے تو آپ ہی کی اقتدا کافی ہے "

تاریخ طبری اور سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ " احد کے روز فتح حضرت علی کے مصیبت پر صبر کرنے و حواس کو ثابت و قائم رکھنے اور تکلیف برداشت کرنے کی وجہ سے ہوئی "

(۵) غزوہ خندق میں بھی حضرت علی نے مثالی ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔

کفار کا چوبیس ہزار کا لشکر جو ہر ہتھیار سے لیس تھا مدینہ کا آکر محاصرہ کر لیا پورا اسلام مدینہ میں سمٹ آیا تھا اور باہر چاروں طرف کفر کا حصار تھا لہٰذا اب اسلام کی موت و حیات کا سوال تھا اگر کفر غالب آتا ہے تو اسلام صفحۂ ہستی سے مٹتا ہے اگر کفر مغلوب ہوتا ہے تو قیامت تک اسلام کو بقا ملتی ہے اس موقع پر کون ایسا مجاہد ناصر اسلام تھا جس نے کفر کو شکست دیکر اسلام و مسلمین کو بچا لیا ـــــ

چنانچہ معارج النبوۃ و حبیب السیر میں ہے کہ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود خندق کو عبور کر کے اندر آگیا اور مبارز طلبی کی تو حضرت عمر نے اسکی آواز سن کر پہچان کر فرمایا مجھے اسکی شجاعت کا تجربہ ہے

ایک بار سفر میں میرا اور اس کا ساتھ ہوگیا تھا راستہ میں ڈاکوؤں نے ہمارے قافلے کو لوٹنے کے لئے حملہ کردیا تو عمرو نے تمام ڈاکوؤں کا تنہا مقابلہ کیا جب مقابلہ کرتے کرتے اسکی سپر ٹوٹ گئی تو اس نے فوراً اونٹ کے ایک بچے کی ٹانگ پکڑ کر اسے سپر بنالیا اور حملوں کو روکتا رہا یہاں تک کہ تمام ڈاکوؤں کو بھگادیا یہ عظیم طاقت دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔"

تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ جب پیغمبر اکرم نے اعلان کیا کہ کون ہے جو عمرو کے مقابلے کیلئے جائے تو سب خاموش رہے کئی بار فرمایا لیکن ہر بار حضرت علی نے خود کو پیش کیا پیغمبر نے ان کو جنگ کی اجازت دی روضتہ الاحباب میں ہے کہ" پیغمبر اکرم نے اپنی خاص تلوار ذوالفقار علی کو عطا کی اور اپنے ہاتھ سے انہیں اپنی زرہ پہنائی اور اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھا۔"

حیوٰۃ الحیوان دمیری میں ہے کہ جب پیغمبر اکرم نے حضرت علی کو عمرو بن عبدود کے مقابلے کیلئے روانہ کیا تو پیغمبر نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ۔ آج مکمل ایمان پورے کفر کے مقابلے کیلئے جارہا ہے" میدانِ جنگ میں گئے عمرو سے گفتگو ہوئی اشعار کا تبادلہ ہوا اس نے پوری طاقت سے تلوار کا بھرپور وار کیا آپ نے اس کے وار کو سپر پر روکا پھر آپ نے اس پر ایسا وار کیا کہ تلوار اس کے شانے کو کاٹتی ہوئی اس کے پہلو تک اتر آئی اور وہ زمین پر گر پڑا آپ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا جسے سن کر پیغمبر نے فرمایا علی نے عمرو کو قتل کر دیا۔۔۔۔

پھر عمرو کے ساتھی ضرار بن خطاب اور جبیرہ کیطرف حضرت علی بڑھے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے نوفل خندق میں گر پڑا مسلمان اس پر پتھر برسانے لگے تو اس نے کہا اس طرح ذلت کی موت نہیں مرنا چاہتا مردانہ موت مرنا چاہتا ہوں حضرت علی نے خندق میں اس کے پاس پہنچ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔

پھر حضرت علی نے جب عمرو بن عبدود کا سر کاٹ کر لا کر پیغمبر کے قدموں میں ڈال دیا تو پیغمبر اکرم نے فرمایا "خندق کے روز عمرو بن عبدود سے علی کی شجاعت قیامت تک میری امت کے اعمال سے افضل ہے۔ (روضتہ الاحباب مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۲)

(۶) غزوہ خیبر۔ اس معرکے میں بھی حضرت علی نے ایثار و قربانی کا مثالی کردار پیش کیا۔۔۔ چنانچہ سنائی۔ مسند احمد بن حنبل اور مدارج النبوۃ میں ہے "قلعہ قموص کو جب مسلمان فتح نہ کر سکے تو پیغمبر نے فرمایا ؛ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہوگا اور خدا اس کے ہاتھ سے خیبر فتح کرائے گا۔ پیغمبر اکرم کی اس بشارت کی خبر سے صحابہ میں سے ہر ایک اس اعزاز کا امیدوار ہوگیا حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں اس امید میں کہ شاید یہ شرف مجھے حاصل ہو پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ دیر تک دوزانو بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا آیا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے کبھی امارت کو پسند نہیں کیا لیکن اس روز اس شرف کے حصول

کی آرزو ضرور لاحق ہوئی۔ حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا تھے اس لئے صحابہ گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت علی کو یہ شرف ہرگز نہیں مل سکتا حضرت علی تک جب صحابہ کی گفتگو پہنچی تو خدا پر توکل رکھتے ہوئے فرمایا بیشک خدا جو عطا کرتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز سے وہ روک دیتا ہے اس کا کوئی دوسرا عطا کرنیوالا نہیں ــــ جب صبح ہوئی تو پیغمبر اکرم نے فرمایا علی کہاں ہیں عرض کیا گیا وہ موجود ہیں لیکن آشوب چشم میں مبتلا ہیں پیغمبر ؐ نے فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ جب حضرت علی آئے تو پیغمبر ؐ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر اپنا لعاب دہن انکی آنکھوں پر لگایا آشوب چشم ختم ہوگیا پھر تمام عمر آپ کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں ــــ پھر پیغمبر نے انہیں اپنی زرہ پہنائی کمر سے ذوالفقار لگائی ان کے ہاتھ میں لشکر کا علم دے کر فرمایا جاؤ خدا کی طرف سے فتح ہونے تک لڑنا اسوقت تک قتال کرو جبتک کہ وہ کلمہ نہ پڑھ لیں ــــ حضرت علی نے قلعہ قموص کے پاس میدان میں پہنچکر ایک چٹان میں علم کو گاڑ دیا فصیل سے ایک یہودی نے دیکھ کر پوچھا تم کون ہو ــــ فرمایا میں علی بن ابیطالب ہوں۔ یہ سنکر اس یہودی عالم نے اپنی قوم سے کہا تورات کی قسم تمہیں شکست ہوگی یہ بہادر اس قلعہ کو فتح کئے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہودی حضرت علی کی صفات و شجاعت سے واقف تھا۔ بہرحال مرحب کا بھائی حارث میدان میں آیا جس کے نیزے کی انی تین من وزنی تھی چند مسلمان اس کے مقابلے کے لئے گئے سب شہید ہوگئے پھر حضرت علی نے بڑھکر ایک ہی وار سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ بھائی کی موت دیکھ کر مرحب دوہری زرہ پہنے اور دو تلوار لگائے اور دو خود پہنے میدان میں آیا مسلمانوں میں سے کسی کو اس کے مقابلے کی ہمت نہیں ہوئی حضرت علی آگے بڑھے مقابلہ ہوا آپ نے ذوالفقار کا بھرپور وار کیا جو اس کے خود کو کاٹتی ہوئی حلق تک پہنچ گئی اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے مرحب کے قتل کے بعد سات اور نامور یہودی بھی ذوالفقار حیدری سے ڈھیر ہو گئے باقی یہودی بھاگ کر قلعہ میں پہونچکر قلعہ کے آہنی دروازے کو بند کر لیا۔ حضرت علی میں خدا نے عجیب طاقت پیدا کر دی کہ قلعہ کے آگے خندق تھی آپ نے جست لگائی تو پار تھے بڑھ کر قلعہ کے دروازے کو پکڑ کر ہلایا تو تمام قلعہ لرز گیا اتنی شدید لرزش ہوئی کہ قلعہ میں موجود صفیہ بنت حی بن اخطب (ملکہ) زمین پر گر پڑی اس کا چہرہ زخمی ہوگیا پھر قلعہ کے دروازے کے ایک پٹ کو اکھاڑ لیا اور سپر بنا کر لڑائی میں مصروف ہو گئے بعد کو اس دروازے کو دور پھینک دیا وہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ ستر آدمی اسے اس کے مقام سے نہیں ہلا سکے بقول صاحب روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ اس دروازہ کا وزن آٹھ سو من تھا۔ قلعہ قموص اور خیبر کے دوسرے قلعوں کے رہنے والے حضرت علی کی محیر العقول شجاعت کو دیکھ کر الامان الامان پکارنے لگے فتح خیبر کی خبر سن کر پیغمبر اکرم ؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا جب علی واپس آئے تو پیغمبر نے بڑھ کر استقبال کیا اور سینہ سے لگا لیا پیشانی پر بوسہ لیا اور فرمایا "تمہاری" تمہاری باقدر تعریف اور ذکر کئے ہوئے وصف کی مجھے خبر مل گئی ہے بیشک خدا تم سے راضی اور میں بھی تم سے راضی ہوا (مدارج النبوۃ)

یہ تھی غزوہ خیبر میں دعوت ذوالعشیرہ میں کئے ہوئے وعدے کی ایفاء۔

(۷) غزوہ حنین۔ قبائل ہوازن کی جنگی تیاری اور حملے کے ارادے کی اطلاع پاکر پیغمبر اکرم مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ حنین کی جانب روانہ ہوئے۔

روضۃ الاحباب۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۳ اور صحیح ترمذی میں یہ ہے " ابو واقدی راوی ہے کہ جب پیغمبر اکرم حنین کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک درخت کے پاس سے گزرے جسے کفار ذات انواط کہتے تھے اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے صحابہ نے اسے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک درخت ذات انواط مقرر فرما دیجئے پیغمبر نے فرمایا " سبحان اللہ یہ تو وہی بات ہے جو موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ جیسے کفار کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہمارے لئے بنا دیجئے خدا کی قسم تم بھی ان ہی کا طریقہ اختیار کرو گے "

مسلمانوں کے پہنچنے سے قبل کفار کے لشکر نے میدان جنگ میں پہنچ کر مورچے سنبھال لئے جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو ہراول دستہ پر کفار نے تیر برسا کر انھیں تیزی سے واپس مڑنے پر مجبور کر دیا ــــ چنانچہ کنز العمال میں ہے کہ حنین کے روز پیغمبر اکرم کے ساتھ جو لوگ ثابت قدم رہے ان میں حضرت علی ابن ابیطالب حضرت عباس، ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب، عقیل بن ابیطالب، عبداللہ بن زبیر، زبیر بن عوام اور اسامہ بن زید تھے "

لیکن سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ " غزوہ حنین میں جب پیغمبر کے پاس تمام لوگ بھاگ گئے تو پیغمبر اکرم کے پاس چار افراد کے علاوہ کوئی نہیں رہے جن میں تین بنی ہاشم سے تھے اور ایک غیر ہاشمی تھا علی بن ابیطالب عباس، ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب اور ابن مسعود "

حضرت علی نے قبیلہ ہوازن کی کثیر جمعیت کو قتل کیا ان کے چالیس مشہور بہادروں کا بھی صفایا کیا۔

غزوہ تبوک۔ ۹ ہجری میں غزوہ تبوک واقع ہوا۔ اس غزوہ میں پیغمبر اکرم نے حضرت علی سے کئے ہوئے وعدے کو عملاً جاری کر کے دکھا دیا چنانچہ گرمی کا زمانہ تھا لو چل رہی تھی۔ پیغمبر اکرم نے تمام صحابہ کو ساتھ چلنے کا حکم فرمایا کہ یا علی تم مدینے ہی میں میری جگہ رہو حضرت علی ساتھ نہ جانے پر بہت غمگین ہوئے تو کہا کیا آپ مجھے عورتوں و بچوں کے درمیان چھوڑ جائیں گے تو پیغمبر نے فرمایا ــــ " کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے (بخاری جلد ۳ تاریخ خمیس ج ۲۔ طبری ج ۳۔ تاریخ الخلفاء)، ازالۃ الخلفاء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم نے حضرت علی سے فرمایا اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ انہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی : کیا اے تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جو مرتبہ

ہارون کو موسیٰ سے تھا وہی درجہ تمہیں مجھ سے ہے فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور پھر کسی طرح مناسب ہے کہ میں کہیں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔"

شاہ عبدالعزیز دہلوی تحفہ اثنا عشری میں لکھتے ہیں کہ " ازیں حدیث مستفاد می شود استحقاق آنجناب برائے امامت یعنی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جناب امیر مستحق امامت و خلافت تھے۔"

حدیث منزلت تمام اہل اسلام کے ہاں مسلم ہے بخاری مسلم نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں پیغمبر اکرم نے خود کو حضرت موسیٰ کا مثیل قرار دیا ہے اور حضرت علی کو ہارون کا مثل قرار دے کر بہت سے مسائل کی وضاحت فرما دی ہے۔

(۱) یعنی جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے کارِ رسالت میں شریک تھے اسی طرح علی تم بھی میرے کارِ رسالت میں شریک ہو۔

(۲) جس طرح ہارون اجماع یا شوریٰ سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے نبی کے نصب و اعلان سے نائب بنے اسی طرح حضرت علی حضور کے نامزد خلیفہ ہوئے۔

(۳) جس طرح ہارون حضرت موسیٰ کے بلا فصل خلیفہ تھے اسی طرح علی ....

(۴) جس طرح حضرت ہارون معصوم تھے اسی طرح علی معصوم ....

(۵) جس طرح حضرت ہارون صاحب اعجاز تھے اسی طرح حضرت علی بھی صاحب اعجاز تھے۔

(۶) جس طرح ساحران فرعون نے ایمان لاتے وقت جو کلمہ پڑھا تھا اس میں موسیٰ و ہارون شریک تھے اسی طرح علی بھی کلمہ میں پیغمبر کے ساتھ شریک ہیں۔

(۷) جس طرح حضرت موسیٰ کے ساتھ ہارون کو مسجد میں ہر حالت میں ٹھہرنے کی اجازت تھی اسی طرح حضرت علی کو ہر حالت میں مسجد نبوی میں آنے و ٹھہرنے کی اجازت تھی۔

(۸) جس طرح حضرت موسیٰ کے طور پر جانے کے بعد امتِ موسیٰ آپ کے نامزد وصی سے پھر گئی تھی اسی طرح پیغمبر اسلام کے بعد.......

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ علی نے دعوتِ ذوالعشیرہ میں کئے ہوئے نصرت کے وعدے کو مثالی انداز میں پورا کیا زمانہ پیغمبر کے معرکوں میں کم از کم دس ہزار کفار حضرت علی کی تلوار سے قتل ہوئے تھے لغت رہا کوئی عرب کا گھر ایسا نہیں تھا جس کا کوئی فرد ذوالفقار کا نشانہ نہ بنا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام کو حج آخر سے فراغت کے بعد بحکم خدا بھرے مجمع میں علی کی ولیعہدی کا اعلان کرنے سے قبل لوگوں سے خطرہ لاحق ہوا تو خدا نے حفاظت

کی ذمہ داری لی کہ اس پیغام ولایت کو پہنچادو۔

چنانچہ جناب پیغمبر اکرم مقام غدیر خم پر پہنچے اور صحابہ کا ایک لاکھ بیس ہزار کا مجمع جمع ہو گیا تو پیغمبر اکرم نے پالانوں کے منبر پر اعلان ولایت کیا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ " پیغمبر اکرم حج سے واپسی میں جب غدیر خم کے مقام پر پہنچے (غدیر خم جحفہ کے اطراف میں مکہ و مدینہ کے درمیان ہے) تو آپ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا وہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں مومنین کی جانوں پر ان سے زیادہ اولیٰ بالتصرف ہوں " (جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم نبی مومنین کی جانوں پر ان سے اولیٰ بالتصرف ہے) تمام صحابہ نے جواب دیا بیشک آپ مومنین کی جانوں پر ان سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں تو پیغمبر نے فرمایا گویا مجھے اس عالم میں بلایا گیا ہے اور میں نے اس دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جو ایک دوسرے سے بزرگ ہیں ایک قرآن دوسرے میرے اہل بیت دیکھو احتیاط رکھنا دیکھنا ہے کہ تم میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کروگے اور ان کے حقوق کی رعایت کس طرح کروگے یہ دونوں میرے بعد ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ دونوں مل کر حوض کوثر پر میرے پاس آپہنچیں گے اور خدا میرا مولیٰ (مالک و آقا) ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولیٰ (آقا و مالک) ہوں۔ حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ الہیٰ جس کا میں مولا ہوں پس علی اس کے مولا ہیں میرے معبود تو اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور اس کی مدد نہ کر جو علی کی مدد نہ کرے ــــ اعلان کے بعد حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا " اے ابوطالب کے بیٹے مبارک ہو، خوش ہو کہ آپ نے اس طرح صبح کی اور شام کی آپ میرے اور ہر مومن مرد و عورت کے مولا ہوگئے ــــ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ علی کو دوست رکھنے والا مومن اور ان کو دشمن رکھنے والا منافق ہے "۔

دس ہجری کو پیغمبر اسلام جب حج کے ارادے سے روانہ ہوئے آپ کے ساتھ حج کرنے کا شرف حاصل کرنے کیلئے ہر طرف سے مسلمانوں نے حج کے ارادے سے مکہ کا رخ کیا پیغمبر اسلام کے ساتھ ایک لاکھ سے زائد صحابہ نے حج ادا کیا۔ جب پیغمبر اکرم واپس لوٹے تو خدا کی طرف سے حکم نازل ہوا اور منصب رسالت کے لحاظ سے رسول سے خطاب کیا۔

" اے رسول اس پیغام کو پہنچادو جو تمہاری طرف نازل کیا جاچکا ہے اگر اسے عملاً نہ پہنچایا تو تم نے خدا کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا "۔

پیغمبر اکرم کے حکم سے تپتے ہوئے ریگستان میں جہاں سے راستے جدا ہوتے تھے آگے جانے والوں کو حی علیٰ خیر العمل کی صداؤں سے واپس بلایا گیا جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا، دیکھتے دیکھتے صحرا میں ایک لاکھ بیس ہزار

صحابہ جمع ہو گئے اونٹ کے پالانوں کا منبر بنایا گیا اور ایک طویل خطبے کے بعد حضرت علی کا بازو پکڑ کر بلند کر کے فرمایا جس کا میں مولا و آقا ہوں اسکے یہ علی مولا و آقا ہیں، "اے خدا تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور اس کی مدد نہ کر جو علی کا ساتھ نہ دے"۔

(تذکرہ سبط جوزی)

علامہ جلال الدین سیوطی آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ لوگ میری تکذیب کریں گے اور یہ بھی خدا کی طرف سے وعدہ تھا کہ میں اس پیغام کو پہنچادوں ورنہ خدا مجھے کہیں عذاب میں مبتلا نہ کر دے ــــ ابو سعید خدری راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم پر یہ آیہ نازل ہوئی یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ــــ (یعنی) ــــ ان علیاً مولی المومنین ۔ وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔

اور علامہ فخرالدین رازی تفسیر کبیر ج ۱۱ میں اس آیہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ آیت علی بن ابی طالب کی فضیلت میں نازل ہوئی جب یہ آیہ نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ۔ فلقی عمرؓ فقال یا ابن ابیطالب اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنۃ ۔ وقول ابن عباس والبراء بن عازب ومحمد بن علی ۔ المراد یعصمہ من القتل۔

جس کا میں مولا و آقا ہوں اس کے علی مولا و آقا ہیں۔ الہٰی تو اسے محبوب رکھے جو علی کو محبوب رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی سے دشمنی رکھے پھر حضرت عمر حضرت علی سے ملے اور کہا اے ابو طالب کے بیٹے آپ نے آج اس طرح صبح کی ہے کہ میرے اور ہر مومن ومومنہ کے مولا ہو گئے ۔ یہ ابن عباس ۔ براء بن عازب اور محمد بن علی نے روایت کی ہے ۔ اور واللہ یعصمک ۔ خدا تیری حفاظت کرے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا آپ کو قتل ہونے سے بچائے گا۔

تفسیر روح المعانی ج ۶ میں آیہ بلغ ما انزل کے ذیل میں علامہ شہاب الدین آلوسی لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن عباس راوی ہیں کہ آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ حضرت علی کی فضیلت میں نازل ہوئی جبکہ خدا نے پیغمبر اکرم کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو علی کی ولایت کی خبر سنا دو تو پیغمبر کو خوف لاحق ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ پیغمبر اپنے ابن عم کی محبت میں آگے بڑھ گئے ہیں اور طعنہ دیں گے ۔ تو خدا نے پیغمبر پر اس آیہ کو نازل کیا۔ پھر پیغمبر نے غدیر خم میں جمع ہو کر علی کا بازو پکڑ کر فرمایا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ۔

تفسیر ثعلبی میں علامہ ثعلبی آیہ بلغ الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ آیہ بلغ الخ غدیر خم کے دن علی کی فضیلت میں نازل ہوئی۔

تفسیر المنار ج ۶ میں ہے کہ ابو سعید خدری راوی ہیں کہ آیہ بلغ الخ علی بن ابی طالب کی فضیلت میں نازل ہوئی۔

تفسیر فتح البیان ج ۳ میں علامہ صدیق حسن قنوجی لکھتے ہیں کہ ابو سعید خدری راوی ہیں کہ آیہ بلغ الخ غدیر خم کے روز علی بن ابی طالب کی فضیلت میں نازل ہوئی اور عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ زمانہ پیغمبر میں ہم آیہ بلغ کے ساتھ ان علیاً مولی المومنین پڑھا کرتے تھے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ میں علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں کہ ابو سعید خدری راوی ہیں کہ آیہ بلغ، غدیر خم کے روز علی بن ابی طالب کی فضیلت میں نازل ہوئی اور پیغمبر نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں "غدیر خم میں علی کی ولایت کا اعلان سننے کے بعد حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا یا علی مبارک ہو آج آپ نے اس طرح صبح کی ہے کہ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ اور سنن دار قطنی میں ہے کہ حضرت عمر سے کہا گیا آپ حضرت علی کی جس طرح عزت کرتے ہیں کسی اور صحابی کی اس طرح عزت نہیں کرتے تو جواب دیا کہ انہ مولای کیونکہ وہ میرے مولا ہیں۔

مناقب اخطب خوارزمی میں ہے کہ ابو سعید خدری راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے غدیر خم کے روز لوگوں کو بلا کر جمع کیا اور ایک درخت کے نیچے کانٹے صاف کرائے جمعرات کا روز تھا پھر لوگوں کو علی کی طرف دعوت دی اور علی کا بازو پکڑ کر بلند کیا یہاں تک کہ لوگوں نے ان کی بغل کی سفیدی کو دیکھا اور پھر پیغمبر نے فرمایا اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔

دین کے کامل کرنے اور نعمت کو پورا کرنے پر خدا کی کبریائی۔ اور میری رسالت اور علی کیلئے ولایت پر راضی ہوا۔ الہی تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی سے دشمنی رکھے اور اسکی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور اسے رسوا کر جو علی کو چھوڑ دے ـــ پھر پیغمبر اکرم کے درباری شاعر نے حضور کی اجازت سے اشعار کہے :۔

ینادیھم یوم الغدیر نبیھم	بخم واسمع بالرسول منادیا
فانی مولاکم نعم و ولیکم	فقالوا ولم یبدوا ھناک التعامیا
الیک مولانا وانت ولینا	ولا تجدن فی الخلق لہ مرعاصیا
فقال لہ قم یا علی فاننی	رضیتک من بعدی اماما وھادیا

فمن کنت مولاہ فہذا ولیہ ‏ ‏ ‏ ‏ فکونوا لہ انصار صدق موالیا
هناک دعا اللھم وال ولیہ ‏ ‏ ‏ ‏ وکن للذی عادی علیاً معادی

(روضۃ الاحباب)

غدیر خم کے روز ان کے نبی انھیں پکار رہے تھے اور پیغمبر کے اعلان کو سنو پیغمبر کہہ رہے تھے ہیں تمہارا مولا و ولی ہوں تو سب نے بلا ترد ید کیا کسی نے جہالت کا اظہار نہیں کیا سب نے کہا آپ کا اللہ مولا ہیں۔ آپ ہمارے ولی ہیں اور اس امر ولایت میں ہم میں سے کسی کو آپ نافرمان نہیں پائیں گے تو پیغمبر نے علی سے کہا اٹھو یقیناً میں اپنے بعد تمہارے لئے امام و ہادی ہونے پر راضی ہوں، پس جس جس کا میں مولا و آقا ہوں اس کے یہ ولی ہیں اور تم اس کے سچے انصار و ساتھی بن جاؤ۔

پھر حضور نے دعا کی "الٰہی تو اسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو اسے دشمن رکھے۔"
پیغمبر نے حسان سے اشعار سن کر فرمایا "اے حسان جب تک تم ہماری مدد کرتے رہو گے اور اپنی زبان سے ہماری طرف سے مدافعت کرتے رہو گے تو تمہیں روح القدس کی تائید حاصل رہے گی۔"

مودۃ القربیٰ میں سید ابن شہاب ہمدانی لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم کے خادم ابو حمیرا جو غدیر خم کے مقام پر موجود تھے روایت کرتے ہیں کہ غدیر خم کے مقام پر پیغمبر اکرم نے فرمایا "اے لوگو! خدا میرے نفس پر مجھ سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے وہی مجھے حکم دیتا ہے اور نہی کرتا ہے ـــــ میں خدا کو امر و نہی نہیں کر سکتا سب نے کہا ہاں یا رسول اللہ ـــــ پیغمبر نے فرمایا کیا میں تم پر تمہارے نفوس سے تم پر زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں اور تمہارے لئے میرا حکم و نہی ہے میرے لئے تمہارا حکم و نہی نہیں ہے۔ سب نے کہا، ہاں یا رسول اللہ تو پیغمبر نے فرمایا، جس جس کا خدا اور میں مولا و آقا ہیں، اس کے یہ علی مولا و آقا ہیں الٰہی جو علی کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ اور جو علی کو دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ جو علی کی مدد کرے تو اسکی مدد کر اور جو علی کو چھوڑ دے تو اسے رسوا کر۔"

اس عبارت میں پیغمبر اکرم نے مولا کے معنی کی وضاحت کر دی امامت و وصی مولا کے معنی سے فرمایا کہ میرا حکم و نہی تمہارے لئے ہے تم مجھ پر اپنا حکم و نہی جاری نہیں کر سکتے کیونکہ میں تمہارا مالک و حاکم ہوں۔ اسی طرح تمہارے لئے علی کا امر و نہی ہے یعنی وہ تمہارے حاکم ہیں تم ان کے حاکم نہیں ہو۔

غدیر خم کے موقع پر پیغمبر اسلام نے اپنے نائب و خلیفہ کا اعلان اسی طرح کیا جس طرح خداوند عالم نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔

(۱) پیغمبر اکرم وحی کے تابع ہیں۔ آپ نے صحرا میں مسلمانوں کو جمع کیا ریگستان تمازت آفتاب سے تنور بنا ہوا

تھا اور ایک انوکھے قسم کے منبر پر حضرت علی کا بازو پکڑ کر بلند کر کے ولایت کا اعلان کرنا دوستی و یاری کا اعلان نہیں تھا اس لئے کہ پیغمبر اکرم مدینے میں مہاجرین و انصار کو آپس میں بھائی بنا چکے تھے اور یہ بھی فرما چکے تھے کہ ہر مسلم ایک دوسرے کا بھائی ہے لہٰذا صحرا میں مختلف اطراف سے آئے ہوئے مسلمانوں کو جمع کر کے صرف اور صرف اپنی نیابت و ولیعہدی کا اعلان کیا۔

(۲) گذشتہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ مقام غدیر خم کے موقعہ پر آیۂ بلّغ ما انزل الیک الخ نازل ہوئی ہے — اے رسول اگر تم نے اس پہنچائے ہوئے پیغام کو آج لوگوں تک نہ پہنچایا تو تم نے رسالت کا کام ہی انجام نہیں دیا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

اس آیت کے نزول سے قبل پیغمبر اکرم شریعتِ اسلام کے تمام احکام اُمّت تک پہنچا چکے تھے۔ لیکن کسی حکم کے پہنچانے کے لئے اتنی سختی کا انداز نہیں تھا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض تمام احکام پیغمبر نے پہنچائے لیکن کسی فرض و واجب کے لئے خدا نے یہ نہیں کہا کہ اگر تم نے نماز یا روزہ یا حج و زکوٰۃ کا حکم نہیں پہنچایا تو تم نے رسالت کا کچھ کام نہیں کیا — لیکن غدیر خم کے موقع پر گفتگو کا انداز بدلا ہوا تھا کہ اگر آج تم نے اس پیغام کو نہ پہنچایا تو تمہاری رسالت بے کار، معلوم ہوا اعلان غدیر فروعات میں سے نہیں بلکہ اصول دین سے تھا۔ اور دوسرے یہ کہ دوستی کا اعلان نہیں تھا بلکہ نائب و ولیعہد کا اعلان تھا۔ تو جس امر کا اگر پیغمبر اعلان نہ کریں تو رسالت بے کار تو اگر اُمّت اس حکم کو تسلیم نہ کرے تو ....

(۳) آیہ بلّغ ما انزل الخ کا آخری حصّہ ہے واللہ یعصمک من الناس "اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

سوال یہ ہے کہ مکہ فتح ہو چکا تھا مکہ و مدینہ اور ان کے اطراف میں اسلامی حکومت اور تسلط قائم ہو چکا تھا ایک لاکھ سے زائد صحابہ و حجاج کا مجمع تھا لہٰذا اب پیغمبر اکرم کو کسی غیر مسلم سے تو خطرہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اور خطرہ بھی اتنا سخت تھا کہ خدا کو اپنے پیغمبر کی حفاظت کی ذمہ داری لینی پڑی — حقیقت یہ ہے کہ بدر و اُحد اور خندق و خیبر و حنین کے دفاعی معرکوں میں حضرت علیؑ نے کفر کی کمر توڑ دی تھی۔ کم از کم دس ہزار کفار کو ان معرکوں میں قتل کر کے اسلامی عظمت کا سکہ بٹھایا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اگرچہ بکثرتِ قبائل عرب دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن دلوں میں عربی عصبیت و عداوت کے اثرات باقی تھے۔ پیغمبر اسلام جب حج آخر ادا کر کے لوٹ رہے تھے انھیں قبائل والے افراد کی کثرت تھی کہ جن کے افراد اسلامی معرکوں میں حضرت علی کی تلوار کا نشانہ بن چکے تھے لہٰذا پیغمبر اکرم کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں علی کی ولایت و وصایت کے اعلان سے وہ لوگ سرکش نہ ہو جائیں اور باطنی عداوت ظاہر کر دیں تو خدا نے حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہوئے فرمایا پہنچا دو

ان مسلمانوں سے ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔

چنانچہ حضرت علی سے لوگوں کو جو بغض و عناد تھا اس کی زمانہ رسول کی مثالیں موجود ہیں ـــــ چنانچہ تذکرہ ابن جوزی، مواہب اللدنیہ، شیخ القدیر کاشانی۔ اور تفسیر ثعلبی میں آیہ سأل سائل بعذاب واقع کے ذیل میں لکھا ہے "جب اعلان غدیر اطراف میں پھیل گیا تو حارث بن نعمان نہری ناقہ پر سوار .... آیا اور مسجد نبوی کے باہر ناقہ کو بٹھا کر پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ نے ہمیں توحید و رسالت کی گواہی کا حکم دیا ہم نے قبول کیا ان تمام باتوں پر آپ راضی نہیں ہوئے کہ آپ نے اپنے ابن عم کو بلند کر کے ہم پر فضیلت دے دی اور آپ نے فرمایا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی مولا ہیں۔ یہ اعلان آپ نے اپنی طرف سے کیا ہے یا خدا کی طرف سے پیغمبر نے نگاہ غضب سے اسے دیکھ کر تین بار فرمایا خدا کی قسم یہ اعلان خدا کی طرف سے ہے۔ حارث کھڑا ہو گیا اور یہ کہتا ہوا اپنے ناقہ کی طرف بڑھا اے اللہ اگر محمدؐ حق کہتے ہیں تو تو مجھ پر آسمان سے پتھر برسا یا دردناک عذاب نازل کر دے ـــ راوی کہتا ہے خدا کی قسم ابھی وہ اپنے ناقہ تک نہیں پہنچا تھا کہ خدا نے آسمان سے پتھر گرایا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور یہ آیہ نازل ہوئی سأل سائل بعذاب واقع ـــ حارث عرب تھا اہل زبان تھا صحابی تھا۔ مولیٰ کے معنی یقیناً جانتا تھا اس نے اپنے لئے خدا کا عذاب طلب کر کے بتا دیا کہ مولیٰ کے معنی دوست کے نہیں بلکہ حاکم و مالک کے ہیں ـــــ پیغمبر کی موجودگی میں جب حضرت علی سے دشمنی اس حد تک تھی تو بعد پیغمبر چھپی ہوئی عداوتیں کس طرح فوراً ظاہر ہوئی ہوں گی۔

(۴) پیغمبر اکرم نے علی کی ولایت کا اعلان کرنے کے ساتھ فرمایا: اے اللہ تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے اور اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور اسے ذلیل کر جو علی کو چھوڑ دے پیغمبر اکرم کی یہ دعا جہاں علی کے لئے ویسی ولایت پر دلالت کرتی ہے جو پیغمبر اکرم کے لئے تھی وہاں یہ دعا حضرت علی کی عصمت پر بھی دال ہے کیونکہ اب فرمان نبوی کے لحاظ سے علی کی محبت امت کے ہر فرد پر واجب ہو گئی اگر علی سے گناہ صادر ہونے کا امکان ہوتا تو ان سے مستقل محبت ہر ایک پر ہر وقت واجب نہ ہوتی

(۵) مقام غدیر خم پر موجود صحابہ نے بھی مولا کے معنی حاکم و سردار کے سمجھے ہیں جس کا اظہار انہوں نے اپنے کلمات تہنیت میں یا اپنے اشعار میں کیا چنانچہ اسد الغابہ ج ۲۔ کنز العمال ج ۶۔ فیض القدیر، ریاض نضرہ ج ۲ میں ہے کہ پیغمبر اکرم جب حضرت علی کی ولایت کا اعلان کر چکے تو حضرت عمر نے کہا: بخ بخ لک یا ابن ابیطالب اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ۔ اے ابوطالب کے بیٹے آپ کو مبارک ہو، مبارک ہو آج آپ نے اس طرح صبح کی کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا و آقا ہو گئے۔ حضرت عمر عرب تھے عربی الفاظ کے صحیح استعمال کو جانتے تھے ـــ لغت میں لفظ اصبح ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے

جیسے کہا جاتا ہے اصبح الغنی فقیراً غنی فقیر ہو گیا یعنی غنی پہلے فقیر نہیں تھا اب فقیر ہو گیا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے اصبح الفقیر غنیاً۔ فقیر غنی ہو گیا۔ یعنی فقیر پہلے غنی نہیں تھا اب غنی ہو گیا۔ حضرت عمر نے ولایت علی کا اعلان سن کر فرمایا اصبحت مولای ومولا کل مومن ومومنة۔ یا علی آج تم مولا ہو گئے میرے اور ہر مومن ومومنہ کے۔ یعنی پہلے مولا نہیں (حاکم و سردار) تھے آج مولا ہو گئے لہٰذا اگر مولا کے معنی دوست وناصر کے لئے جائیں تو حضرت عمر کا قول درست نہیں رہے گا۔

(۶) پیغمبر اکرم نے اعلان ولایت کے بعد صحابہ سے اپنی بیعت دوبارہ لی اور ساتھ ساتھ علی کے لئے بھی بیعت لی۔ ہر بیعت کرنے والے نے پیغمبر کے ہاتھ پر دو دفعہ بیعت کی۔ چنانچہ روضۃ الصفار اور حبیب السیر ج ۳ میں ہے کہ غدیر خم میں اعلان ولایت کے بعد حضرت علی کے لئے حکم پیغمبر سے علیحدہ ایک خیمہ نصب کیا گیا اور پیغمبر نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ علی کے پاس جا کر انھیں مبارک باد دیں جب سب لوگ مبارکباد دے چکے تو پیغمبر نے اپنی ازدواج کو حکم دیا کہ تم بھی جا کر علی کو مبارک باد دو تو امہات المومنین نے مبارکباد دی۔ کتاب الولایۃ طبری میں ہے کہ پیغمبر نے مسلمانوں سے فرمایا علی کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو۔

پیغمبر اسلام کا اس طرح صحابہ اور اپنی ازدواج کو مبارک باد دینے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اعلان غدیر سرداری وولیعہد ہونے کا اعلان تھا۔

(۷) غدیر خم پر اعلان ولایت علی سے قبل پیغمبر اکرم نے تمام صحابہ سے خدا کی وحدانیت اپنی رسالت کی گواہی کا اقرار کیا۔ پھر فرمایا "اے لوگو! تم کیا گواہی دیتے ہو۔ سب نے کہا نشھد ان لا الہ الا اللہ۔ فرمایا پھر کس کی گواہی دیتے ہو سب نے کہا ان محمداً عبدہ ورسولہ فرمایا تمہارا اولی کون ہے سب نے کہا خدا اور اس کا رسول پھر پیغمبر نے اپنا ہاتھ علی کے شانے پر رکھا اور انھیں کھڑا کیا اور فرمایا من یکن اللہ ورسولہ مولاہ فان ھذا مولاہ۔ "مجمع الزوائد حافظ ہیثمی"

اس کلام سے بھی واضح ہے کہ جس طرح کی ولایت خدا و رسول کے لئے ہے اسی طرح کی ولایت علی بن ابیطالب کے لئے ہے۔

(۸) اعلان ولایت کے بعد پیغمبر نے فرمایا اللھم انت شھید علیھم انی قد بلغت ونصحت۔ (مودۃ القربیٰ ہمدانی) اے اللہ گواہ رہنا کہ ان لوگوں تک میں نے پیغام پہنچا دیا اور انھیں نصیحت کر دی ہے۔

ان کلمات سے بھی واضح ہے کہ پیغمبر اکرم نے حضرت علی کی ولیعہدی کے اعلان سے ایک عظیم فریضے کو ادا کر کے خود کو عظیم ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا اور لوگوں پر حجت تمام کر دی یہ اسی صورت میں ہے کہ یہ اعلان ولایت اپنے بعد دین وشریعت کی حفاظت کے لئے اپنے نائب کا اعلان اور ولایت کو اصول دین میں قرار دینا ہے۔

(۹) ابو اسحٰق ابراہیم حموینی فرائد السمطین میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے غدیر خم کے موقعہ پر اعلان فرمایا:
"یا ایہا الناس ان اللہ امرنی ان انصب لکم امامکم والقائم فیکم بعدی وصیی وخلیفتی والذی فرض اللہ علی المومنین فی کتابہ طاعتہ فقرن بطاعتکم طاعتی وامرکم بولایتہ" اے لوگو! یقیناً خدا نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے لئے تمہارے امام کا اعلان کر دوں جو میرے بعد تم میں میرا وصی میرا خلیفہ ہوگا وہ خدا کہ جس نے اپنی کتاب میں مومنین پر اسکی اطاعت فرض کی ہے اس نے تمہاری اطاعت کو میری اطاعت سے قریب کیا اور میں تمہیں اسکی ولایت کے اقرار کا حکم دیتا ہوں۔

علامہ حموینی نے تو مسئلے کو ہی صاف کر دیا اور پیغمبر اکرمؐ کے واضح الفاظ کو نقل کر کے معترضین کے اعتراض کو ختم کر دیا ہے کہ اعلان غدیر خم خلافت و امامت تھا۔"

(۱۰) غدیر خم پر جب حضرت علیؑ کی امامت و ولیعہدی کا پیغمبرؐ نے اعلان کیا تو اس کے ساتھ حضرت علیؑ کی دستار بندی بھی کر دی ـــــ چنانچہ دار السمطین میں ہے کہ "حضرت علیؑ نے فرمایا کہ غدیر کے روز پیغمبر اکرمؐ نے میرے سر پر عمامہ باندھا اور اسکا ایک حصہ میرے شانے پر لٹکا دیا۔ فصول المہمہ ریاض نضرہ ـــــ اور کنز العمال ج ۸ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا بدر و حنین میں جس طرح ملائکہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اسی طرح پیغمبرؐ نے غدیر خم میں میرے سر پر عمامہ باندھا پیغمبر اکرمؐ جب اعلان فرما چکے تو سامعین سے فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ میرا یہ اعلان غائب تک پہنچا دیں۔

(مناقب خوارزمی)

(۱۱) پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ نے بھی اپنے استحقاق کے لئے اعلان غدیر کو پیش کیا چنانچہ مناقب اخطب خوارزمی میں ہے کہ " ابو طفیل عامر بن واثلہ کہتا ہے کہ شوریٰ کے روز دروازے پر میں کھڑا تھا کہ حضرت علیؑ نے شرکائے شوریٰ کے سامنے اپنے لئے خلافت کے مستحق ہونے کے دلائل پیش کرتے ہوئے فرمایا:

میں تمہارے سامنے ایسی حجت پیش کرتا ہوں کہ جسے بدلنے کی تمہارے کسی عربی و عجمی میں قوت نہیں ہے۔ خدا کو گواہ کر کے بتاؤ کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس کا جعفر طیار جیسا بھائی جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتا ہو۔ سب نے کہا نہیں ـــ فرمایا بتاؤ تم میں کوئی ایسا ہے جس کا چچا میرے چچا حمزہؑ کی طرح ہو جو خدا اور اس کے رسول کا شیر اور سید الشہداء ہیں ـــ سب نے کہا نہیں ـــ فرمایا بتاؤ تم میں کوئی ایسا ہے جس کی زوجہ فاطمہؑ بنت محمدؐ جیسی ہو جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں ـــ سب نے کہا نہیں ـــ فرمایا بتاؤ تم میں کوئی ایسا ہے جسکے بیٹے حسنؑ حسینؑ جیسے ہوں جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں ـــ سب نے کہا نہیں ـــ فرمایا بتاؤ میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس نے کئی دفعہ خیرات دے کر پیغمبرؐ سے راز و نیاز کی باتیں کی ہوں (اور پھر آیہ نازل ہوئی ہو) سب نے کہا نہیں ـــ فرمایا بتاؤ میرے سوا تم میں کوئی ہے جس کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے اس طرح فرمایا ہو "من کنت مولاہ

فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ لیبلغ الشاھد الغائب ــــــ۔
سب نے کہا نہیں ــــ

(۱۲) ترمذی ابو داؤد ۔ مستدرک حاکم ج ۳ میں ہے کہ " عمران بن حصین راوی ہے کہ پیغمبر اکرم نے حضرت علی کی سربراہی میں ایک لشکر یمن کی طرف بھیجا ۔ مال غنیمت سے حضرت علی نے ایک کنیز حاصل کی تو واپسی پر چار صحابہ نے یکے بعد دیگرے پیغمبر کی خدمت میں شکایت کی تو پیغمبر اکرم نے ہر ایک سے منہ پھیر لیا پھر انھیں بحالت غضب فرمایا تم علی سے کیا چاہتے ہو تم علی سے کیا چاہتے ہو تم علی سے کیا چاہتے ہو۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد علی ہر مومن کا ولی ہے " اس حدیث سے بھی حضرت علی کے لئے ولی کے مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱۳) صواعق محرقہ میں ہے کہ حضرت عمر کے پاس دو اعرابی آئے آپ نے حضرت علی سے فیصلہ کرایا جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا یہ کون ہیں فیصلے کرنے والے تو حضرت عمر اسکی طرف بڑھے اور فرمایا تمہارے لئے افسوس ہے تو نہیں جانتا یہ کون ہیں یہ میرے اور ہر مومن کے مولا و آقا ہیں جس کے یہ مولا نہیں وہ مومن نہیں "

(۱۴) کنز العمال اور الاوسط طبرانی میں ہے کہ مسجد کوفہ میں ایک موقع پر منبر پر حضرت علی نے فرمایا تھا کہ جس نے غدیر خم کا اعلان سنا ہے وہ کھڑا ہو جائے تو بارہ افراد نے کھڑے ہو کر گواہی دی ــــــ لیکن دو صحابہ نے کہ جو غدیر خم کے موقع پر موجود تھے انس بن مالک اور براء بن عازب گواہی کے لئے کھڑے نہیں ہوئے تو حضرت علی نے ان دونوں کیلئے دعا کرتے ہوئے کہا الہٰی ان دونوں نے دشمنی کی بنا پر پیغمبر کے اعلان کو چھپایا ہے ۔ لہٰذا ان دونوں کو مصیبت میں مبتلا کر دے ۔ چنانچہ براء بن عازب اندھا ہو گیا اور انس بن مالک مبروص "

(۱۵) دار السمطین ۔ مطالب السئول ۔ تذکرہ ابن جوزی ۔ شرح نہج حدیدی میں ہے کہ حضرت علی نے امیر شام کے ایک خط کے جواب میں لکھا ۔ واوجب لی ولایتہ علیکم ۔ رسول اللہ یوم غدیر خم = فویل ثم ویل ۔ لمن یلقی اللہ غداً بظلمی ــــ پیغمبر نے غدیر خم کے روز میری ولایت و حکومت کو تم پر واجب کر دیا بس تباہی ہے تباہی تباہی ہے تباہی ہے اس کے لئے جو مجھ پر ظلم کر کے کل خدا سے ملے گا "

(۱۶) امام غزالی سر العالمین کے مقالہ رابعہ میں لکھتے ہیں (حدیث غدیر سے دلیل و حجت روشن ہو گئی اعلام امت نے حدیث غدیر کی صحت پر اجماع کیا ہے کیوں کہ تمام صحابہ کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اکرم نے غدیر خم کے مقام پر فرمایا تھا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس وقت حضرت عمر نے مبارکباد دی تھی اور کہا تھا مبارک ہو یا علی آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے ۔ حضرت عمر کا حضرت علی کو اس طرح مبارکباد دینا حضرت علی کی ولایت و خلافت کو تسلیم برضا کرنے اور اطاعت کیلئے اپنی گردن خم کر دینا ہے ــــــ مگر افسوس تسلیم و رضا و اطاعت کے بعد صحابہ پر خواہشات نفسانی غالب آ گئیں اور دنیا کی ریاست کی محبت میں خلافت کا نشان گاڑھنے اور علم کے پھریروں کی ہوائیں اڑنے

اور جو اسکے بیرقوں سے لپٹنے اور لشکر کے جھگمٹوں میں سواروں کے چلنے اور گھوڑوں کی ٹاپ میں شل جاں کے معلوم ہونے اور ملکوں کی فتوحات کے خیالات نے ان کو ہوا و ہوس کا جام پلا دیا پس وہ پہلے اختلافات کی طرف پلٹ گئے اور عہد و پیمان ولایت و خلافت علی کو پس پشت ڈال دیا اور حقیر چیز کو اس کے بدلے میں خرید لیا ؛

عمرو بن عاص نے اعلان غدیر کو منظوم کیا اور ولی کے معنی کو واضح کیا۔

فکم قد سمعنا من المصطفى۔ وصايا مخصصة۔ وفي يوم خم رقى منبراً۔ بلّغ والصحب لم ترحل فامنحه امرة المومنين۔ من الله مستخلف المنحل۔ وفي كفه كفه معلناً۔ ينادي بامر العزيز العلى قال فمن كنت مولاه۔ على له اليوم نعم الولى۔

علی کی ذات سے مخصوص کتنی وصیتیں ہم نے پیغمبر سے سنی ہیں۔ غدیر خم کے روز صحابہ کی موجودگی میں منبر پر جا کر پیغمبر نے پیغام حق پہنچا دیا اور انھیں اپنی نیابت کے لئے مومنین کا حاکم معین فرما دیا اور اپنا ہاتھ علی کے ہاتھ میں ڈال کر پیغمبر نے خدا کے امر کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے آج سے علی کتنے بہترین ولی ہیں ؛

خطبہ غدیر

علامہ شیخ عبدالحسین احمد الامینی نے حدیث غدیر کے موضوع پر ”الغدیر“ کتاب گیارہ جلدوں میں لکھی ہے جو اس موضوع پر جامع اور حرف آخر کا مرتبہ رکھتی ہے، علامہ مرحوم نے خطبۂ غدیر کو ضیاء العالمین کتاب سے نقل کیا ہے۔

زید بن ارقم راوی ہیں کہ جب پیغمبر حج آخر سے واپس ہو کر غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا اور سخت گرمی تھی پیغمبر نے جو سایہ دار درخت تھا اس کے نیچے سے صفائی کا حکم دیا پھر نماز جماعت کا اعلان کرایا جب ہم سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تو آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ (حمد و ثنا کے بعد فرمایا)

ان الله انزل الىّ بلّغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلّغت رسالته والله يعصمك من الناس ـــ وقد امرني جبرائيل عن ربي ان اقوم في هذا المشهد واعلم كل ابيض واسود ان علي بن ابيطالب اخي ووصيي وخليفتي والامام بعدي فسئلت جبرائيل ان يستعفي لي ربي لعلمي بقلة المتقين وكثرة المؤذين لي والائمين لكثرة ملازمتي لعلي وشدة اقبالي عليه حتى سموني اذناً فقال تعالى ومنهم الذين يؤذون النبي ويقولون هو اذن قل اذن خير لكم ـــ ولو شئت ان اسميهم اول

عليهم لَقُلتُ ولكنى فاقن بترهم قد تكرّمت فلم يرض الله الّا بتبليغى فاعلموا معاشر الناس
ذلك فانّ الله قد نصبه لكم وليّاً واماما وفرض طاعته على كل احد ماضى حكمه جائز قوله
ملعون مَن خالفهُ مرحوم من صدّقه اسمعوا واطيعوا فانّ الله مولاكم وعليٌّ امامكم ثمّ الا
مامة فى ولدى من صلبه الى القيامة لاحلالَ الّا ما احلّه الله ورسوله وهم ولاحرام
الّا ما حرّم الله ورسوله وهم فما من علم الّا وقد احصاه الله فىّ ونقلته اليه فلا تضلّوا
عنه ولا تستنكفوا منه فهو الذى يهدى الى الحق ويعمل به لن يتوب الله على
احد انكره ولن يغفر له حتماً على الله ان يفعل ذلك وان يعذّبه عذاباً نكرا ابد الآبدين
فهو افضل الناس بعدى ما نزل الرزق وبقى الخلق ملعونٌ من خالفه قولى عن
جبرائيل عن الله فلتنظر نفس ما قدّمت لغد افهموا محكم القرآن ولا تتّبعوا متشابهه
ولن يفسّره لكم الّا من انا آخذٌ بيده ورافعٌ بعضده ومعلمكم انّ مَن كنت مولاه
فهذا على مولاه وموالاته من الله انزلها علىّ الا وقد اديتُ وقد بلغتُ الا وقد اسمعتُ
الا وقد اوضحتُ. لا تحلّ امرة المؤمنين بعدى لاحدٍ غيره ثم رفعه الى السماء حتى
صارت رجله مع ركبة النبى وقال معاشر الناس هذا اخى ووصيّى وواعى علمى
وخليفتى على من آمن بى وعلى تفسير كتاب ربى. وفى رواية - اللهمّ وال من والاه
وعاد من عاداه والعن من انكره واغضب على من جحد حقّه ــ اللهم انّك انزلت
عند تبيين ذلك فى علىّ "اليوم اكملت لكم دينكم" بامامته فمن لم يأتمّ به وبمن
كان من ولدى من صلبه الى القيامة فاولئك حبطت اعمالهم وفى النار هم خالدون
معاشر الناس "آمنوا بالله ورسوله والنور الّذى انزل معه من قبل ان نطمس وجوهاً
فنردّها على ادبارهم او نلعنهم كما لعنّا اصحاب السبت" النور من الله فىّ ثم فى
علىّ ثم فى النسل منه الى القائم المهدى ــــ معاشر الناس سيكون من بعدى ائمّة
يدعون الى النار ويوم القيامة لا ينصرون" والله انا برئيان منهم انّهم وانصارهم
واتباعهم فى الدرك الاسفل من النار وليجعلونها ملكاً اغتصاباً فعندها يفرغ
ايها الثقلان ويرسل عليكما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصرون"

خدا نے میری طرف یہ آیت بھیجی ہے کہ "اے رسول اس حکم کو پہنچا دیجئے جو آپ کی طرف آپ کے
رب پہلے ہی بھیج چکا ہے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں

لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ جبرائیل نے میرے رب کا مجھے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اسی مقام پر ٹھہر جاؤں اور ہر سیاہ اور سفید کو یہ بتا دوں کہ علی بن ابیطالب میرے بھائی میرے وصی میرے جانشین اور میرے بعد امام ہیں۔ میں نے جبرائیل کہ وہ اس وقت اس حکم پہنچانے سے) میرے لئے خدا سے معافی طلب کریں۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ متقی کم ہیں اور مجھے اذیت پہنچانے والے اور ملامت کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے میں اکثر علی کو ساتھ رکھتا ہوں اور شدت سے ان کی طرف متوجہ رہتا ہوں اور ملامت کرنے والوں نے یہاں تک کی کہ میرا نام اُذن (سراپا گوش) رکھدیا اور خدا نے فرمایا ہے "انھیں لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو سراپا گوش ہیں تو اے پیغمبر ان سے کہدیں کہ اس میں بھی تمہاری بھلائی ہے" اگر میں چاہتا تو ان ایذا پہنچانے والوں کے نام بھی بتا دیتا اور ایک ایک کی طرف اشارہ کر دیتا مگر ان کی پردہ پوشی کرنے میں بڑائی سمجھتا ہوں۔ بہر طور خدا نے پسند نہیں کیا مگر اس بات کو کہ میں علی کے لئے اس کا حکم پہنچیں اور ابھی پہنچا دوں ——— پس اے لوگو جان لو کہ خدا نے علی ابن ابیطالب کو تمہارا ولی اور امام مقرر کر دیا ہے اور انکی اطاعت کو ہر شخص پر واجب کر دیا ہے۔ ان کا حکم نافذ ہے انہی کا قول روا ہے۔ ان کی مخالفت کرنے والے رحمت حق سے محروم ہیں اور ان کی تصدیق کرنے والا مستحق رحمت ہے لوگو سنو! اور اطاعت کرو کیونکہ خدا تمہارا مالک اور علی تمہارے امام ہیں اور پھر امامت میری اس اولاد میں جو علی کی صلب سے ہے قیامت تک باقی رہے گی، حلال وہی ہے جسے خدا اور اس کا رسول اور ان ائمہ نے حلال قرار دیا ہو اور حرام وہی ہے جسے خدا اور اس کے رسول اور ان ائمہ نے حرام قرار دیا ہو کیونکہ کوئی ایسا علم نہیں کہ جسے خدا نے میری ذات میں جمع نہ کر دیا ہو اور وہ تمام علم میں نے علی کو دے دیا ہے۔ لہٰذا علی کو چھوڑ کر گمراہ نہ ہو اور نہ ہی ان سے منحرف ہو کیوں کہ علی ہی حق کی طرف ہدایت کریں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

خدا اس شخص کی توبہ بھی قبول نہیں کرے گا جو علی کا منکر ہوا اور نہ ہی کبھی اس کی مغفرت کرے گا۔ خدا نے ایسا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے اور خدا نے اس بات کا بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ علی کے دشمن کو ہمیشہ بدترین عذاب سے سزا دے گا ——— کیوں کہ میرے بعد تمام لوگوں سے علی افضل ہیں، جب تک کہ رزق نازل ہوتا رہے اور مخلوق باقی رہے ——— علی سے مخالفت کرنے والا رحمت خدا سے دور رہے میرا یہ قول جبرائیل کے ذریعہ سے خدا کی طرف سے ہے۔" لہٰذا ہر شخص کو دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ کل قیامت کے لئے کون سا عمل بھیج رہا ہے؟

دیکھو قرآن کی محکم آیات کو سمجھو اور متشابہات کے پیچھے نہ پڑو کیوں کہ متشابہات کی صحیح تفسیر تمہارے

لئے کوئی نہیں کر سکے گا سوائے اس کے کہ جس کا ہاتھ میں تھامے ہوئے ہوں جس کے بازو کو میں بلند کر رہا ہوں اور جس کے لئے میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ جس جس کا میں مولا ہوں یہ علی اس کے مولا و آقا ہیں۔ علی کو مولا و آقا ماننے کا حکم خدا کی طرف سے ہے اس حکم کو خدا نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے تبلیغ کر دی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے سُنا دیا۔ اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے وضاحت کر دی۔ کہ میرے بعد علی کے سوا کسی اور کے لئے مومنین کی امامت جائز و حلال نہیں ——— زید بن ارقم کہتے ہیں کہ پھر علی بن ابیطالب کو آسمان کی طرف اتنا بلند کیا کہ علی کے پاؤں پیغمبر کے گھٹنے تک پہنچ گئے اور فرمایا اے لوگو! یہ میرا بھائی میرا وصی میرے علم کا محافظ اور میرا جانشین ان لوگوں کے لئے جو مجھ پر ایمان لائے اور خدا کے کلام کی صحیح تفسیر کے لئے ——— ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا اے اللہ! تو اسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو اس کا دشمن ہو اور جو اس کا انکار کرے تو اسے اپنی رحمت سے دور کر دے اور اس کے حکم کو نہ ماننے والے پر اپنا غضب فرما۔

اے اللہ! تو نے علی کے لئے میرے اس اعلان کے موقع پر یہ آیت نازل کی ہے۔ " آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا " یعنی علی کی امامت سے " پس جو علی اور علی کی صلب سے قیامت تک ہونے والے میرے فرزندوں کو امام نہ مانے وہ ان لوگوں سے میں ہے جن کے اعمال حبط ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں ہوگا :

اے لوگو! خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس نور پر ایمان لاؤ، جو رسول کے ساتھ اتارا گیا ہے قبل اس کے کہ خدا ہلاک کر دے، چہروں کو اور انھیں پشت کی طرف پھیر دے یا اصحاب سبت کی طرح اپنی رحمت سے دور کر دے، خدا کا وہ نور مجھ میں ہے پھر میرے بعد علی میں اور ان کے بعد ان کی نسل میں مہدی قائم تک، اے لوگو! عنقریب میرے بعد ایسے امام بھی ہوں گے جو لوگوں کو جہنم کی دعوت دیں گے اور بروز قیامت ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی ——— بے شک خدا اور میں ان لوگوں سے بری ہیں وہ لوگ اور ان کے پیروکار سب کے سب جہنم کے پست ترین طبقے میں ہوں گے عنقریب وہ لوگ اس امر کو چھین کر بادشاہت بنا دیں گے تو اے جن و انس اس وقت تم پر آگ اور سیسے کے شعلے ڈالے جائیں گے اور تم کچھ نہ کر سکو گے :

ایک سوال ــ اور اس کا جواب

س۔ بس جب پیغمبر اسلام نے حضرت علی کی نیابت کے لئے اتنے واضح اعلانات فرما دیئے تھے تو پیغمبر اسلام کے بعد صحابہ کرام نے پیغمبر کے اعلان کو کس طرح پس پشت ڈال دیا جب کہ صحابہ کی عظمت سے یہ بعید ہے۔

ج ــــ قرآن حکیم نے گذشتہ انبیاء کے واقعات کو بطور درس بیان کیا ہے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ عذاب فرعون سے نجات دلا کر لے گئے۔ بنی اسرائیل نے دریائے نیل سے عصاء موسیٰ سے بارہ راستے بنتے دیکھے اور بعد کو فرعون اور اس کے لشکر کو غرق ہوتے دیکھا۔ پھر مسلسل حضرت موسیٰ کے ساتھ مسلسل معجزات دیکھتے رہے جب پانی کی ضرورت ہوتی تو حضرت موسیٰ اس پتھر پر بارہ دفعہ عصا مارتے تھے جو آپ کے ساتھ تھا اس سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہوتے جب سب سیراب ہو جاتے تو عصا مارتے ہی پانی رک جاتا۔ بنی اسرائیل نے عصاء موسیٰ کو اژدھا بنتے بھی دیکھا ید بیضا کا معجزہ دیکھا غرض مسلسل معجزات دیکھتے رہے لیکن جب حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ میں کوہ طور پر جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے کتاب لاؤں تم سبھوں کے لئے میرا بھائی ہارون تم میں میرا نائب و خلیفہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے تو وہاں تیس راتیں پوری ہوئیں تو خدا نے کہا چالیس شب اور ٹھہرو ــــ تو پیچھے سامری نے ایک بچھڑا بنایا جس سے اکثر امت گمراہ ہو گئی اور حضرت ہارون کا ساتھ چھوڑ دیا کیا ظاہری لحاظ سے ایسا ممکن تھا کہ وہ قوم جسے حضرت موسیٰ نے فرعون کے عذاب سے نجات دلائی جو مسلسل معجزات کا مشاہدہ کرتی رہی جس کیلئے تیار کھانا اور تیار لباس تک خدا کی طرف سے آیا۔ کیا ایسی قوم حضرت موسیٰ کے جاتے ہی ان کے وصی اور ان کی تعلیم سے پھر گئی " ۔ لیکن اکثر قوم پھر گئی اور حضرت ہارون کو کمزور کر دیا اور قریب تھا کہ قتل کر دیں ــــ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ یا علی تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ کی غیبت میں حضرت موسیٰ کی امت آپ کے وصی سے پھر گئی تھی، وہی عمل یہاں ہوگا ــــ اگر امت موسیٰ ان کی غیبت میں ان کے وصی ہارون کی ہدایات پر عمل کرتی تو یقیناً گمراہ نہیں ہو سکتی تھی چونکہ ہارون کے منع کرنے کے باوجود انھوں نے وصی موسیٰ کو چھوڑ دیا لہٰذا گمراہ ہو گئی اور جب حضرت موسیٰ واپس لوٹے اور دیکھا کہ اکثر قوم گمراہ ہو چکی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ کفن پہن کر ایک دوسرے کو قتل کرو چنانچہ بادل چھا گیا اور قتل عام ہوا یہاں تک کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو گئے تب قتل کا حکم اٹھایا گیا۔

معلوم ہوا کہ اگر نبی امت کو چھوڑ کر جاتا ہے تو اپنا نائب اور وصی معین کر کے جاتا ہے امت کو بغیر رہبر کے نہیں چھوڑا جاتا ــــ اور اگر امت نبی کے معین کئے ہوئے نائب کو چھوڑ دیتی ہے تو اگر نبی واپس لوٹتا ہے تو اس جرم کی سزا یہ دیتا ہے کہ امت کے افراد ایک دوسرے کو قتل کریں۔ وہاں حضرت موسیٰ واپس لوٹ آئے تھے لہٰذا سزا دی کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہاں پیغمبر اسلام معین کر کے چلے گئے واپس آنا نہیں تھا ــــ لیکن سزا وہی جو امت موسیٰ کو دی گئی چنانچہ اسلام گواہ ہے کہ آج تک مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے کا کس طرح بے دردی سے خون بہایا ہے لاکھوں مسلمان مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

غدیر خم میں حضرت علی کے لئے زبان وحی سے اعلان ولایت و وصایت سے دین اسلام کی تکمیل ہو گئی۔

اس لئے کہ وحی کے تابع ہستی کے ذریعے جب دین کو پہنچا دیا گیا تو ضرورت تھی کہ بعد کے لئے اس دین کی حفاظت کیلئے کسی معصوم کا انتظام کردیا جائے تو پیغمبر اسلام نے صحابہ کے مجمع میں اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا۔ اگرچہ پیغمبر اسلام کو اس اعلان کے پہنچانے میں اتنا شدید خطرہ لاحق ہوا کہ خدا کو حفاظت کی ضمانت دینی پڑی۔

بدرواحد وخندق وخیبر وحنین وغیرہ اسلامی دفاعی جنگوں میں کم از کم دس ہزار کفار حضرت علی کی تلوار سے قتل ہوئے ایسا خاندان کوئی کم ہی ہوگا کہ جس کا کوئی فرد حضرت علی کی تلوار سے قتل نہ ہوا ہو لہذا فطرت عرب کے لحاظ سے لوگوں کا حضرت علی کو دل سے تسلیم کرنا مشکل نظر آتا ہے اسکے ساتھ پیغمبر اسلام کا اکثر معرکوں میں علم لشکر انہیں دینا لیکن پیغمبر اکرم نے اپنے فریضے کو مستقل انجام دیا اور مختلف انداز سے حضرت علی کی ولایت کا اعلان فرماتے رہے چنانچہ جابر بن عبداللہ انصاری راوی ہیں کہ شب معراج جنت کے دروازے پر میں نے لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ اخو رسول اللہ۔

(مودۃ القربی ہمدانی)

نطنزی نے خصائص علویہ میں عبداللہ بن مسعود کے استاد سے لکھا ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا شب معراج میں جنت کے ہر دروازے (آٹھ) پر لکھا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

تاریخ بغدا اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا میں نے شب معراج عرش کے ایک پائے پر لکھا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی

کنز العمال ج ۶۔ حلیۃ الاولیاء ج ۳۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ پیغمبر نے فرمایا شب معراج میں عرش کے ایک پائے پر لکھا دیکھا انی انا اللہ لا الہ غیری خلقت جنۃ عدن بیدی محمد صفوتی من خلقی وایدتہ بعلی ونصرتہ۔

ڈاکٹر اسد اریب پیپلز اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سِلسلۃ الحدیث غدیر

بحوالہ صغیر و کبیر

ہجرت کا دسواں سال، ۲۵ ذی قعدہ عیسوی حساب سے ۲۲ فروری ۶۳۲ء ہوگی، کہ مدینے سے رسولِ خدا، حج آخر کے لئے روانہ ہوئے۔ چونکہ ہجرت کے بعد یہ پہلا حج تھا، مجمع ایک لاکھ سے کم کیا ہی ہوگا۔ اسلام کا سیاسی عروج اور مسلمانوں کے غلبے کا اثر بھی زوروں پر تھا۔ لہٰذا اس سفر کا اعلان ہوتے ہی لوگوں کا سیل مدینے میں اُمڈ آیا۔ حضرتِ خاتم نبوت اس عظیم الشان مجمع کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے عازم سفر ہوئے۔ حج سے لوٹے تو مکے سے مدینے کی راہ میں تیسری منزل پر "جحفہ" کے گاؤں کے پاس ایک قدرے سرسبز مقام، غدیر خم پر قیام کیا یہاں پانی کا ایک چھوٹا سا تال بھی تھا، (جو امتدادِ زمانہ سے اب وہاں نہیں) اس لئے اس مقام کو غدیر خم بھی کہا جاتا ہے۔ اس منزل تک سفر تقریباً آدھا کٹ چکا تھا اور مدینہ صرف ۵ منزل دور تھا۔ یہاں سے مدینے کی ارد گرد آبادی کے لئے کئی راستے پھوٹتے تھے۔ "غدیر خم" میں حضور ختمی مرتبت نے حجۃ الوداع سے واپسی پر جس روز قیام کیا، وہ ۱۸ تاریخ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری کی تھی۔ حساب سال عیسوی سے یہ تاریخ ۱۷ مارچ ۶۳۲ء تھی۔ قیام کی ساعتوں سے قبل حکم ربانی ملا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ (المائدہ آیت ۶۷)

اس حکم کا انداز، باقی احکامات ربانی سے قدرے مختلف تھا، اور بڑا تحکمانہ اور فیصلہ کن بھی۔

اے رسول پہنچا، جو تجھ کو اترا تیرے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا۔ اس کا پیغام اور اللہ تجھکو بچائے گا لوگوں سے۔ (موضح القرآن: شاہ عبدالقادر محدث: ص: ۱۸۸)

یہ کونسا ایسا امر تھا جو پیغمبر اسلام نے اب تک سرانجام نہیں دیا۔ یا جسکی ادائیگی کے بعد لوگ فتنہ کھڑا کرتے یا امر شاید کوئی ایسا امر تھا جس سے ایک جماعت کثیر کے ناراض ہو جانے کا ڈر تھا۔ یہ اگر کوئی ادنیٰ امر ہوتا،

تو اس کا بار بار ادا ہونا بھی لازم تھا۔ یہ تو کوئی ایسا حکم ہونا چاہیے جس کا اعلان تاکیداً اور صراحتاً پہلے نہیں کیا گیا اور اس وقت کرنا مقصود تھا جب لوگوں کو موقع محل کے اعتبار سے اسکی اہمیت کا اندازہ ہو۔ لہٰذا شدید گرمی کے موسم میں، جب دھوپ چلچلا رہی تھی اور ریت صحرا کا، بھوبل کی طرح گرم تھا، یہاں سے لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو رہے تھے، کوئی ایسی ہی بات ہو جسے لیکر اپنے اپنے گھروں کو پلٹیں اور سارے راستے اسکا ذکر کرتے جائیں اور اگر واقعی یہی منزل جدائی کی ہے تو، فیصلہ کریں اور جلد جدا ہو جائیں۔ جیسا کہ حارث ابن نعمان نے کیا۔
لہٰذا یہ حکم پہنچتے ہی لوگوں کو ٹھہرایا گیا۔ جو آگے چلے گئے تھے انہیں پلٹایا گیا۔ جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔

جس جگہ لوگ جمع ہوئے زمین کانٹوں سے صاف کی گئی اور پتوں سے بقدر امکان اسے پاٹا گیا۔ درختوں کی بڑی بڑی شاخوں سے ایک محراب سی بنائی گئی تاکہ مسند پر سایہ رہے اور اونٹوں کے کجاووں سے مسند بنائی گئی جناب رسول خدا نے ظہر کی نماز کے خطبے سے پہلے حضرت علی کو اپنے پاس بلا کر کھڑا کیا کہ حضرت کا دایاں ہاتھ جناب امیر کے بائیں بازو کے قریب تر تھا۔ پھر ان کے عمامہ باندھا۔ اور اس کا ایک سرا پیچھے کی طرف لٹکا دیا۔ اور جب لوگ پوری طرح متوجہ ہو گئے تو کہا، اے لوگو! قریب ہے مجھے بلایا جائے اور مجھے جانا پڑے لہٰذا جواب دو کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تم پر حق نہیں رکھتا؟ امت نے کہا، بے شک کیوں نہیں!
تب حضورؐ نے جناب امیر کا ہاتھ پکڑ کر کہا ——— "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے"
(مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ) (روضۃ الصفا صفحہ ۲۰۱)
اور قدرت نے ولایت علی کے اس اعلان پر کار رسالت کی تکمیل کو منحصر قرار دیا اور یہ وہی اعلان تھا۔ جس کے بارے میں پیغمبر کو تاکید کی گئی تھی؛ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ٥ (المائدہ آیت ۶۷)

علامہ سیوطی کی درمنثور صفحہ ۲۹۸ ج ۲ میں ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ یہ آیت بلّغ حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی۔

تفسیر کبیر رازی صفحہ ۶۳۶ ج ۳ میں ہے کہ جب یہ آیت بلّغ نازل ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا:
"جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے" جس کا میں مالک و سردار ہوں اس کا یہ علی مالک و سردار ہے اے اللہ جو اسے دوست رکھتا ہے تو اسے دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھتا ہے تو اسے دشمن رکھ۔"
علی متقی کی کنز العمال صفحہ ۶۰ ج ۸ اور مسند ابو داؤد صفحہ ۲۳ میں ہے، حضرت علی نے فرمایا کہ اس روز اعلان جانشینی سے پہلے حضورؐ نے میرے سر پر عمامہ باندھا۔

اور یوں بھی یہ آیت اپنے سیاق کے اعتبار سے ولایت امیرالمومنین کی خبر دے رہی ہے۔ علامہ بحرینی نے اپنی کتاب غایۃ المرام کے باب ۳۷، ۳۸ میں سترہ احادیث صحیحہ اس آیت کے ولایت امیرالمومنین و آئمہ طاہرین ہونے کی دلیل میں تحریر کی ہیں اور یہی نہیں اکثر محدثین نے اس آیت کو ولایت علی کے ذیل میں تحریر کیا ہے۔ مثلاً امام واحدی نے "اسباب نزول" میں ابو سعید خدری کے حوالے سے بتایا ہے کہ یہ آیت یوم غدیر خم نازل ہوئی پھر اسی مضمون کو علامہ ثعلبی نے بھی رقم کیا، علامہ حموینی شافعی نے بھی کتاب الفرائد میں اسے متعدد طریقوں سے ابو ہریرہ سے بھی روایت کیا۔ پھر ابو نعیم نے بھی "نزول القرآن" (اپنی کتاب) میں سورہ مائدہ کی تفسیر میں اسے لکھا۔ ان کا ایک راوی ابو رافع ہے اور دوسرا اعمش ہے۔

یہ ایک ایسی نعمت تھی جس کے پہنچانے کا پیغمبر کو بطور خاص حکم دیا گیا۔ اور یہ حکم ایسا حکم تھا جو رعب اور دبدبے سے بھرپور تھا۔ جیسا کہ آیت کا لب و لہجہ بتا رہا ہے۔

اے رسول پہنچا دو۔ اس چیز کو جو تم پر تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ تم ڈرو نہیں۔ خدا تمہیں لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

یہی وہ موقعہ تھا، جب آیہ تکمیل دین (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا) نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر، جلد ۲ صفحہ ۲۸۱)

ولایت امیرالمومنین کے اس واضح اعلان پر اصحاب رسول اور ازواج رسول نے اسی وقت مبارکبادیاں پیش کیں۔ بلکہ بعض اصحاب سیرت نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے اصحاب سے فرمایا کہ جاؤ اور علی کو مبارک باد دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس واقعۂ تبریک کو درج ذیل علماء نے بھی نقل کیا:

ملا معین معارج النبوت الجز رابع، باب سیزدھم ص۲۲
علی متقی کنز العمال الجز الثامن ص۹۰
محب الدین طبری ریاض النضرہ الجز ثانی (باب الرابع) ص۱۶۹
سبط ابن جوزی خواص الامۃ الباب الثانی ص۱۸
محدث دھلوی شرح مشکوٰۃ (اشعۃ اللمعات) الجز الرابع ص۶۷۲
امام حنبل مسند، الجز الرابع ص۲۸۱
مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ مجتبائی ص۵۶۵

جو لوگ پاکیزہ طینت تھے، اور پیغمبر اسلام کی نبوت پر بلا شک و شبہ یقین رکھتے تھے وہ اس اعلان سے خوش ہوئے مگر بنو ہاشم کے اقتدار اور عزت و جاہ سے حسد کرنے والوں کے لئے یہ خبر وحشت اثر ثابت ہوئی۔ ان کے دلوں کا آرام

جاتا رہا اور راتوں کی نیند اڑ گئی۔ بعض چنگاریاں جو کمال محمدؐ وآل کے گرداب میں دب گئی تھیں، از سر نو چمک اٹھیں۔ انگلیاں اٹھیں، سرگوشیاں ہونے لگیں، بعض ناتواں زیر لب بڑبڑائے۔ مگر یہ فیصلہ نبی کا ذاتی حیثیت سے نہیں، نبوت کا تھا۔ یہ حکم رسول نہیں، امر رسالت تھا۔ حارث ابن نعمان فہری کے مخفی شرک نے اسے چین نہ لینے دیا، مارا مارا پھرتا گھٹتا اور کڑھتا رہا۔ اور نہ معلوم کیا کیا سوچا کیا، پھر اس کا پارہ پھٹ پڑا، ایک روز مسجد نبوی میں جب حضورؐ اپنے اصحاب سے گفتگو فرما رہے تھے، یہ گستاخ آگے بڑھا اور نہایت بے ادبی سے کہنے لگا:

اے محمدؐ تم نے ہمیں وحدانیت کی تعلیم دی۔ ہم مانے۔ اپنے تئیں تم نے اس کا رسول بتلایا، ہم نے اقرار کیا، پانچ وقت کی نمازیں قبول کیں۔ رمضان کے روزے اور حج مقرر کیا، یہ سب باتیں ہم نے تسلیم کیں۔ تم اس پر راضی نہ ہوئے اور اب اپنے چچازاد بھائی (علی) کو بازو سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور ہمارے اوپر حاکم مقرر کر دیا۔

کیا علی کی یہ مولائیت بھی خدا کی طرف سے ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا بخدا یہ امر بھی من جانب اللہ ویسا ہی ہے جیسے وہ تھے جن کا تو نے تذکرہ کیا۔ حارث ابن نعمان اس جواب سے آتش زیر پا ہوا اور غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے ناقے کی طرف پلٹا اور یہ کہتا ہوا چلا: اے خدا اگر یہ بات جو محمدؐ نے کہی ہے حق ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر گرا یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج! چنانچہ یہی ہوا۔ وہ ابھی ناقے تک نہ پہنچا تھا کہ آسمان سے پتھر نازل ہوا اور اسکا سر چیرتا ہوا عمودی طور پر آر پار ہو گیا اور وہ ہلاک ہو گیا جس پر یہ آیت وارد ہوئی:

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ۝ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ۝ مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ (سورۃ معارج)

اس حدیث کو علامہ شبلنجی نے نورالابصار صا، اپرا احوال امیر المومنین میں علامہ حلبی نے سیرۃ حلبیہ کے صفحہ ۲۷۵، جلد ۳ میں احوال حجۃ الوداع میں تحریر کیا اور اس نزول کو مندرجہ ذیل مفسرین نے تسلیم کیا:

۱:۔ علامہ ثعلبی تذکرہ خواص الامۃ
۲:۔ کتاب الاکتفار علامہ زرندی
۳:۔ ہدایت السعداء شہاب الدین دولت آبادی
۴:۔ کتاب اربعین جمال الدین محدث
۵:۔ نورالابصار۔ مومن شبلنجی
۶:۔ شرح تحفۃ العلویہ محمد بن اسمٰعیل
۷:۔ "جواہر" نورالدین سمہودی
۸:۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر محمود بن محمد انصاری
۹:۔ مستدرک: حاکم۔ جلد ۲
۱۰:۔ "صواعق محرقہ: حجر مکی

بعض تو ایسے، جیسا حارث ابن نعمان کر کے مہر عروج کی تاب نہ لا سکے اور انہوں نے حسد کی آگ میں جلنے کی نسبت مر جانا قبول کر لیا اور بعض ایسے تھے جنہوں نے مر جانے کی نسبت اس آگ میں جلنا اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے جلنے کا سامان یوں کیا کہ حکم رسول کی تاویلیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مولا کے معنی دوست وغلام کے ہیں لغت عربی میں مولا کے معانی کی مختلف جہتیں ہیں مگر درج ذیل صورتوں سے خالی نہیں۔

جار (ہمسایہ) مُعتَق (آزاد کردہ) معتِق (آزاد کنندہ) حلیف (ہم عہد) ابن عم (چچازاد بھائی) وارث (حصہ وارث کے کل) صدیق (نہایت سچا/دوست) ناصر (مددگار) مالک (ملکیت رکھنے والا کسی چیز کا) مطاع (جس کی اطاعت کی جائے)

زیر بحث لفظ کی ان تمام صورتوں پر غور کیجئے۔

۱:۔ رسول اللہ کی ہمسائگی امت میں سب کے لئے ثابت نہیں ہوسکتی۔

۲:۔ حضرت علی پہلے ہی حُر تھے لہٰذا اس اعلان کے بعد ان کی آزادی کیا معنی رکھتی ہے؟

۳:۔ آزاد کنندہ ہونا، کوئی ایسی تعریف نہیں جو اس موقع پر اظہار کا کوئی قرینہ رکھتی ہو۔ کیوں کہ سارے مسلمان غلام تھے جن کو پیغمبر نے آزاد کیا ہو کہ علی ان سب کے آزاد کنندہ قرار پائیں۔

۴:۔ "ہم عہد" اور حلیف، تسلیم و توحید کے مقابلے میں تو سبھی مسلمان تھے۔

۵:۔ رسول کے لئے حضرت علی چچازاد بھائی تو تھے لیکن امت اس رشتے میں شامل کیوں کرے۔

۶:۔ رسول کی وراثت میں پوری امت کا شریک ہونا، مثل علی، کوئی معنی نہیں رکھتا۔

۷:۔ صدق اور نصرت میں مدارج حسب کے مختلف تھے۔ وہ سب کے سب ایک ہی حکم میں کیوں داخل ہوسکتے تھے۔ لہٰذا، مالک اور مطاع کے معانی ہی قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں۔ ان دونوں معانی کی اساس مالک اور مطاع کے اولیٰ ہونے پر قائم ہے۔

چنانچہ ابوداؤد طیالسی کی روایت سے بھی یہی معنی مستخرج ہوتے ہیں، انہوں نے "استیعاب" میں بسلسلہ 'مناقب علی' فرمایا، رسول اللہ نے حضرت علی سے کہا "تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو"

معنی ولی کی ایک ایسی ہی حدیث عمران بن حصین سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں،

"علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں"

(مسند احمد، بسلسلہ حدیث عمران، جلد ۴، ص: ۴۳۸ مستدرک حاکم، جلد ۳ ص: ۱۱۱۔ کنز العمال علامہ متقی جلد ۶، ص: ۴۰۰) کم و بیش ایسی ہی ایک روایت مسند احمد جلد ۵، ص: ۳۵۶ پر، ابوہریرہ سے مروی ہے، حضورؐ نے فرمایا، خبردار۔ علی کے بارے میں کچھ نہ کہنا، علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور علی میرے بعد تم لوگوں کے ولی ہیں" (مسند احمد، جلد ۵، ص: ۳۵۶)

اس روایت کو امام احمد نے مسند احمد بن حنبل جلد ۵ کے ص۳۵۶ کے علاوہ ص۳۴۷ پر سعید بن جبیر سے بھی روایت کیا ہے۔ سعید نے ابن عباس سے اور ابن عباس نے ابن بریدہ سے، ابن بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے اسی انداز سے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا، کیا میں تمام مومنین کی جانوں کا مالک نہیں؟ بریدہ نے کہا بے شک! آپ نے فرمایا جس کا میں

مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں ۔ امام حاکم نے مستدرک جلد ۳ کے ص : ۱۰ پر بھی اس حدیث کو پایں خیال رقم کیا ہے۔

جمال الدین بن فضل اللہ المحدث نے "الاربعین" میں جو حدیث لکھی ہے، اس سے بھی مولا کے معانی کی یہی تشریح سامنے آتی ہے۔

ایک روز چند عمامہ پوش تلواریں لٹکائے گھوڑوں پر سوار جن کے چہروں سے سفر کی تھکان ظاہر تھی جناب امیرؑ کے پاس آئے اور سلام میں کہا : "السلام علیک یا مولانا" جناب امیر نے جواب سلام دیا اور مجمع میں موجود لوگوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگے : جناب رسول خدا کے ساتھیوں میں اس وقت وہ کون کون ہے جس نے ان سے سنا ہو کہ جس کا میں مولا ہوں، پس اس کا علی مولا ہے" مجمع میں اس وقت بارہ آدمی تھے :

(۱) خالد بن زید (۲) ابوایوب انصاری (۳) خزیمہ بن ثابت (۴) ثابت بن قیس بن شماس (۵) عمار بن یاسر، (۶) ابوالہیثم (۷) ہاشم بن عتبہ (۸) سعد بن ابی وقاص (۹) حبیب بن بدیل بن ورقا (۱۰) ابوہریرہ (۱۱) انس بن مالک (۱۲) براء بن عازب سب نے گواہی دی ۔ مگر انس اور عازب نے گواہی نہیں دی ۔ جناب امیر نے فرمایا، تم دونوں نے کیا ایسا نہیں سنا پھر جناب امیر نے کہا اگر تم نے عناد کی وجہ سے ایسا کیا ہے تو بلائے ناگہانی میں مبتلا ہوگے ۔ چنانچہ یہی ہوا ۔ اور براء بن عازب اندھے ہوگئے اور انس کو برص کا مرض لاحق ہوا اور وہ باقی زندگی اس عیب کو چھپانے کیلئے چہرے پر برقع ڈالے رہتے۔

(تخریج، جمال الدین عطا اللہ بن فضل اللہ المحدث " فی الاربعین" بحوالہ ارجح المطالب باب ۴ ص : ۲۱۵)

مسند احمد میں ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس موقع پر شریک افراد کی تعداد ۱۳ درج کی گئی ہے اور احمد بن یحییٰ نے فی انساب الاشراف" میں عمیر بن سعد سے نقل کرتے ہوئے اس مجمع میں ایک اور شخص جریر بن عبداللہ کا نام بھی لیا ہے جو اس واقع کے بعد ذہنی طور پر بہک گئے تھے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ان مغضوب لوگوں میں ابن ودلیہ اور عبدالرحمان بن مدیح کا نام بھی شامل کیا ہے۔

لہٰذا یہاں مولا کے معنی غلام یا دوست کیوں کر ہوسکتے ہیں لفظوں کی اس تعبیر کو کوئی بھی صاحب عقل جس میں ذرہ برابر بھی فہم و ذکاوت ہے، بے معنی سمجھے گا۔

کیا قرآن مجید کی آیت بلّغ کی تکمیل ، مولا کے انہی معنوں سے سرانجام کو پہنچے گی ۔ کیا آیت کے لب ولہجے کا مکمل تاثر اس اعلان کے انہی معنوں سے اخذ کیا جاسکتا ہے ؟

بغیر منزل کے قیام کرنا ۔ اس سخت دھوپ اور تپتی ریت پر تقریباً ایک لاکھ انسانوں کو دوپہر کے وقت ٹھہرانا ۔ گرمی بھی وہ گرمی کہ ریت پاؤں کو جھلسا دے ۔ یہ اہتمام خاص کرنا ، امہات المومنین اور اصحاب جلیل القدر کا علی کے پاس آکر مبارک کہنا .... کیا یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ علی تمہارے دوست ہیں ۔ علی کب دوست نہ تھے ۔ علی کی دوستی میں

مومنوں کو شک کب تھا اور پھر علی پر ہی کیا موقوف، سب مومنین ایک دوسرے کے دوست تھے۔ آخر یہ علی کی انفرادیت کیوں؟ دراصل بات کچھ اور ہی تھی۔

لوگوں سے پہلے اقرار کروالیا کہ جس طرح خدا میرا مولا، میں تمہارا مولا۔ اور ایسا مولا کہ خود تمہارے نفسوں سے بھی تمہارے لئے اولیٰ۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح میرا مولا خدا، اور میں تمہارا مولا ہوں، اسی طرح علی تمہارے مولا ہیں۔ یہ اعلان دراصل 'ولایت علی پر مہر نبوت' کا اثبات تھا۔ اب کوئی کتنی ہی تاویلیں کرے۔ محبت علی محبت رسول کی طرح فرض ہوگئی۔ اور جس طرح حب رسول سے مغفرت لازم ہے ولائے علی بھی اسی طرح گناہوں کو مٹائے گی اور سچی محبت اُن کی گناہوں کو اس طرح کھائے گی جس طرح آگ خشک لکڑی کو جلا دے۔

علمائے حدیث نے حدیث ثقلین اور حدیث ولایت (مولائیت علی) کو باعتبار حکم، ہم معنی قرار دیا ہے گویا اہلبیت اور قرآن کی پیروی مسلمانوں پر واجب ہے۔ یہ کوئی ضعیف اور مقطوع احادیث بھی نہیں ایک سو بیس سے زیادہ صحابیوں نے انہیں مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔ حدیث ولایت اور واقعہ غدیر خم کو امام المحدثین حافظ ابن عبدہٗ نے ایک سو صحابہ سے، امام جزری نے ۸۰ صحابہ سے، امام حنبل نے ۴۰ صحابہ سے اور طبری نے ۷۵ صحابہ سے ان احادیث کو روایت کیا ہے۔ ذہبی، صنعانی اور ملا علی نے انہیں متواتر بتایا ہے۔ (ابوالفدا: ص۱۲۹)

حج کے موقعے پر بھی یہی کہا، سفر طائف سے واپسی کے وقت بھی یہی اعلان فرمایا بستر علالت پر، آخری لمحوں میں بھی یہی حکم دیا:

تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے عترت و اہل بیت ان سے تمسک رکھنا پھر آپ نے حضرت امیر المومنین کا ہاتھ پکڑ کے بلند کیا اور فرمایا کہ دیکھو یہ علی ہیں، یہ قرآن کے ساتھ اور قرآن ان کے ساتھ۔ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔" (ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ : سطر آخر)

اس حدیث کے ذیل میں ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ چوں کہ اس حدیث کو ۲۰ سے زیادہ صحابیوں نے روایت کیا اور یہ بکثرت طریقوں سے مروی ہے اور کسی ایک مقام پر اس کے حدوث کا تعین مقرر لفظوں میں نہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظمت اہل بیت کا ذکر بہ تکرار چاہتے ہوں تاکہ اگر کسی نے ابتک نہ سنا ہو تو اب سن لے۔ (صواعق محرقہ ص: ۸۹ باب ۱۱ فصل اوّل)

اور یہ بھی فرمایا: تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان سے محبت کروگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک کتاب خدا، جو ایک رسّی ہے آسمان سے زمین تک کھنچی ہوئی دوسرے میرے اہل بیت یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔ دیکھنا میرے بعد تم ان سے کیوں کر پیش آتے ہو۔ (کنز العمال: جلد اول، ص ۴۴)

مسلمانوں نے امیر المومنین کی بیعت ۳۵ھ کے زمانے میں کی اور واقعہ غدیر ۱۰ھ میں پیش آیا ۲۵ برس (تقریباً چوتھائی صدی)

کے اس عرصے میں کتنی اموات ہوئی ہوں گی کتنے لوگ وباؤں کا شکار ہوئے ہوں گے۔ کتنی لڑائیاں لڑی گئیں اور لوگ ہلاک ہوئے ہوں گے، خلافت اول تا ثالث، فرمانروایان اسلام نے توسیع مملکت کی خاطر، کتنی ہلاکت آفریں جنگیں لڑیں کتنے خون بار معرکے سر کئے اور پھر خود عہد خلافت علویہ میں باہمی جنگ آزمائیوں میں مسلمانوں کا کتنا خون بہا کہ دریاؤں کا پانی خون مسلم کی ارزانی سے سرخ ہوگیا۔ کتنے بوڑھے تھے جو گذر گئے گویا مرنے والوں کی نسبت زندہ رہ جانے والوں کی تعداد کوئی ایسی زیادہ بھی نہ ہوگی۔ اور جو ہوں گے بھی ان میں سے کتنے کوفے میں ہوں گے منتشر و متفرق ہوں گے لیکن جب ایک روز کوفے میں حضرت علی نے قسم دے کر مسلمانوں کے ایک مجمع سے کہا کہ میں قسم دیتا ہوں جس نے یوم غدیر خم، رسول کو بر سر منبر اعلان کرتے دیکھا ہو اور جو سُنا ہو اسکی گواہی دے تو حضرت کے کہنے پر ۳۰ صحابہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سب نے گواہی دی کہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر کہا کہ جس کا میں مولا ہوں یہ علی بھی اسکا مولا ہے۔ لہٰذا صرف انہی صحابہ کو اگر معتبر مان لیا جائے تو اس حدیث کا متواتر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ ضروری نہیں کہ اس مجمع کا ہر شخص قسم کا لحاظ دار بھی ہو۔ ممکن ہے بعض کو بغض علی نے نہ اٹھنے دیا ہو اور گواہ حدیث غدیر اس موقع پر اور بھی ہوں، جیسے انس بن مالک۔

انس بن مالک کا واقعہ بھی عجیب ہے رحبہ کے اس مقام پر مسلمانوں کے گروہ سے جب جناب امیر نے اپنی ولایت کی گواہی چاہی اور کچھ لوگ کھڑے ہوئے انگواہی بھی دی۔ مگر بعض ان میں سے ایسے نظر آئے کہ حضرت امیرؑ انہیں جانتے تھے کہ وہ مقام غدیر خم پر موجود تھے۔ لہٰذا حضرت امیرؑ نے ان میں سے ایک انس بن مالک سے پوچھا: کیوں انس تم نے روز غدیر پیغمبر کے ارشادات نہیں سُنے۔ وہ بولے: حضور میں بوڑھا ہوگیا ہوں ٹھیک سے یاد نہیں رہا۔ جناب امیرؑ نے کہا، اگر سچ ہے تو فبہا اور اگر جھوٹ بولے ہو تو خدا تمہیں ایسے داغ لگا دے کہ جسکو عمامہ بھی اگر چھپانا چاہے تو نہ چھپا سکے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ یہ تمام واقعہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو ص: ۱۹۴ (امام احمد نے مسند جلد اول، ص: ۱۱۹ پر اس سلسلے میں جو روایت بیان کی ہے اس سے بھی اس واقع پر روشنی پڑتی ہے)

خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز حدیث غدیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

اصل	ترجمہ
باتفاق شیعہ وسُنّی ایں حدیث ثابت است	اس حدیث پر شیعہ سُنّی کا اتفاق ہے کہ پیغمبر
کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود:	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انی تارکٌ فیکم الثقلین ما	اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہوگے تو
ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔	گمراہ نہ ہوگے میرے بعد۔
احدھما اعظم من الآخر	اور ہر ایک ان دونوں میں سے، ایک دوسرے سے

کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی۔ پس معلوم شد کہ در مقدمات دینی و احکام شرعی مارا پیغمبر حوالہ بایں دو چیز عظیم القدر فرمودہ است پس مذہبے کہ مخالف ایں دو باشد در امور شرعیہ عقیدۃً وعملاً باطل و نامعتبر است و ہر کہ انکار ایں دو بزرگ نماید گمراہ و خارج از دین است

برتر ہے اور وہ خدا کی کتاب اور میری عترت ہے پس معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں پیغمبر نے ہم کو ان دونوں عظیم القدر چیزوں کے حوالے کیا۔ پس جو مذہب ان دونوں کے خلاف ہو وہ احکام شریعت میں عقیدۃً اور عملاً باطل اور غیر معتبر ہے اور جو کوئی ان دونوں بزرگ چیزوں سے انکار کرے وہ گمراہ اور دین سے خارج ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص۱۲۹ فخر المطابع)

حدیثِ غدیر پر مستقل کتابیں ۲۶ کتابیں

استشناد و اسناد و استشہاد "غدیر" پر بہت سی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں انمیں سے چند یہ بھی ہیں :۔

(۱) — ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبری الآملی (۲۲۴ھ — ۳۱۰ھ) انہوں نے (کتاب الولایۃ فی طرق حدیث الغدیر لکھی ہے جس میں تقریباً (۷۰) طریقوں اور اسناد سے روایت کی ہے معجم الادبار دہلوی ج ۱۸ ص ۸۰ اور ۸۴ میں اسکا تذکرہ ہے اور لکھا ہے کہ بعض شیوخ بغداد نے اعتراض کیا تھا کہ جب آنحضرت غدیر خم میں تھے تو حضرت علی یمن میں تھے۔ ذہبی نے طبقات ج ۲ ص ۲۵۴ میں لکھا ہے کہ میں اس کتاب کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دوسرے علماء نے بھی اس کتاب کی مدح کی ہے۔

(۲) — ابو العباس احمد بن محمد بن سعید الہمدانی المعروف بہ حافظ ابن عقدہ نے (متوفی ۳۳۳ھ) کتاب الولایۃ فی طرق حدیث (الغدیر) جسمیں ۱۰۵ طریقوں اور اسناد سے روایت کی ہے اس کتاب سے بڑے بڑے علماء نے روایات نقل کی ہیں مثلاً : ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ابن حجر نے الاصابۃ میں ابن حجر نے اس کی ستائش بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ اسکی اکثر اسناد صحیح اور حسان ہیں۔ ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ یہ نفیس کتاب جس پر شیخ طوسی اور دیگر شیوخ الاسلام کی تحریریں ہیں میرے پاس موجود ہے۔

(۳) — ابو بکر محمد بن عمر بن سالم التمیمی البغدادی المعروف بالجعابی (متوفی ۳۵۵ھ) ان کی کتاب کا نام (من روی حدیث غدیر خم) ہے نجاشی نے صفحہ ۲۸۱ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ضیاء العالمین میں لکھا ہے کہ انہوں نے مختلف المناقب میں (۱۲۵) طریقوں سے حدیث غدیر نقل کی ہے۔

(۴) — ابوطالب عبیداللہ بن احمد بن زید الانباری الواسطی (متوفی ۳۵۶ھ) انکی کتاب کا نام (طرق حدیث الغدیر) ہے فہرست نجاشی ص ۱۶۱۔

(۵) — ابوطالب احمد بن محمد بن محمد الزراری (متوفی ۳۶۸ھ) انہوں نے خطبۃ الغدیر پر ایک رسالہ لکھا ہے اپنے پوتے ابی طاہر رازی کے لئے۔

(۶) — ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب الشیبانی (متوفی ۳۷۲ھ) کی کتاب (من روی حدیث غدیر خم) ملاحظہ ہو فہرست نجاشی ص ۲۸۲۔

(۷) — حافظ علی بن عمر الدارقطنی البغدادی (متوفی ۳۸۵ھ) کنجی شافعی نے کفایہ ص ۱۵ میں لکھا ہے کہ حافظ دارقطنی نے طرق حدیث غدیر ایک جزو میں جمع کئے ہیں۔

(۸) — شیخ محسن بن حسین بن احمد نیشاپوری خزاعی کی کتاب (بیان حدیث غدیر) ملاحظہ ہو فہرست شیخ منتخب الدین۔

(۹) — علی بن عبدالرحمن بن عیسیٰ بن عروۃ الجراح القناتی (متوفی ۴۱۳ھ) کی کتاب (طرق خبر الولایۃ) ہے۔ فہرست نجاشی ص ۱۹۲۔

(۱۰) — ابوعبداللہ الحسین بن عبیداللہ ابن ابراہیم الغضایری (متوفی ۴۱۱ھ) کی کتاب (یوم الغدیر) ہے۔ فہرست نجاشی ص ۵۱

(۱۱) — الحافظ ابوسعید مسعود بن ناصر بن ابی زید السجستانی (متوفی ۴۷۷ ہجری) کی کتاب (الدرایۃ فی حدیث الولایۃ) ہے (۱۷) جلدوں میں جسمیں ۱۲۰ صحابہ سے حدیث غدیر کی روایت کی گئی ہے مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۵۲۹ سید ابن طاؤس کتاب اقبال ص ۶۶۳

(۱۲) — ابوالفتح محمد بن علی بن عثمان الکراجکی (متوفی ۴۴۹ھ) کی کتاب (عدۃ البصیر فی حج یوم الغدیر) ہے کتاب مستدرک ج ۳ ص ۴۹۸ میں علامہ نوری نے لکھا ہے کہ دوسو صفحے کی اس کتاب میں یوم غدیر اثبات امامت امیرالمومنین ہے جو کافی ہے اور طرابلس میں ابی الکتائب عمار کے لئے لکھی گئی ہے۔

(۱۳) — علی بن بلال بن معاویہ بن احمد مہلبی کی کتاب الغدیر۔ فہرست شیخ طوسی ص ۹۶۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۱ ص ۵۲۹۔ معالم ص ۵۹۔

(۱۴) — شیخ منصور اللائی الرازی کی کتاب (حدیث الغدیر) بترتیب حروف راویوں کا ذکر ہے مناقب ج ۱ ص ۵۲۹ و شیخ ابوالحسن فی ضیاء العین۔

(۱۵) — شیخ علی بن حسن الطاطری الکوفی کی کتاب (کتاب الولایۃ) فہرست شیخ الطائفہ ص ۹۲۔

(۱۶) — ابوالقاسم عبیداللہ الحسکانی کی کتاب (دعاۃ الهداۃ الی اداء حق الموالاۃ) اقبال ابن طاؤس ص ۶۶۳ نیز ضیاء العالمین۔

(۱۷) ـــ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کی کتاب (طریق حدیث الولایۃ) تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۱

(۱۸) ـــ شمس الدین محمد بن محمد الجزری الدمشقی الشافعی (متوفی ۸۳۳ھ) رسالہ در تواتر حدیث غدیر بنام (اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابیطالب جس میں (۸۰) طریقوں سے حدیث درج کی ہے اور انکار کرنے والے کو جاہل اور متعصب لکھا ہے یعنی دی فی الضوء اللامع موجود در کتب خانہ صاحب عبقات الانوار لکھنؤ۔

(۱۹) ـــ المولٰی عبد اللہ بن شاہ منصور القزوینی معاصر صاحب الوسائل کی کتاب (الرسالۃ الغدیریۃ) امل الآمل۔

(۲۰) ـــ السید حامد حسین بن السید محمد قلی الموسوی النیسابوری الکہنوی (متوفی ۱۳۰۶ھ) کی کتاب (عبقات الانوار فی امامۃ آئمۃ الاطہار) کی دو ضخیم مجلدات (غدیر) جن میں (۱۸۰۰) صفحات میں ہر پہلو پر جامع و مانع بحث کی گئی ہے۔ علامہ امینی صاحب کتاب الغدیر نے لکھا ہے کہ ھو سیف من سیوف اللہ المشہورۃ علی اعدائہ ورایۃ ظفر الحق والدین وآیۃ کبریٰ من آیات اللہ قد اتم بہ الحجۃ واوضح المحجۃ وذلک الکتاب المعجز المبین الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (یعنی علامہ حامد حسین الموسوی دشمنوں کے لئے اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار ہیں وہ حق اور دین کی فتح کا پرچم ہیں اور اللہ کی بہت بڑی نشانی ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے حجت تمام کردی ہے اور راہ حق روشن کردی ہے اور ان کی کتاب معجز نما اور ظاہر ہے کہ باطل نہ اس کے سامنے آسکتا ہے نہ اس کے عقب میں) اس کے علاوہ عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء اور محققین نے صاحب عبقات کے قلم کو "ذوالفقار حیدری" سے تشبیہ دی ہے۔ عبقات الانوار وہ مستند اور مستحکم کتاب ہے جس کے لئے علمائے اہل سنت نے اعتراف کیا ہے کہ جب تک کتب احادیث و تفسیر و رجال و کلام اہل سنت موجود ہیں اس کتاب کا جواب دینا ناممکن ہے جو امامت آئمہ اطہار کی مستند "دائرۃ المعارف" ہے اور مسئلہ ولایت و امامت پر ہر شبہ کا ناقابل تردید جواب ہے۔ اور جس سے لاتعداد مسلمانوں نے ہدایت حاصل کی ہے اور یہ مختصر سا مقالہ اسی کی ایک معمولی سی جھلک ہے!

(۲۱) ـــ مولانا سید سبط الحسن جائسی لکھنوی کی مختصر کتاب کا نام (حدیث غدیر) ہے جو مطبع نظامی سے شائع ہوا ہے۔ مولانا سبط الحسن صاحب قبلہ آل صاحب عبقات کے شاگرد اور خوشہ چیں تھے۔

(۲۲) ـــ سید مہدی بن سید علی الغریفی البحرانی النجفی (متوفی ۱۳۴۳ھ) کی کتاب (حدیث الآیۃ فی الغدیر) ہے مآثر الدرر بعد۔

(۲۳) ـــ الحاج شیخ عباس بن محمد رضا القمی (متوفی ۱۳۵۹ھ) کی کتاب (فیض القدیر فی حدیث الغدیر) ہے۔

(۲۴) ـــ سید مرتضیٰ حسین الخطیب فتحپوری ہندی کی کتاب (تفسیر التکمیل) ہے مطبوعہ ہند۔

(۲۵) ـــ شیخ محمد رضا ابن الشیخ الطاہر آل فرج اللہ النجفی کی کتاب (الغدیر فی الاسلام) ہے مطبوعہ نجف اشرف۔

(۲۶)___ الحاج سید مرتضیٰ الخسروشاہی المعاصر کی کتاب (اهداء الحقیر فی معنی حدیث الغدیر) ہے مطبوعہ عراق۔

(۲۷)___ علامہ احمد الحسینی النجفی کی کتاب (الغدیر) ۱۴ جلدوں میں ہے جس میں اسناد و طرق حدیث غدیر کے علاوہ (۱۴) سو سال کے عظیم شعراء کے اشعار متعلق بہ غدیر اور دوسرا ایسا قیمتی مواد جمع کر دیا گیا ہے جو " دائرۃ المعارف عقائد شیعہ " کہا جا سکتا ہے۔ کتاب بار بار عراق اور ایران میں چھپی ہے اور اردو کی اسکی پہلی جلد کا ترجمہ میرے استاد مولانا شیخ محمد مصطفےٰ جوہر صاحب قبلہ نے کیا ہے اور چھپنے والا ہے۔ کتاب الغدیر کی عظمت کا اعتراف عرب ممالک کے سربراہان مملکت اور عظیم علماء نے بھی کیا ہے اور ان کے خطوط اسکی مختلف جلدوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

(۹) حافظ الفرج جوزی حنبلی۔ م ۵۹۷ھ (اتفاق علماء ہے) (۱۰) سبط ابن جوزی حنفی۔ م ۶۵۴ھ (یہ سب روایات امام احمد کی صحیح ہیں) (۱۱) ابن ابی الحدید معتزلی ۶۵۵ھ۔ اہل سنت میں عام طور سے مشہور ہیں) (۱۲) حافظ کنجی شافعی۔ م ۶۵۸ھ۔ (مشاہیر معتبرین نے کثرت سے روایت کی ہے) (۱۳) شیخ سمنانی۔ م ۷۳۶ھ۔ (اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے) (۱۴) شمس الدین ذہبی شافعی۔ م ۷۴۸ھ۔ (حدیث متواتر ہے) (۱۵) حافظ عماد الدین ابن کثیر شامی۔ م ۷۷۴ھ (یہ حدیث صحیح ہے) (۱۶) حافظ نور الدین الہیثمی۔ م ۸۰۷ھ۔ (سب راوی معتبر ہیں) (۱۷) شمس الدین جزری شافعی۔ م ۸۳۳ھ۔ (حدیث کے تواتر میں رسالہ لکھا ہے) (۱۸) حافظ ابن حجر عسقلانی۔ م ۸۵۲ھ۔ (ستر صحابیوں سے صحیح اور حسن حدیث ہے) (۱۹) ابوالخیر شیرازی شافعی (صحاح میں یہ حدیث ثابت ہے) (۲۰) جلال الدین سیوطی۔ م ۹۱۱ھ۔ (یہ حدیث متواتر ہے) (۲۱) حافظ قسطلانی م ۹۲۳ھ۔ (اسکی اسناد صحیح اور حسن ہیں) (۲۲) ابن حجر مکی۔ م ۹۷۴ھ۔ صواعق محرقہ میں اسکو حدیث صحیح تسلیم کیا ہے (۲۳) جمال الدین شیرازی۔ م ۱۰۰۰ھ۔ حدیث متواتر ہے) (۲۴) جمال الدین حنفی۔ م (حدیث صحیح ہے متعدد صحابہ نے گواہی دی ہے) (۲۵) نور الدین القاری الحنفی۔ م ۱۰۱۴ھ۔ (متواتر ہے) (۲۶) زین الدین مناوی شافعی۔ م ۱۰۳۱ھ۔ (اکثر اسانید صحیح اور حسن ہیں) (۲۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ م ۱۰۵۲ھ (بلاشک یہ حدیث صحیح ہے) (۳۰) شیخ محمود قادری (یہ روایت صحاح میں ہے اور صحیح ہے) (۳۱) محمد البرزنجی الشافعی م ۱۱۰۳ھ یہ مختلف اسناد سے صحیح ہے۔ شیعہ اس کو امامت علی پر نص جلی مانتے ہیں) (۳۲) ضیاء الدین تعبلی۔ م ۱۱۰۰ھ۔ (متواتر ہے) ۔ (۳۳) شیخ محمد صدر العالم (سیوطی کے نزدیک حدیث متواتر ہے) (۳۴) حمزہ حرانی دمشقی حنفی م ۱۱۲۰ھ۔ (حدیث متواتر ہے) (۳۵) زرقانی مالکی۔ م ۱۱۲۲ھ۔ جو اس حدیث کو نہیں مانتے وہ قابل اعتناء نہیں ہیں) (۳۶) شہاب الدین الحفظی۔ (اس حدیث میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے) (۳۷) مرزا محمد بدخشی (یہ حدیث صحیح اور مشہور ہے اس سلسلہ میں کسی نے انکار نہیں کیا ہے مگر متعصب اور اہل عناد نے جن کا

کوئی اعتبار نہیں ہے) (۳۸) مفتی غلام عماری حنفی ۔م ۱۱۶۷ھ (حدیث متواتر ہے) (۳۹) ابن عثمان الشافعی۔
م ۱۲۰۶ھ ۔ (تیئیس صحابیوں سے بطریق صحیح و حسن مروی ہے) (۴۰) سید محمد اکبری بغدادی ۔م ۱۲۱۷ھ ۔
(متواتر ہے) (۴۱) محمد الحوت البیروتی الشافعی ۔م ۱۲۷۶ھ ۔ (اصحاب سنن نے صحیح روایت نقل کی ہے) (۴۲)
مولوی ولی اللہ لکھنوی (متعدد اسناد سے حدیث صحیح ہے جن میں ترمذی اور نسائی بھی ہیں) (۴۳) حافظ
شہاب الدین الحفظری (متواتر حدیث ہے)

(واضح باد کہ حدیث متواتر کا نہ ماننا علمائے اسلام کے نزدیک بمنزلہ کفر ہے ۔ مترجم)

اسلام میں عید غدیر

تاریخ کے طالب علم کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ "عید غدیر" کا تعلق محض شیعوں ہی سے نہیں ہے اگرچہ شیعوں کا اس سے خاص تعلق رہا ہے چنانچہ البیرونی نے الآثار الباقیہ فی القرون الخالیہ ص ۳۳۴ میں اس کو اہل اسلام کی عیدوں میں شمار کیا ہے ۔ نیز ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص ۵۳ میں یوم غدیر خم کیلئے لکھا ہے کہ یہ دن روز عید ہوگیا اس لئے اس دن آنحضرت نے علی مرتضیٰ کو اوروں پر ترجیح دیکر ایسی بلند منزلت عطا کی ص ۵۶ پر انہوں نے لکھا ہے کہ لفظ "مولیٰ" کے جو معنی بھی آنحضرت کے لئے ہوں وہی آپ نے علی مرتضیٰ کے لئے قرار دیئے اور یہ بڑی بلند منزل ہے جو کسی اور کو نہیں ملی میں اس لئے یہ دن ان کے اولیاء کے لئے عید کا دن اور خوشی کا موسم ہوگیا ۔ چونکہ تمام مسلمان اپنے کو دوستداران علی میں خیال کرتے ہیں خواہ ان کو خلیفہ بلا فصل سمجھنا یا چوتھا خلیفہ اور سوائے خوارج کے جن کو سب مسلمان مردود سمجھتے ہیں اس لئے بقول ابن طلحہ یہ عید مسلمین ہوئی۔

کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ مشرق و مغرب میں مصر اور شمالی افریقہ میں عراق میں گزشتہ زمانے میں یہ عید کتنے اہتمام سے منائی جاتی تھی۔ وفیات ابن خلکان ج ۱ ص ۶۰ ۔میں لکھا ہے کہ "مستعلی ابن مستنصر کی روز عید غدیر خم یعنی ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ بیعت کی گئی " اسی طرح ج ۲ ص ۲۲۳ ۔میں وفات مستنصر باللہ کے لئے لکھا ہے کہ " اولاد علی اور آپ کے شیعہ اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں" اسی طرح ثعالبی نے ثمار القلوب ص ۵۱۱ میں شب عید غدیر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ دوستداران محمدؐ و آل محمدؐ اس رات تا صبح عبادت کرتے ہیں تمیم ابن معز متوفی ۳۷۴ھ نے اپنے قصیدہ مشمولہ کتاب دمیۃ القصر ص ۳۸ میں کہا ہے حسن کحسن لیالی غدیر (زینت کی غدیر کی راتوں کی سجاوٹ کی طرح)

اس عید کی بنیاد عہد رسول میں پڑی جب روز غدیر حضرت ابوبکر و عمر اور ہزارہا صحابہ نے علی مرتضیٰ کو

مبارکباد دی اور شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت انصاری نے اپنا مشہور قصیدہ سنایا۔ اور آنحضرتؐ نے تمام حاضرین غدیر بشمول امہات المومنین کو علی مرتضیٰ کے پاس جانے اور ولایت کی مبارکباد دینے کا حکم دیا۔

حدیث تہنیتہ :-

امام محمد بن جریر طبری نے کتاب الولایت میں زید بن ارقم کی روایت سے (ص ۲۱۴-۲۱۶) یہ حدیث نقل کی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:

اے لوگو! کہو کہ ہم نے (ولایت علی پر) عہد و میثاق کیا اپنی زبانوں سے اور بیعت کی ہاتھ سے اور ہم یہ عہد اپنی اولاد اور اپنے اہل تک پہنچائیں گے اور اس کا کوئی عوض نہیں چاہیں گے اور خدایا تو گواہ ہے اور خدا کی گواہی کافی ہے۔ اور میں نے جو کچھ کہا ہے وہ دھراؤ اور علی کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو! اور کہو کہ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ .... پھر فرمایا کہ اللہ ہر آواز اور ہر سرگوشی کو سنتا ہے اور دلوں میں پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے پس جو عہد شکنی کرے گا وہ اپنے خلاف کرے گا اور جو خدا کے عہد کی پابندی کرے گا تو اللہ اس کو اجر عظیم دے گا۔ وہ بات کہو جس سے خدا راضی ہو اور اگر کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے! "

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ یہ سن کے لوگوں نے کہا سمعنا و اطعنا علی امر اللہ ورسولہ بقلوبنا اور اس کے بعد سب سے پہلے رسول کے ہاتھ پر عہد کرنے والوں میں علی تھے پھر ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر اور باقی مہاجرین و انصار نے عہد کیا اور بیعت کی تا اینکہ ایک ہی وقت میں ظہر و عصر کی نماز ہوئی پھر ایک ہی وقت میں مغرب و عشا کی نماز ہوئی اور سلسلہ بیعت جاری رہا۔

یہی روایت احمد بن محمد طبری خلیلی نے کتاب مناقب علی بن ابی طالب (تالیف ۴۱۱ھ) میں لکھی ہے۔

یہی روایت کتاب النشر والطی میں ہے۔ مولوی ولی اللہ لکھنوی کی کتاب مرآت المومنین میں حضرت عمر کی شخصیت کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ "جو صحابی ملتا تھا وہ مبارکباد اے امیر المومنین" کہتا تھا۔ روضۃ الصفا جزء ثانی جلد ۱ ص ۱۷۳ میں حدیث غدیر کے بعد لکھا ہے کہ: اس کے بعد ایک خاص خیمہ میں آنحضرتؐ تشریف فرما ہوئے اور علی مرتضیٰ کو ایک الگ خیمہ میں بیٹھنے کا حکم دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ علی کو ان کے خیمہ میں جا کر مبارکباد دیں اس کے بعد امہات المومنین کو بھی جا کر مبارکباد دینے کا حکم دیا۔

حبیب السیر میں مورخ غیاث الدین (متوفی ۹۴۲ھ) نے جزء ثالث جلد ۱ ص ۱۴۴ پر یہی روایت لکھی ہے۔

حضرت عمر کی مبارکباد: ۶۰ حوالے :-

واقعہ غدیر اور اعلان ولایت علی مرتضیٰ کے بعد حسب ذیل علماء نے حضرت عمر بن خطاب کے یہ الفاظ مبارکباد

نقل کئے ہیں : "مبارک ہو اے فرزند ابو طالب آپ نے صبح کی اور شام کی اس عالم میں کہ آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ ہو گئے ہیں"

(۱) حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ (متوفی ۲۳۵ھ)
(۲) امام الحنابلہ احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) مسند ج ۴ ص ۲۸۱
(۳) حافظ ابو العباس شیبانی (متوفی ۳۰۳ھ)
(۴) حافظ ابو یعلی (متوفی ۳۰۷ھ مسند ابو یعلی
(۵) حافظ ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) تفسیر طبری ج ۳ ص ۴۲۸
(۶) حافظ ابن عقدہ (متوفی ۳۳۳ھ) کتاب الولایہ ___ الخ ۶۰ علماء و محدثین۔

یہ مبارک باد حکم رسول سے تھی اور یہ بیعت بھی اور یہ خوشی بھی سنت رسول ہے
فرات بن ابراہیم الکوفی نے یہ حدیث رسول نقل کی ہے :
یوم الغدیر افضل اعیاد امتی۔ یوم غدیر میری امت کی عیدوں میں سب سے افضل ہے۔
حافظ خرکوشی نے شرف المصطفےٰ میں امام احمد او ابو سعید الخدری کے وسیلے سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:
هنؤنی هنؤنی ان الله تعالیٰ خصنی بالنبوة وخص اهلبیتی بالامامة فلقی عمر بن الخطاب امیر المومنین فقال طوبی لک یا ابا الحسن اصبحت مولای ومولی کل مومن ومومنة
مجھے مبارکباد دو ! مجھے مبارکباد دو ! اللہ نے مجھے شرف نبوت عطا کیا اور میرے اہل بیت کو امامت عطا کی پس عمر بن الخطاب نے امیر المومنین سے ملاقات کی اور کہا کون آپ کا مثل ہو سکتا ہے اے ابو الحسن آپ تو ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ ہو گئے۔"

جہاں تک آئمہ اہل بیت کا تعلق ہے تو انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اس دن عید منانے کی ترغیب دی۔ اس دن نیک کاموں کا حکم دیا اور اس عید کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے افضل قرار دیا (کافی ثقتہ الاسلام کلینی ج ا ص ۳۰۳) ان بزرگواروں نے روزہ رکھنے اور بکثرت صلوٰۃ بھیجنے اور ظالموں سے علیحدگی کا اعلان کرنے کا بھی حکم دیا ہے (خصال شیخ صدوق۔ مصباح شیخ طوسی وغیرہ)

سوائے بخاری ، مسلم ، واقدی اور ابو داؤد کے تقریباً تمام محدثین نے حدیث ولایت کو روایت کیا ہے :
چنانچہ ذیل میں بالترتیب ان چند آئمہ حدیث اور علماء کے نام درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے اس حدیث ولایت کی تخریج کی :

ابن شہاب الزہری استادِ امام مالک	۱۲۵ھ	احمد بن یحییٰ بلاذری	۲۷۶ھ
محمد ابن اسحاق ثعلبی صاحب السیرت	۱۵۲ھ	عبداللہ بن مسلم دینوری	۲۷۶ھ
ابن راشد ابو عروۃ الازدی	۱۵۴ھ	محمد بن عیسیٰ الترمذی (صاحب الصحیح)	۲۷۹ھ
ابو یوسف اسرائیل بن یونس الکوفی	۱۶۲ھ	احمد بن عمر شیبانی	۲۸۷ھ
شریک بن عبداللہ القاضی	۱۷۷ھ	محمد بن شعیب النسائی (صاحب السنن)	۳۰۳ھ
محمد جعفر المدنی	۱۹۳ھ	احمد بن علی ابو یعلی الموصلی	۳۰۷ھ
الوکیع بن الجراح بن الرواسی	۱۹۷ھ	محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ
عبداللہ بن نمیر ہمدانی	۱۹۹ھ	عبداللہ بن محمد قاسم البغوی	۳۱۷ھ
محمد بن عبداللہ بن ابو احمد	۲۰۳ھ	محمد بن عبد ربہ عمر القرطبی	۳۲۸ھ
یحییٰ بن آدم بن سلیمان الاموی	۲۰۳ھ	سلیمان بن احمد طبری	۳۶۰ھ
امام محمد بن ادریس شافعی المطلبی	۲۰۴ھ	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵ھ
اسود بن عامر بن شاذان الشامی	۲۰۸ھ	ابو عبداللہ الحاکم (صاحب مستدرک)	۴۰۰ھ
عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۰ھ	احمد بن موسیٰ بن مرد ویہ الاصبہانی	۴۱۰ھ
حسین بن محمد المروزی	۲۱۳ھ	احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی	۴۲۷ھ
ابو نعیم الکوفی	۲۱۹ھ	احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
سعید بن منصور الخراسانی	۲۲۷ھ	یوسف بن عبداللہ المعروف عبدالبر	۴۶۳ھ
عبداللہ بن عمر قواریری	۲۳۵ھ	احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
اسحاق بن ابراہیم المعروف ابن راہویہ	۲۳۸ھ	علی بن محمد ابن المغازلی	۴۸۳ھ
امام محمد بن حنبل	۲۴۳ھ	امام محمد غزالی	۵۰۵ھ
اسمٰعیل بن عبداللہ اصفہانی	۲۶۷ھ	الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ
محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی (صاحب السنن)	۲۷۳ھ	محمود بن عمر الزمخشری (صاحب الکشاف)	۵۲۷ھ
ابن عساکر دمشقی	۵۷۱ھ	علی بن محمد حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
امام محمد بن عمر المعروف فخر رازی (صاحب کبیر)	۶۰۶ھ	علی بن محمد بن احمد المعروف ابن صباغ المالکی	۸۵۵ھ
مبارک بن محمد المعروف ابن اثیر الجزری	۶۰۶ھ	محمد بن احمد العینی الحنفی شارح بخاری	۸۵۵ھ
سبط ابن جوزی	۶۵۴ھ	حسین بن معین الدین یزدی المیبذی	۸۷۰ھ

محمد یوسف الکنجی شافعی	۶۵۸ھ	علی بن عبداللہ نورالدین شافعی	۹۱۱ھ
یحییٰ بن شرف نووی	۶۷۶ھ	عبدالرحمٰن ابن ابی بکر المعروف جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
احمد بن عبداللہ محب الدین طبری	۶۹۴ھ	عبدالوہاب بن رفیع الدین	۹۲۲ھ
محمد الاحمد الفرغانی	۶۹۹ھ	علی بن حسام الدین المتقی (صاحب کنز العمال)	۹۷۵ھ
ابراہیم بن محمد الحموینی	۷۲۲ھ	محمد الطاہر (صاحب مجمع البحار)	۹۸۱ھ
احمد بن محمد بن احمد علاء الدولہ	۷۳۶ھ	میرزا مخدوم بن عبدالباقی	۹۹۵ھ
ابن الوردی	۷۴۹ھ	علی بن سلطان محمد الروی (المعروف بہ ملا علی قاری)	۱۰۱۴ھ
محمد الیوسف زرندی	۷۵۴ھ	محمد بن عبدالرؤف بن تاج العارفین	۱۰۳۱ھ
عبداللہ ابن اسعد الیمنی	۷۶۸ھ	محمد بن محمد بن علی الشیخانی القادری	۱۰۴۲ھ
اسمٰعیل بن عمر الدمشقی (ابن کثیر)	۷۷۴ھ	نورالدین الحلبی علی بن ابراہیم	۱۰۴۴ھ
عمر بن الحسن ابو حفص المراغی	۷۷۸ھ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
علی بن شہاب الدین الہمدانی	۷۸۶ھ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم	۱۱۷۶ھ
محمد ابن عبداللہ مقدسی	۷۸۹ھ	مولانا رشید الدین خاں دہلوی	وغیرہم
محمد بن محمد معروف بہ خواجہ پارسا	۸۳۲ھ	مولوی محمد مبین لکھنوی	
محمد بن محمد شمس الدین جزری (صاحب حصن حصین)	۸۳۳ھ	محمد سالم البخاری دہلوی	
احمد بن علی بن عبدالقادر المقریزی	۸۴۵ھ	مولوی ولی اللہ لکھنوی	
شہاب الدین بن شمس الدین دولت آبادی	۸۴۸ھ		

سرزمین ہند کے فاضل جلیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ (لمعات) میں لکھتے ہیں "یہ حدیث صحیح ہے اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور محدثین کی ایک جماعت جیسے کہ ترمذی، نسائی، حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے اسکی تخریج کی ہے اور اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں سولہ صحابیوں نے اسکو روایت کیا ہے اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ اسکو آنحضرت سے ۳۰ صحابیوں نے سنا ہے اور جبکہ اپنے ایام خلافت میں جناب امیر سے تنازع کیا تو ان لوگوں نے اس حدیث کی نسبت گواہی دی اور اسکی سندیں اکثر صحیح اور حسن ہیں جس شخص نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے اس کے قول کا اعتبار نہیں۔" (بہ سند ارجح المطالب صفحہ ۱۹۲/۴)

علامہ سید صفدر حسین نجفی

ولایتِ امیر

یہ امر واضح ترین امور میں سے ہے کہ کسی کام کو انجام دینے کیلئے اس کا علم رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ کام کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو کوئی اس کو اسوقت تک انجام نہیں دے سکتا جبتک وہ اس کا علم نہ رکھتا ہو۔ کام اگر انفرادی نوعیت کا ہے تو اس کا صحیح علم نہ رکھنے سے جو نقصان نتیجتاً ہوگا وہ انفرادی ہوگا لیکن اگر کام اجتماعی نوعیت کا ہے تو نقصان بھی اسی نسبت سے ہوگا۔ اور پھر موخر الذکر صورت میں بھی نقصان کی کمی اور زیادتی بالترتیب اجتماع کی چھوٹائی اور بڑائی پر منحصر ہے مثلاً ایکسیڈنٹ (حادثہ) اپنی غلطی سے اگر ایک سائیکل سوار کو پیش آتا ہے تو سوار اکیلا نقصان اٹھاتا ہے۔ اگر بس کو پیش آتا ہے تو پچاس ساٹھ افراد اور اگر جہاز ہے تو سینکڑوں مسافروں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اب اگر زندگی کے مختلف شعبوں، علاقوں، شہروں اور ملکوں کے سربراہوں کے کاموں کا مطالعہ کریں تو بھی یہی اصول کارفرما نظر آئے گا کہ منفرد شخص اپنی کم علمی کی بنا پر اگر کوئی غلطی کرتا ہے تو نقصان اسی کو اٹھانا پڑتا ہے لیکن اگر یہ سربراہ ہے تو اس کا خمیازہ عوام کو اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک شہر کے سردار کی حماقت ایک شہر، ایک ضلع کے منتظم کی غلطی ایک ضلع، ایک صوبہ کے وزیر اعلیٰ کی جہالت ایک صوبہ کو اور ایک ملک کے صدر یا وزیر اعظم کی غلط کاری ایک ملک کو لے ڈوبے گی۔ یہ تو تھے دنیاوی نقصانات جو اگرچہ زیادہ ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی ان کا عارضی اور وقتی زندگی کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر ایک شخص یا کئی شخص کہ جن کی عمر تیس (۳۰) برس ہو ہلاک ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ساٹھ ستر سال تک زندہ رہنا تھا اور تیس چالیس سال ان کی عمر کے کم ہوگئے اور وہ اتنی عمر سے استفادہ نہ کرسکے یا معاشرہ کو ان سے جو فوائد حاصل کرنا تھے وہ ان سے محروم ہوگیا اور اگر کوئی شخص صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اپنی آخرت خراب کر بیٹھا تو پھر تیس چالیس سال کا معاملہ نہیں وہ تو ابدالآباد کی زندگی کا سوال ہے۔ اگر یہ شخص کسی شہر، ضلع، صوبہ یا ملک کا رہنما ہے اور اپنی کم علمی سے اپنے عوام کی اخروی بربادی کا باعث بنتا ہے تو یہ بربادی اسی تناسب سے ہوگی۔ لیکن اگر وہ ساری دنیا کا رہنما بنکر آیا ہے تو اس کے غلط کام سے ساری دنیا متاثر ہوگی۔ مثلاً ایک حرام کو ایک رہنما نے کم علمی کے باعث حلال یا واجب قرار دے دیا تو اگر وہ ساری دنیا کا رہنما ہے تو ساری دنیا میں بسنے والے افراد اس حرام کو حلال یا واجب سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے اور ان کا یہ عمل فائدہ کی بجائے نقصان کا باعث ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ رہنما ہو تو ساری دنیا کا لیکن اسکا تعلق

ایک مخصوص زمانہ اور وقت کے ساتھ ہو تو نقصان اسی مخصوص زمانہ اور وقت کے لوگوں کو پہنچے گا۔ اور اگر کسی ہادی ورہبر کی سربراہی کے حدود تا قیام قیامت ہوں تو نقصان کا تعلق بھی قیامت تک آنے والے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ اب تک تو بحث یہ تھی کہ کسی نظام یا کام کا صحیح علم ضروری ہے ورنہ انفرادی اور اجتماعی نقصان کا خطرہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ صحیح علم کا حصول بھی صحیح عمل کا ضامن نہیں جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ سربراہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے سو فیصد صحیح علم حاصل کر لیا ہو لیکن خباثتِ باطنی کی وجہ سے وہ اپنے علم کے برعکس عمل کرتا ہو اور چونکہ وہ ایک علاقہ، ملک یا ساری دنیا کا رہنما ہے یا قیامت تک آنے والے لوگ اسے اپنا رہنما سمجھتے ہوئے اس کی اقتدار اتباع میں وہ عمل کرتے رہیں لہٰذا اس غلط عمل کی بنا پر وہ فائدہ کی بجائے نقصان اٹھائیں۔

خلاصہ یہ کہ رہنمائے خلق کے لئے عقلی طور پر دو صفات کا ہونا ضروری ہے۔ ایک علم اور دوسرا عمل صحیح جس کو اصطلاح میں عصمت کہتے ہیں۔ بلکہ دنیاوی حکومتوں کا بھی یہی دستور ہے کہ وہ اپنی حکومت کا کوئی کام جس شخص کے سپرد کرنے لگتے ہیں۔ پہلے یہ تسلی کر لیتے ہیں کہ اس کام کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے اس کی سند اس کے پاس موجود ہے کہ نہیں اور دوسرا یہ کہ آیا اس نے اپنی گذشتہ زندگی میں اس حکومت کے کسی قانون کی خلاف ورزی تو نہیں کی اب اگر اس کے پاس مطلوبہ قابلیت نہ ہو یا وہ کسی زمانہ میں حکومت کی قانونی خلاف ورزی کر چکا ہو تو وہ حکومت اس کو اپنا نمائندہ نہیں بناتی چونکہ دنیاوی حکومتوں کا علم محدود ہے گذشتہ امور اور آئندہ واقعات کا اسے علم نہیں ہوتا لہٰذا اکثر اوقات خلافِ امور کا اظہار ہو جاتا ہے لیکن چونکہ خداوند عالم کا علم ماضی وحال و مستقبل سب زمانوں کو محیط ہے لہٰذا وہاں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے آدمؑ سے لیکر خاتمؐ تک جتنے نمائندے بھیجے وہ سب عالم بھی تھے اور معصوم بھی جیسا کہ تقریباً اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور یہ ان کے ہاں مسلمات میں سے ہے۔

البتہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد اختلاف ہو گیا ہے کہ آیا آپ کے جانشین کو بھی ان صفات کا حامل ہونا چاہیئے یا نہیں۔ بدقسمتی سے جمہور مسلمین اس کے قائل ہیں کہ جس شخص پر لوگوں کا اتفاق ہو جائے یا گذشتہ خلیفہ جسے معین کردے یا چند افراد ملت جس کو خلیفہ چن لیں وہ جانشینِ رسول ہوگا۔ یہی غلط روش تھی کہ جس کی وجہ سے معاویہ ویزید و مروان عبدالملک و دیگر بنی امیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں کو خلیفہ رسول کہا اور مانا گیا نظامِ اسلام کی صورت بگڑتے بگڑتے یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک ایک موضوع پر کئی کئی حکم لگائے گئے اور اب فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ صحیح حکم الٰہی کونسا ہے لیکن ملت جعفریہ کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ جانشین رسول کو بھی رسول ہی کی طرح عالم اور معصوم ہونا چاہیئے بلکہ اس کا علم و فضل و کمالات میں تمام انبیاء سلف سے افضل و ارفع ہونا چاہیئے۔ چونکہ

ان کی نبوت و رسالت کے زمانے محدود تھے۔ لہٰذا مسائل بھی محدود تھے اور علم بھی محدود۔ بخلاف اس کے چونکہ جناب رسالتمآبؐ کی نبوت و رسالت کا دائرہ قیام قیامت تک ہے اس میں لا محدود مسائل و احکام پیدا ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں لہٰذا آپ کی مسند کا نشین وہ ہو سکتا ہے کہ جو ان تمام ازمنہ کے مسائل مختلفہ کو سلجھانے کی صلاحیت و قابلیت رکھتا ہو۔

جمہور مسلمین نے چونکہ یہ فرض کر لیا تھا کہ جانشین رسول کیلئے علم و عصمت ضروری نہیں لہٰذا وہ اس کے پابند بھی نہ رہے کہ اس کا تعین و تقرر خدا کرے اسی لئے انہوں نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا بخلاف اس کے ملت جعفریہ چونکہ کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں یہ یقین رکھتی ہے کہ جانشین رسول کو عالم اور معصوم ہونا چاہیئے لہٰذا ان کا مسلّمہ عقیدہ ہے کہ رسول کے بعد جانشین و خلیفہ وصی رسول اور ولی خدا کو صرف اور صرف خدا ہی معین کر سکتا ہے مخلوق خدا کو اس میں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء و مرسلین کی طرح وہ سرکار ختمی مرتبت کے جانشینوں کو جناب امیر المومنین سے لیکر حضرت حجۃ بن الحسنؑ امام زمین و زمن تک عالم و معصوم اور منصوص من اللہ و من رسول مانتے ہیں۔

ایک سوال:

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے کہ جناب رسالتمآب کے خلیفہ و جانشین کا تعین و تقرر خدا ہی کرتا ہے تو آپکے پاس اس سلسلہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا ایسے دلائل موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہو کہ خداوند عالم نے براہ راست یا سرکار رسالت کی وساطت سے کسی کو آنحضرتؐ کا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا ہے ورنہ آپ کا یہ دعوٰی قابل قبول نہیں ہوگا کیوں کہ اگر خدا و رسول نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ یہ فیصلہ کریں کہ اس مسئلہ کو امت خود حل نہیں کر سکتی۔

جواب:۔ چودہ سو سال سے اب تک آئمہ اہلبیتؑ اور ان کے پیروکار علماء اعلام ہر زمانہ میں اہل زمانہ کے سامنے وہ آیات و احادیث پیش کرتے آرہے ہیں جو واضح طور پر یہ بتاتے ہیں کہ جانشین رسول کا تعین خدا کو کرنا چاہیئے اور خدا نے ایسا کیا بھی ہے اور اس سلسلہ میں اتنی کتب لکھی جا چکی ہیں کہ ان کتب کے اقتباسات اور ان کے مصنفین کے نام درج کرنے کے لئے بھی کئی جلد کتب کی ضرورت ہے۔

چالیس کتب پہلی اور دوسری صدی ہجری میں الامامتہ کے نام سے لکھی گئیں اور اس زمانہ میں جو کتب اس موضوع پر لکھی گئی ہیں اور اس وقت ایران عراق اور دیگر ممالک اسلامی میں مل سکتی ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں:۔

(۱) الغدیر ۱۱ جلد چھپ چکی ہے مصنف علامہ عبدالحسین امینی مرحوم (۲) عبقات الانوار ۲۵ جلد مصنف علامہ میر حامد حسین و علامہ ناصر حسین مرحوم لکھنوی (۳) المراجعات اور اسکا ترجمہ اردو بنام دین حق مصنف علامہ شرف الدین (۴) شبہائے پشاور اور اس کا ترجمہ خورشید خاور مصنف علامہ سلطان الواعظین (۵) احقاق الحق با حواشی مصنف علامہ

شہید ثالث آیۃ اللہ نجفی مرعشی (۶) دلائل الصدق علامہ مظفر نجفی (۷) خلافت الٰہیہ مولانا سید محمد سبطین مرحوم۔
(۸) خلافت و امامت مجموعہ مضامین علماء مختلف مطبوعہ امامیہ مشن لاہور۔

اور اس کے علاوہ ہزاروں کتب ہر جگہ دستیاب ہیں صاحب ذوق رجوع کریں۔

ہم یہاں صرف دو واقعات کی طرف مختصر سا اشارہ کرتے ہیں جو صاحب انصاف لوگوں کیلئے کافی ہے

واقعۃ الدار

جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی اور ایک محدود دائرہ کے اندر تبلیغ کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت نے اپنے اقرباء اور اولاد عبدالمطلب و ہاشم کو جمع کیا اور اس وقت جو تقریر آپ نے کی وہ خلافت کے مسئلہ کو بھی ہمیشہ کے لئے حل کر گئی ارشاد ہوتا ہے:

اے فرزندان عبدالمطلب باور کرو کہ میں نہیں سمجھتا عرب کے کسی جوان نے اپنی قوم کے سامنے وہ تحفہ پیش کیا ہو جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں میں دنیا و آخرت کی بہتری کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا کہ میں تم کو اسکی دعوت دوں پھر کون ہے جو اس امر میں میرا ساتھ دے تاکہ وہی میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین قرار پائے۔

یہ سن کر مجمع پر خاموشی کا عالم طاری ہو گیا اور کسی طرف سے کوئی آواز بلند نہ ہوئی آخرکار علی اُٹھے اور باآواز بلند کہا یا رسول اللہ میں آپ کی اعانت کو ہمدردی کیلئے آمادہ ہوں حضرت نے یہ سن کر فرمایا ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوہ دیکھو یہی میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے تم سب کو اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا چاہیئے۔

ہم نے یہ عبارت خلافت و امامت سے ہر نام کے مضمون سے نقل کی ہے یہ واقعہ علاوہ دیگر کتب کے:
(۱) تاریخ کبیر طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ (۲) ابوالفداء مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ (۳) کامل بن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲
(۴) باب التاویل خازن بغدادی مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۰۴ (۵) معالم التنزیل برحاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۰۵
پر موجود ہے شائقین کتب مذکورہ کی طرف رجوع کر کے انصاف سے فیصلہ کریں کہ حضرت امیر المومنین کے خلیفہ و جانشین رسول ہونے کی اس سے زیادہ واضح دلیل کی کیا ضرورت ہے۔

کیونکہ معاہدہ ہوا اقرار داد پایہ تکمیل کو پہنچی علی نے بیعت کی، رسول نے بیعت لی کس بات پر نصرت اسلام پر اعلاء کلمہ حق پر اور رسول نے اسی وقت اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ طے کر دیا۔ بیشک اگر خود حضرت علی اس کے بعد اپنے فرائض میں کوتاہی برتتے۔ اپنے اقرار وفا میں ثابت قدم نہ ٹھہرتے اپنے عہد نصرت میں کمزور ثابت ہوتے تو معاہدہ بھی کالعدم ہو جاتا لیکن چونکہ آپ کی خدمات شروع سے آخر تک یکساں طور پر قائم رہیں تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ منسوخ ہو گیا۔ کیا کوئی مسلمان یہ فرض کر سکتا ہے کہ حضرت علی تو اپنے وعدے کی وفا کریں اور رسول اکرم (معاذ اللہ)

اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائیں۔

واقعۂ غدیر:۔ یہ واقعہ جمہور علما، فریقین نے تفصیل سے نقل کیا ہے کہ ۱۸ ذوالحجہ حجتہ الوداع دس ہجری جب حضورؐ اکرم مکہ سے واپس آرہے تھے اور مقام خم غدیر میں پہنچے تو آپ نے تمام اصحاب کو جمع کیا یہاں تک کر قافلہ میں سے جو لوگ آگے جا چکے تھے انہیں آپ کے حکم سے پیچھے بلایا گیا اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا ان سب کی تعداد اکثر علما و فریقین کے نزدیک ستر ہزار تھی اور بعض نے جیسے امام ثعلبی اور سبط احمد جوزی کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار تھی جب سب لوگ ایک مقام پر جمع ہو گئے تو آنحضرتؐ منبر پر تشریف لائے جو پالان شتر سے بنایا گیا تھا اور آپ نے ایک بہت طویل خطبہ دیا کہ جس کا اکثر حصہ فضائل و مناقب امیر المومنین میں تھا اور کئی آیات جو آپ کی شان میں نازل ہوئی تھیں۔ ان کی قرأت اور جناب امیر کے مقام ولایت کو پورے طور سے واضح کرنے کے بعد ارشاد فرمایا معاشر الناس الست اولی بکم من انفسکم قالوا بلیٰ قال من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ اے لوگو! کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا ہوں لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا جس کا میں مولا اور حاکم اور جس جس پر زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں علیؑ اس کا مولیٰ اس کا حاکم اور اس پر اسکے نفس سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس دن حضرت علیؑ کی بیعت کی وہ حضرت عمرؓ تھا بعد حضرت ابوبکر پھر طلحہ پھر زبیر اور تین دن مسلسل لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کرتے رہے۔

سوائے چند ایک حدیث کتب باقی سب کتب حدیث تاریخ اور تفسیر میں یہ واقعہ کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً موجود ہے چنانچہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب اول صـ۲۵ پر پورے تعصب کے باوجود لکھتے ہیں انه حدیث صحیح لا ریبه فیه وقد اخرجه جماعته کالترمذی والنسائی واحمد وطرقه کثیرۃ جداً۔ یہ صحیح حدیث ہے اسکی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں اس حدیث کو ایک جماعت نے نقل کیا ہے مثلاً امام ترمذی نسائی اور امام احمد اور اس حدیث کے بہت زیادہ طرق اسناد ہیں۔

امام غزالی سر العالمین کے مقالہ چہارم میں لکھتے ہیں کہ خلافت کے متعلق فریقین کا اتفاق ہے کہ صورت دلیل سے حجاب اٹھ گیا ہے ہر شخص واقعہ اور حقیقت کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ چکا ہے تمام لوگوں نے غدیر خم کے دن کے خطبہ سے متن حدیث پر اتفاق اور اجماع کیا ہے جبکہ آنحضرت فرما رہے ہیں یعنی کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ جس جس کا میں مولا ہوں پس اس کے علی مولی ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے کہا بخ بخ یا ابو الحسن لقد اصبحت مولائی ومولی کل مومن ومومنة کیا کہنے کیا کہنے آپ کے اے ابو الحسن آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولی ہو گئے۔ یہ تسلیم و رضا فیصلہ تھا پھر اس کے بعد جب ریاست کی بنا پر خواہشات نفسانی کا غلبہ ہوا (کچھ سطور کے بعد لکھتے ہیں) وہ پہلے خلاف کی طرف پلٹے اور انہوں نے

حکمِ رسولؐ کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کی پس کتنا برا یہ ان کا سودا تھا اور جب رسولؐ کی وفات کا وقت آیا تو آپؐ نے اپنی وفات سے پہلے ارشاد فرمایا کہ مجھے دوات اور کاغذ لا دو تاکہ میں اس امر خلافت سے اشکال کو ضائع کر دوں اور تمہیں یاددہانی کرا دوں کہ میرے بعد خلافت کا کون مستحق ہے مگر ان کے حکم کی تعمیل نہیں کی گئی۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر ہر منصف مزاج فیصلہ کر سکتا ہے کہ خدا و رسولؐ نے تو مسئلہ خلافت کو واضح کر دیا ہے اب ماننا نہ ماننا لوگوں کا کام ہے۔

لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ایک عالمِ ربّانی، دوسرے متعلّم براہِ نجات، تیسرے پسماندہ گنوار جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتے ہیں، اور جدھر کو ہوا چلتی ہے اُدھر ہی رُخ کر لیتے ہیں۔ نہ تو وہ نورِ علم سے روشنی حاصل کرتے ہیں، نہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتے ہیں۔"

(حضرت علیؑ)

علامہ میرزا صفدر حسین المشہدی الموسوی



غدیر خم

اٹھارویں ماہ ذی الحجۃ الحرام بنام روز عید غدیر مشہور ہے مسلمانوں کے ایک طبقے میں یہ روز گراں قدر اور عظیم المرتبت مانا جاتا ہے اور اس کو بہت بڑی خوشی کا دن اور عید سمجھا جاتا ہے دوسرے طبقہ میں اس کا کوئی ذکر بلکہ تصور بھی نہیں ۔ واقعہ ہوتا یا نہ ہوتا تو اپنی جگہ رہا اکثر انکار کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو عام طور پر بہکایا اور دھوکے میں رکھا جاتا ہے۔

میں اس مقام پر تمام ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اسلام کے دو مہتم بالشان اور اہم فرقوں کے درمیان بددلی اور جدائی اور نفرت و افتراق یا مباحثہ یا منازعہ کا باعث ہیں صرف تاریخی اعتبار سے اس اہم واقعے کی توضیح کرتا ہوں جسے مورخین و مفسرین محدثین نے دربارۂ اعلان خلافت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنی اپنی تصانیف میں درج و نقل فرمایا ہے جس کی رو سے اس دن کا واقعہ تاریخی اہم حیثیت کا حامل ہے اسی ضمن میں ان مخالفین خاندان رسالت کا ذکر بھی تفصیل سے کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے حد سے زیادہ کدو کاوش اور بے حد جدوجہد کر کے آل محمد کے منازل و مدارج اور مناقب و فضائل کو چھپایا اور مسلمانوں کو صحیح حالت جاننے اور واقف ہونے سے روکا جس کے نتیجے میں بلاوجہ مسلمانوں میں عقیدۂ عمل بلکہ رسم و رواج کی بھی تقسیم ہو گئی اور ایک دین پر رہتے ہوئے "میرا تمہارا" الگ الگ محاورہ قائم ہو گیا۔

کیا ہی اچھا ہو کہ میں اس بحث پر کھلے دل سے آزادانہ تبصرہ کروں اور تمام سلجھے ہوئے پڑھے لکھے محبان و دوستداران اہل بیت مسلمان منصفانہ انداز میں اسکو بغور ملاحظہ اور بغرض مطالعہ فرمائیں اور حق و صداقت کے ساتھ یہ فیصلہ کریں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بغض رکھنے والی جماعت نے کیا سلوک کیا اور اپنی دُنیا طلبی کی ہوس یا خاصان خدا سے حسد کی وجہ سے کہاں تک دیدہ و دانستہ حق پر پردہ ڈالا اور ہمیشہ چاند پر خاک اچھالا کئے مگر حق پھر بھی ہمیشہ روشن و آشکار ہی رہا۔ اکابر و اعاظم علماء اسلام و بزرگان سلف تمام حق بتا گئے اور حق کہہ گئے اور تمام ان چیزوں کو لکھ گئے ہیں جن کو دشمنان دین اسلام و طرفداران آل ابی سفیان نے چھپایا تھا اور مسلمانوں کو ان سے آشنا ہونے نہ دینا چاہا تھا تا کہ مسلمان گرویدہ خاندان رسالت نہ بن جائیں بلکہ محبت کی بجائے بیزاری و نفرت و عداوت رکھنے والے ۔ واقعہ غدیر بھی ایسے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ ہے۔

اگر یہ واقعہ دراصل واقعہ نہ ہوتا تو اسے کسی ایک فرقے کی من گھڑت کہا جا سکتا تھا یا مثلاً محدثین و رواۃ شیعہ نے اسے نقل و روایت کیا ہوتا تب بھی ایک جماعت سے مختص اور کسی فرقے کا خاص عقیدہ و خیال کہا جاتا۔ یا چند ضعیف و مجروح راویوں نے اسے بیان کیا ہوتا اور علماء کی نظر میں اس کی کوئی خاص وقعت و اہمیت نہ ہوتی تو اسے آگے بڑھانے اور زیادہ اچھالنے کی ضرورت ہی درپیش نہ ہوتی۔ کتابوں میں بہت کچھ آجاتا ہے اور چنداں قابل اعتنا بھی نہیں ہوا کرتا گو یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو چند ناقابل فراموش خصوصیات کے ساتھ بعض مخصوص حالات میں عام مسلمانوں کے محضر اور ہزاروں اصحاب رسالتمآب کی موجودگی میں بر سر مجمع عام، روز روشن دوپہر کے وقت رونما ہوا۔ اور جلد ہی نقل و روایت ہوتا ہوا حجاز سے تمام بلاد و امصار کے مسلمانوں میں مشہور ہوگیا۔ چنانچہ اب تک تقریباً دو ہزار سے زیادہ بڑے بڑے علماء اس واقعہ کا ذکر اپنی اپنی تصنیف و تالیف میں کر چکے ہیں۔ اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں موضوع حدیث واقعہ غدیر پر لکھ چکے ہیں جسے تقریباً کل صحابہ و تابعین نے ایک دوسرے سے نقل و بیان کیا جو کم و بیش تقریباً ۹۰ سندوں بلکہ زیادہ سے روایت ہو چکا ہے اور اب بھی حقیر و بلند پایہ کم از کم دو ہزار کتابوں میں موجود ہے جو پہلی صدی ہجری یعنی زمانہ سرکار رسالت میں متواتر روایت ہوتا اور مسلسل اب تک چودہویں صدی کے علماء کے ذریعے کتابوں میں لکھا جاتا رہا اور برابر لکھا جاتا رہا ہے اس حدیث کی شہرت سے زیادہ کوئی حدیث اور کوئی واقعہ مشہور نہیں اور اس روایت سے زیادہ کوئی روایت ایسے تواتر تک نہیں پہنچی نہ کسی واقعے سے متعلق (سوائے کربلا واقعہ) اس سے زیادہ کتابیں تصنیف ہوئیں مگر جس طرح واقعہ کربلا کو حد درجہ چھپانے کی کوششیں کی گئیں اسی طرح بیحد کوششیں اس کے چھپانے میں بھی ہوئیں مگر جس طرح واقعہ کربلا مسلمانان عالم باوجود کثرت کتب کے ناآشنا ہی رہے حد یہ کہ وہ مقام جو مکہ و مدینہ کے مابین جحفہ کے قریب رابغ کے نواح میں غدیر خم کے نام سے موسوم اور حقیقتاً اب تک موجود بھی ہے وہ موہوم نہیں بلکہ تاریخ و جغرافیہ کی رو سے ثابت ہے اور اقطاع عالم کے مسلمان بغرض زیارت مدینہ و حج خانہ خدا اس طرف کا سفر بھی کرتے رہتے ہیں مگر اس مقام سے عبور نہ ہونے کی وجہ سے میدان غدیر کا کبھی نام بھی نہیں سنتے جو کبھی حقیقت کا سراغ خبردار ہونے کا موقع پائیں مگر اب چونکہ دنیا بیدار ہو چکی ہے مسلمانان میں تعلیم پھیل چکی ہے علمی قابلیت بڑھتی جاتی ہے تاریخ و جغرافیے کوئی بے خبر نہیں ذرائع و وسائل نقل و حرکت کی آسائش و فراہمی کی وجہ سے سفر میں خطرہ نہیں حقیقت کا سراغ لگانا اہل بیت کا معلوم کرنا اور مکہ مدینہ کے درمیان ممبر و معبر پر خط مستقیم میں اس تاریخی میدان خم غدیر کا واقع ہونا اور پھر اس سے کترا کر دوسرے مخفی یا متوازی راستوں سے مسافرین کا عبور کرانا جانچا جا سکتا ہے اور اس بات کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے کہ آخر بات کیا ہے غدیر خم کون سا ایسا خطرناک مقام ہے جس کا واقعہ کثرت اشتہار و تواتر کے بعد بھی ہم تک نہ پہنچایا نہ پہنچنے دیا گیا اور کیا ایسی وجہ ہے کہ ہم اس راستے سے بھی نہیں گزرتے باوجودیکہ مناسب تھا جب کہ سرکار دو عالم نے لاکھ دو لاکھ علی اختلاف الروایات تین لاکھ صحابہ کے قریب مسلمانوں کے ساتھ اس میدان میں اتر کر قیام فرمایا اور وہاں نماز ظہرین پڑھی اور خطبہ پڑھا۔

تو ہم جب دور دراز سے سفر کر کے ملک حجاز میں آتے ہیں گو کتنا ہی صرف ہو جائے اپنے سیدھے راستے کو ذرا موڑ کر کیوں نہ اس طرف سے نکلیں جہاں حضور صلعم نے چند روز قیام فرمایا اور ہزاروں کی مسلمان بے چاروں کا جذبہ محبت تو اتنا زیادہ ہوتا ہے۔ کہ منزل کے جس کنوئیں سے حضرت نے پانی پیا یا وضو کیا ہوتا ہے وہ تبرکاً اس کنوئیں کا پانی لے کر اور کچھ نہیں تو اپنے بدن پر چھڑک لیتے ہیں اور جنگ میں مثلاً جنگ احد میں زخمی ہو کر جس پہاڑ کے کسی پتھر سے آنحضرت ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے مسلمانان عاشق رسالت بھی اس سے اپنی پیٹھ لگا لیتے ہیں اگر وہ غدیر خم کو پہچان لیں تو یقیناً بصرف زیادہ وہاں جا کر دو رکعت نماز ہی پڑھ لیں کیوں کہ رابغ سے غدیر خم کچھ دور نہیں نزدیک ہے البتہ سر راہ نہیں ہے مگر تسلط اقتدار رکھنے والوں نے شروع ہی سے مسلمانوں کو اپنے مفاد کے خلاف ہمیشہ روکے رکھا اس لئے اس مقام کو دیکھنے اور مشہور و معروف ہونے اور اس جگہ کے جاننے پہچاننے اور بکثرت اس طرف آنے جانے سے ان چھپی ہوئی باتوں کے کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جنہیں ڈھکنے پر خزانے صرف ہوئے جنہیں چھپانے پر دولتیں لٹائی گئیں جن پر بڑے مقابلے کر کے کامیابیاں حاصل کی گئیں۔

وہ صرف اہل بیت کی شان اور مولانا امیر المومنین کا علو مکان ہے چراغ خاندان رسالت کا بجھانے والوں نے شروع ہی سے آل محمد کی طرف دل لگانے والوں کے راستوں میں پہرے بٹھا دیئے تھے اور دوستداران و محبان عترت رسول پر دباؤ ڈال رکھا تھا۔ کہ نہ علی نام رکھو نہ علی کی شہرت ہو نہ علی سے ملاقات کرو نہ علی کو علو مرتبہ سمجھو نہ علی کو جانو نہ علی کی نسل و آل کو پہچانو خدا بھلا ہو بنو امیہ کے اس منیر و صاحب صلاح و خیر فرد کا جسے بنام عمر بن عبدالعزیز آجتک نیکی سے یاد کیا جاتا ہے جس نے منبروں پر خطبے میں حضرت علی پر دشنام طرازیاں کئے جانے سے روکا۔ اور آہستہ آہستہ مسلمانوں سے اس غفلت و جہالت کو مٹایا جو معاویہ کی بدخواہی سے ان میں چھپا گئی تھی کہ مسلمان ہوتے ہوتے بھی خوارج کے پڑھائے ہوئے سبق دہرایا کرتے تھے جو مدتوں تک نہیں بھولے تھے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفی سنہ ۳۰۳ ہجری نے مسجد جامع میں منبر پر فرمایا تھا کہ مسلمانوں علی عم پیغمبر اور داماد سرکار رسالت ہیں اور ان کے وصی و خلیفہ ہیں تم لوگ ان پر لعنت نہ کیا کرو جس پر وہی مسلمان جو بحکم عمر بن عبدالعزیز کافی سدھر چکے تھے۔ مگر اثر سابق موجود رہنے کی وجہ سے مشتعل ہو کر حملہ آور ہوتے اور منبر پر ہی آپ کو بری طرح کچلا آخر اسی صدمے سے وفات پائی۔

اب تو خوارج کا وجود بھی باقی نہیں۔ دشمنان اہل بیت و مبغضان علی کے نشان بھی نہیں ہوں گے۔ ہاں دل میں عداوت خاندان رسالت ضرور ہو گی مگر اب ایسا کوئی فرقہ یا مذہب نہیں جسکی بنیاد بغض پر ہو یا جن کا امام امیر المومنین کے سوا ہو مسلمان کے کل محبان خاندان رسالت و دوستداران شاہ ولایت ہیں۔ سوا اس کے کہ کسی کے امام بلا فصل امیر المومنین ہیں اور کسی کے نزدیک خلیفہ چہارم ہیں مگر کل مسلمان حضرت علی علیہ السلام کو وصی و خلیفہ برحق رسول خدا کا مانتے ہیں اور ان کو خلق کا امام جانتے ہیں اور سب کے سب ان کی ولایت و ان کی ذریت طاہرہ کی امامت کے قائل ہیں اور محبت علی و آل علی کو فرض قرآن و عین ایمان کہتے ہیں مگر سینکڑوں سال کی پرزور تدبیروں سے جو لوگ حقیقت اہل بیت رسالت سے

بےخبر رہ چکے ہیں وہ یکبارگی تمام حقائق سے واقف نہیں ہوسکتے اب صرف اتنی ضرورت ہے کہ مسلمان آپس کی رسہ کشی سے محفوظ رہیں اور دلوں میں صفائی رکھیں اور ہمیشہ انصاف کو دلیل راہ و قاضی و حکم قرار دیں تو یہ سوچ سمجھ کر مان لیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام سے کسی ایک فرقے کا تعلق نہیں سب مسلمانوں کے پیشوا علی ہیں یہاں دو میرے تمہارے کا کام نہیں اور کسی کے کم و زیادہ کا بھی نہیں پس جو فضیلت و کرامت از روئے کتاب و سُنت تاریخ و تفسیر حدیث کے ذریعے علی سے متعلق ثابت ہو وہ سب کے لئے ہوگی جس طبقے کو دشمنی تھی وہ دنیا سے چل بسا اب صرف مسلمان ہیں۔ سب درست ہیں اگرچہ مرورِ ایام سے مسلمانوں پہ لقب اہل سُنت چھا چکا ہے جو دراصل شامیوں کا لقب تھا مگر ان سب کے لئے یہاں دعوائے عقیدت و مودت اہل بیت رسالت موجود ہے۔

لہذا واقعہ غدیر بھی اگر قرآن و حدیث سے تاریخ و تفسیر کی روشنی میں ثابت پایا جائے تو اسے ماننے اور قبول کر لینے میں قطعاً عذر نہ ہونا چاہیئے کہ یہ اسی مولانا علی بن ابیطالب کی فضیلت کا مظہر ہے جس کو باتفاق تمام مسلمان خلیفہ مانتے ہیں اور ولی اللہ کہتے ہیں چونکہ اس واقعے کو چھپانے والے مقاصد اب رہے نہیں نہ اب اتنا زیادہ مفاد ہی اخفاءِ واقعہ غدیر میں ہے جس کے لئے کوشش کی جائے کیوں کہ اگر آل محمدؐ و علیؑ کے مقابلے میں آلِ ابی سفیان ہوتی اس کے مفادات اس میں مضمر ہوتے مسلمانوں کو تو صاف ستھری کھلی ہوئی بات ستھری کھلی ہوئی بات کی ضرورت ہے تاکہ وہ سمجھیں اور فیصلہ کریں۔ حقیقت غدیر اصل میں یہ ہے کہ ضرورت ہے تاکہ طرح میرے بھائی نبی موسیٰ تجھ سے درخواست کرتے تھے کہ رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری۔ اے اللہ! اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے میرا کام آسان کر دے میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اور اس سے میرا بوجھ بٹا دے اور اسے میرے کام میں شریک فرما دے اے رب! میں بھی اسی طرح تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے ابن عم علی بن ابیطالب کو میرا وزیر بنا کر میرا بار ہلکا کر دے اور اسے میرا شریک بنا دے جس کا جواب خداوند عالم کی طرف سے یہ ملا تھا۔ الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب۔ کیا ہم نے تمہارا شرح صدر نہیں کیا اور تمہارا بوجھ نہیں ہٹایا جس بوجھ نے تمہاری پیٹھ کو بھاری رکھا تھا اور تمہارا ذکر ہم نے بلند کر دیا تو ہر مشکل کے بعد آسانی ہے اور ہر مشکل کے بعد آسانی ہے پس جب فارغ ہو تو تم بلند کرو اور اللہ کی طرف رغبت کر جاؤ۔ ملاحظہ ہو۔

یہ سورہ مکی ہے اور آیات سابقہ سورہ طٰہٰ بھی مکی ہیں اس کی بحث چنداں لازم نہیں۔ تفسیروں میں فاذا فرغت من الصلوٰۃ یعنی تم نماز سے فارغ ہو تو دعا کے لئے فانصب ہاتھ اُٹھاؤ۔ والی ربک فارغب یعنی خدا سے تضرع کرو جلالین یا سمجھے میں متقرب بخدا ہو جاؤ۔ لیکن سوال ہے وزارت و جانشینی کا پیغمبر عرض کرتے ہیں علی کو میرا وزیر بنا دے میرا بوجھ ہٹا دے خدا فرماتا ہے نماز پڑھو ہاتھ اٹھاؤ۔

اب ملاحظہ ہو صفحہ... کہ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو علم بلند کرو اور رحمت پروردگار کی طرف کوچ کرو۔ کیا سوال کے جملوں سے جواب کے یہ معنی چھپاں بھی ہیں اور حقیقت بھی ہیں۔ غرض یہ کہ حضرت نے دعوت عشیرہ میں وصایت و وزارت حضرت علی کا اعلان کر دیا تھا۔ جب تمام قریش جمع ہوئے تھے جس میں یہ بناؤ آیت و انذر عشیرتک الاقربین اپنے قرابت داروں کو تبلیغ پہنچا دو۔ اپنے دعوت کر کے کھانا کھلا کے یہ فرمایا تھا۔

یا بنی عبد المطلب قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرۃ قد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی امری ھذا ویکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم

اے بنی عبد المطلب میں تمہارے لئے خیر دنیا و آخرت لایا ہوں مجھے اللہ نے تمہاری دعوت کا حکم دیا ہے۔ پس تم میں سے اس بارے میں میرا بار اٹھائے گا وہ میرا بھائی، وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہو گا۔ تین دفعہ حضرت نے یہی فرمایا۔ مگر کسی نے جواب نہیں دیا اور تینوں بار اگر کسی نے اٹھ کر جواب دیا تو وہ حضرت علی ہی تھے چنانچہ آپ نے فرمایا انا احدثکم سنا میں تم سب میں کم عمر ہوں۔ یا نبی اللہ انا وزیرک علیہ میں اس بارے میں آپ کا وزیر ہوں (ملاحظہ ہو تفسیر معالم تنزیل علامہ بغوی) اس کے جواب میں ہمیشہ حضرت فرماتے رہے۔ یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ سے اور یہ بھی بکثرت سندروں سے متواتر ہے ملاحظہ ہو صفحہ

اب حضرت دین کے تمام کلیات مقرر فرما چکے تھے (ضروریات)، اصول، فروع دین کی تکمیل کر چکے تھے رحلت کا بھی علم تھا قوم کی رہنمائی و پیشوائی کی بھی ضرورت تھی۔ دنیا چلے نہ چلے سنت اللہ پر عمل اور اپنے بعد کے لئے خلقت کا وہی وراہنما مقرر فرما کر ولایت الٰہیہ اس کے سپرد کرنا اور علی الاعلان آنکا راسب پر ظاہر کر دینا لازم تھا جس کے لئے آج تک کے کل مسلمانوں کا مجمع ہونا مناسب تھا چنانچہ سنہ ۱۰ ہجری میں حضرت نے حج کا اعلان کیا اور خلق کثیر اس بنا پر مدینے میں جمع ہے اور حضرت ۲۴، ۲۵ ذی القعدہ کو مدینے سے بکثرت مسلمانوں کے ساتھ عازم مکہ معظمہ ہو کر نکلے حالانکہ اسوقت مدینہ منورہ میں زبردست وبا پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے بہت سے لوگ نہ جا سکے اس کے باوجود بھی اتنے مدینے سے ساتھ ہوئے جن کی تعداد خدا ہی جانتا ہے کہا یہ جاتا ہے کہ "نوے ہزار آدمی ساتھ گئے تھے بعضوں نے ایک لاکھ چودہ ہزار لکھے ہیں بعضوں نے ایک لاکھ بیس ہزار اور بعض نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بلکہ بعض اس بھی زیادہ لکھتے ہیں اور وہ یہ تعداد ہے۔ جو مدینے سے ساتھ ہوئی جو مکہ معظمہ کے نواح کے لوگ عرفات میں حج کے لئے جمع ہوئے ہوں یا جو یمن سے حضرت علی اور ابو موسیٰ کے ساتھ آئے ہوں وہ الگ (ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ صہ ۲۸۳ جلد ۳، سیرت احمد زینی دحلان جلد ۳ صہ ۳ سبط ابن الجوزی کی تذکرہ خواص الامہ صہ ۱۸)

غرض جماعت کثیرہ مسلمین و اصحاب و مومنین کے ساتھ حضرت حج کو تشریف لے گئے اور بعد فراغت حج حضرت

نے مکہ معظمہ سے کوچ فرمایا جب میدان غدیر خم میں پہنچے تو جبرئیل آیہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس لیکر نازل ہوئے کہ اے رسول جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے پہنچا دو اور اگر تم نے نہ کیا تو تبلیغ رسالت کا کچھ کام ہی نہ کیا اور اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت اس میدان میں اتر پڑے۔ جو آگے بڑھ گئے تھے۔ ان کو واپس بلوا لیا جو ابھی پیچھے تھے انکا انتظار کیا، دوپہر کا وقت شدت کی گرمی سر پر آفتاب جلتی ہوئی ریت لوگوں کا یہ حال کہ عبا کے دامن تلووں کے نیچے رکھتے اور ایک گوشہ عبا کا سروں پر ڈال کر سایہ کرتے تھے۔ کہ دھوپ سے بچیں۔ حضرت نے درختوں کے نیچے جھاڑو دے کر صفائی کرنے کا حکم دیا۔ ببول کی ٹہنیوں سے ببول کے بے سایہ درختوں کے نیچے صفائی ہوئی۔ لوگوں کے پالان شتر جمع کرائے گئے۔ ان کو تلے اوپر کر کے منبر بنایا گیا حضرت نے اشارہ کیا بلال نے اذان کہی اور "الصلوٰۃ جامعۃ" پکارا اذان میں حی علی خیر العمل کہا سب لوگ مجتمع ہوئے۔ حضرت نے نماز ظہر ادا فرمائی اور منبر جا کر خطبہ پڑھا جسمیں یہ فرمایا کہ پیام الٰہی آنے والا ہے۔ میں اب لقاء خدا کو جانے والا ہوں میں تم لوگوں میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ کتاب خدا اور اپنی عترت ان دونوں سے متمسک رہو۔ جب تک ان کے ساتھ رہو گے۔ گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس پہنچنے تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ اے گروہ مردم تمہارا مولا کون ہے یعنی تم پر تم سے زیادہ صاحب اختیار کون ہے۔ سب نے کہا اللہ اور اس کا رسول۔

نیز فرمایا الست اولیٰ بکم من انفسکم کیا میں تم پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا میں تمہارا مولا نہیں ہوں تو لوگوں سب نے کہا جی ہاں۔ تو آپ نے منبر پر سے ہی علی بن ابی طالب کا ہاتھ بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ حضرت علی کے قدم حضرت کے زانو تک پہنچ گئے۔ اور ہاتھ آپ کے اتنے اونچے ہوئے۔ کہ سفیدی زیر بغل نمایاں ہوئی اور جناب رسول خدا بالائے منبر سے سب کو نظر آنے لگے۔ اور حضرت علی کو اٹھا کر سب کو دکھاتے ہوئے فرمایا۔ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ یعنی جس کا میں مولا ہوں اسکا یہ علی بھی مولا ہے بلکہ اللہ جو علی کو دوست رکھے اسے تو بھی دوست رکھ اور جو علی کو دشمن رکھے تو بھی اس کو دشمن رکھ اور جو اسکی نصرت کرے خدایا تو بھی اسکی مدد کر اور جو علی کو چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ رکھ۔

ملاحظہ ہو روضۃ الصفا جلد دوم ص۲۰۱ بحوالہ کتاب اعلام الوریٰ اور ربیع الابرار۔

اس میدان میں جمع ہو کر خطبہ پڑھنا اور اسمیں دو گرانقدر چیزوں کا چھوڑ کر جانے والا ہوں فرمانا۔ اہلبیت کے متعلق تاکید وصیت کرنا اور اپنے رحلت کرنے کی خبر دینا اور قرآن و اہلبیت سے ملے رہنے کی تاکید کرنا تعبیر من کنت مولاہ کے بہت سی کتابوں میں کچھ کچھ رد و بدل کے ساتھ موجود ہے ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم ص۳۲۵ مسند امام احمد بن حنبل۔ صحیح ترمذی، طبرانی۔ حاکم۔

ملا یعقوب لاہوری جو ثقات علماء اسلام سے ہیں اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔ و لما تواترت جبکہ تواتر حدیث

میں کنت مولاہ فعلی مولاہ اور انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ثابت ہے تو اول سے متمسک ہو کر حضرت نے یوم غدیر خم جو بین مکہ و مدینہ جحفہ کے نزدیک ہے بسفر حج آخر سے واپسی کے موقع پر وہاں پہنچنے پر منبر پر خطبہ پڑھا اور لوگوں سے کہا یا معشر الناس الست اولیٰ بکم من انفسکم الخ اس کے بعد مولا کے معنی لکھتے ہیں کہ مولا کے معنی بہت ہیں، بندے کا آزاد کرنے والا بھی مولا ہے، ہم سایہ و ہم قسم بھی مولا ہے، ابن عم اور ناصر بھی مولا ہے، اولیٰ بالتصرف یعنی حاکم اعلیٰ بھی مولا ہے۔ لیکن اس جگہ حدیث میں مولا آخری معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح بخاری از ملا یعقوب لاہوری) اور اس موقعہ پر اگرچہ بہت سے لوگ حج کر کے مکہ سے چلے گئے تھے۔ پھر بھی ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع میدان غدیر خم میں لکھا ہے۔ گویا جتنے لوگ حضرت کے ساتھ آئے تھے سب موجود تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ کامل علامہ ابن اثیر۔

اب یہ بات قابل غور ہے کہ جس مجلس یا محفل میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ انسان ہوں اسکا شہرہ کتنا ہونا چاہیئے۔ پھر کیوں ایسی آشکار بات پردے کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ بصیر و عاقل اس پر غور کرے اور وہ اس پردے کو ہٹائے تاکہ حقیقت روشن ہو آخر طبیعت انسانی کا تقاضا ہے کہ سفر کے حادثات غریبہ و واقعات عجیبہ کو جو مشاہدے میں آئے ہوں، لوگ وطن پہونچکر ایک دوسرے سے دہراتے ہیں۔ آیا اسقدر کثیر جماعت نے اس واقعہ کو کہیں نقل نہیں کیا؟ یقیناً صحابہ نے نقل و بیان کیا ہوا۔ چند ہٹ دھرمی لکھنے والوں کے تمام محدثین نے ذکر کیا آخر ایک لاکھ سے زیادہ ہی اصحاب تھے، بیان تو ضرور کرتے ہے۔ خصوصاً جبکہ حضرت نے یہ تاکید بھی فرمادی تھی کہ حاضرین اس واقعہ کو غائبین تک پہونچادیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ قبل اشاعت خبر صحرائیں اور میدانوں میں فوت ہوگئے اور بعض حالات کے پیش نظر بیان نہ کر سکے اور بعض بادیہ نشینوں سے ہمارا سلسلہ روایت منسلک نہ ہو سکا۔ اسکے باوجود بھی دو سو سے زیادہ صحابیوں سے روایت ملتی ہے۔ جن میں سے ایک سو دس صحابیوں کے نام جنہوں نے واقعہ غدیر اور حدیث من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ کو روایت کیا، بر درست کتابوں سے یہی دستیاب ہو سکے۔ اور قریب سو کے تابعین کے نام بھی ملے ہیں۔ اس کے بعد جو ہر قرن کے علماء دلچسپی کے ساتھ روایت کرتے رہے ہیں انکی بھی کافی تعداد حاصل ہوئی ہے اور جن جن حضرات نے واقعہ غدیر کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں انہیں سے جن جن کے اسماء مشہور ہیں انکے دیکھنے سے اس حدیث کی شہرت اور واقعہ غدیر کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

حجۃ الاسلام شیخ عبد الحسین امینی طاب ثراہ کی کتاب "الغدیر" تمام ممالک اسلامی میں بے مثال سمجھی جاتی ہے۔ ۱۱ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ مرحوم کی وفات تک تصنیف جاری تھی۔ ابھی چند جلدیں غیر مطبوعہ ہیں۔ کتابیں تو بکثرت ہیں۔ اور حیرت انگیز ضخامت کی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔ غیر شیعہ علما نے لکھی ہیں۔ حیرت و تعجب اس پر ہے کہ وہ دنیا میں موجود بھی ہیں مگر منظر عام پر نہیں ہو سکیں، اور ان سے فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

ابن کثیر اپنی کتاب "البدایۃ والنہایۃ" میں لکھتے ہیں۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری صاحب تفسیر و تاریخ نے اس حدیث کے

بارے میں خاص توجہ دی ہے۔ اور اس حدیث کے طرق واسناد والفاظ پر ہی دو جلدیں لکھی ہیں۔ اسی طرح حافظ ابوالقاسم ابن عساکر نے بھی خطبہ کے ضمن میں بہت سی حدیثیں وارد کی ہیں۔

شیخ سلیمان قندوزی حنفی ینابیع المودہ ص۳۶ پر لکھتے ہیں کہ ابوالمعالی جوینی الملقب بامام الحرمین ہیں استاد ابوالحامد غزالی سے حکایات نقل کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا جب میں نے بغداد میں کسی صاحب کے ہاتھ میں ایک جلد کسی کتاب کی دیکھی جسمیں روایات غدیر خم تھی۔ اسمیں لکھا ہوا تھا کہ جلد اٹھائیسویں سلسلہ قول رسول من کنت مولاہ فعلی مولاہ ہیں۔ اسکے بعد جلد انتیسویں شروع ہونے والی ہے۔

جب بڑے بڑے علماء اس حدیث کی اسقدر شہرت پر حیرت فرمائیں تو عوام کا اس حدیث کے متعلق محتاج دلیل ہونا ایسا ہے۔ جیسے روز روشن کوئی دن ہونیکا ثبوت اور آفتاب نکلنے کی دلیل کا خواہاں ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی کتاب سیف مسلول میں حدیث غدیر کے متعلق فارسی عبارت میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث درجہ تواتر پر پہنچی ہوئی ہے۔ اور تیس صحابیوں سے زیادہ اسے نقل روایت کر چکے ہیں"۔ اس کے بعد اصحاب کے نام لکھ کر فرماتے ہیں کہ۔

جمہور محدثین نے اپنی اپنی صحاح وسنن ومسانید میں بھی نقل کیا ہے۔ غدیر کے متعلق ۹۸ حدیثیں ہیں یعنے ۹۸ طرح سے یا ۹۸ راستوں سے اسکی نقل پہنچی ہے۔ ایک سو چودہ یا ایک سو بیس یا دو سو راویوں کا بھی شمار کیا گیا ہے۔ دو سو علماء کے قائل ہو کر لکھا ہے اور ہزاروں کتابوں میں موجود ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر محقق نے بہت زیادہ زور لگایا تحقیق کی پھر بھی کسر رہی۔ ہر ایک نے اپنی لبساط کے مطابق جدوجہد سے پتہ لگایا مگر جو باقی رہ گیا ہے وہ بہت ہے۔

الغدیر میں کم سے کم تین سو ساٹھ علماء کے مکمل اور مفصل پتے نشان دے دیئے ہیں۔ مگر اس کے بعد بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بس اتنے ہی ہیں۔ یہ تو دستیاب ہوئے جو نہ ہوئے ان کا کیا شمار ہوگیا۔

سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کسی بات کے قبول کرنے میں تامل وانکار اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے حقیقت واقع ہونے میں شک ہو۔ واقعہ غدیر میں شک وشبہ کے یہی چند سبب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ واقعہ وحدیث غدیر وضعی وجعلی وساختہ وپرداختہ ہو۔ خود غرض اشخاص نے پارٹی بازی کی صورت اور طرفداری کی شکل میں بنائی ہو۔

۲۔ صرف ہمراہیان حضرت علی نے اس کی روایت کو پھیلایا ہو۔

۳۔ آیتہ بلغ ما انزل الیک جو عرفات میں نازل ہونا بتائی جاتی ہے اس کا نزول میدان غدیر میں ثابت نہ ہو اور

مفسرین نے اسے ولایت حضرت علی کے لئے نہ مانا ہو۔

۴۔ آیۃ الیوم اکملت کے متعلق میدان غدیر میں نزول ثابت نہ ہو۔

۵۔ اصلاً غدیر خم کا وجود نہ ہو نہ وہاں موکب ہمایوں سرکار رسالت کا نزول ہوا ہو تو صاف صاف ثابت ہو جائے گا کہ یہ حدیث من گھڑت ہے جہاں تک تعلق وجود غدیر خم کا ہے تو غدیر خم موجود اور کتابوں میں مذکور ہے۔ رہا قافلہ اصحاب رسالت مآب کا نزول تو بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ مثلاً براء بن عاذب صحابی فرماتے ہیں کہ سفر میں ہم رسول اللہ کے ساتھ تھے کہ غدیر خم میں اترے نداء دینے والے نے الصلوٰۃ جامعۃ کی نداء دی۔ درختوں کے نیچے صفائی ہوئی۔ حضرت نے ظہر کی نماز پڑھی اور علی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنین پر اولیٰ بتصرف ہوں نسبت خود ان کے نفسوں کے سب نے کہا بلی جی ہاں تو فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔ اللھم وآل من والاہ و عاد من عاداہ پھر حضرت عمر آئے اور حضرت علی سے ملاقات کی اور کہا مبارک ہو اے فرزند ابوطالب آج سے تو آپ ہمارے اور سارے مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔ ملاحظہ ہو مسند امام احمد بن حنبل۔ کیا مسند امام حنبل شیعوں کی کتاب ہے؟

سعد بن ابی وقاص صحابی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ راہ مکہ پر تھے۔ پس جب غدیر خم میں پہنچے تو لوگوں کو ٹھہرایا اور آگے بڑھ جانے والوں کو واپس بلایا گیا۔ (ملاحظہ ہو خصائص امام نسائی)۔ کیا امام نسائی شیعہ تھے؟

اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ غدیر خم میں حضرت اترے اور ٹھہرے اب حدیث اور واقعہ کی تصدیق کی تحقیق کی ضرورت ہے تو اس کے لئے اس کثرت سے نقل و روایت اور اس اعلیٰ تواتر سے ثابت ہونا کافی سے بھی زیادہ ہے۔ موافق و مخالف، دوست دشمن، اپنا غیر، صحابی، غیر صحابی، قرن اول و قرن آخر کا ہر عالم ہر محدث مفسر و مورخ کہتا، لکھتا اور جانتا چلا آرہا ہے بلکہ یہاں تک لکھا گیا ہے کہ اس کا منکر جاہل و متعصب ہی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو امینی الخطاب۔ حدیہ کہ سعد بن ابی وقاص اور براء بن عاذب اور عمر بن عاص جیسے بھی نہیں چھپاتے اور برابر بیان کرتے جا رہے ہیں۔ اس حد تک کہ یقین ہو گیا کہ یہ واقعہ ہوا اور زبان سرکار رسالت سے یہ حدیث نکلی۔

اب صرف آیہ بلغ و آیہ الیوم اکملت کے متعلق شک دور کرنے کی ضرورت رہ گئی اس کے متعلق ایک دو دس بیس نہیں جتنے مفسرین ہیں سوا البعض کے سب نے مانا اور لکھا ہے کہ آیت بلغ شان امیرالمومنین میں بمقام غدیر خم نازل ہوئی آیہ اکملت حضرت کے خطبہ تمام کرنے کے بعد اسی موقع پر جبرئیل لے کر آئے۔ مومن منصف کے لئے علماء کے مصنفات کافی ہے چونکہ اس واقعہ کے چار پہلو ہیں۔ اس لئے ہر پہلو سے اس کا اثبات ضروری ہے (۱) تاریخ ۲۔ حدیث ۳۔ تفسیر ۴۔ علم کلام و اقوال متکلمین۔

تاریخی اعتبار سے ملاحظہ ہو ائمۃ المورخین کی تواریخ بہ

۱۔ علامہ بلاذری کی تاریخ انساب الاشراف متوفی ۲۷۶ سنہ ہجری
۲۔ ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ سنہ ہجری کی الامامتہ والسیاستہ
۳۔ طبری متوفی ۳۱۰ سنہ ھ کی تاریخ۔
۴۔ ابن زراولاق متوفی ۴۶۳ سنہ ھ کی تاریخ
۵۔ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ سنہ ھ استعاب
۶۔ علامہ شہرستانی کی ملل ونحل
۷۔ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ سنہ ھ کی تاریخ
۸۔ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ سنہ ھ کی تاریخ
۹۔ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ سنہ ھ کی اسدالغابہ
۱۰۔ ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۶ سنہ ہجری شرح نہج البلاغہ
۱۱۔ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ سنہ ہجری کی تاریخ
۱۲۔ علامہ یافعی متوفی ۷۶۸ سنہ ہجری کی مرآۃ الجنان
۱۳۔ ابن کثیر شامی المتوفی ۷۷۴ سنہ ہجری کی البدایہ والنہایہ
۱۴۔ ابن خلدون متوصی ۸۰۸ سنہ ہجری کی تاریخ کا مقدمہ۔
۱۵۔ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ سنہ ہجری کی اصابہ
۱۶۔ ابن صباغ مالکی متوفی ۸۵۵ سنہ ہجری کی الفصول المہمہ
۱۷۔ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۰ سنہ کی تفسیر درمنثور
۱۸۔ نورالدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ سنہ ہجری کی سیرت حلبیہ

ا۔ ائمہ حدیث کے سنن ومسانید صحاح میں سے ملاحظہ ہوں

۱۔ ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ سنہ ہجری کی کتابیں
۲۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ سنہ ہجری کی مسند ومناقب
۳۔ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ سنہ ہجری کی سنن
۴۔ ترمذی متوفی ۲۷۹ سنہ ہجری کی صحیح
۵۔ امام نسائی متوفی ۳۰۳ سنہ ہجری کی خصائص

٦۔ ابو یعلیٰ موصلی متوفی ۳۰۷ سنہ ہجری کی مسند

٧۔ علامہ بغوی متوفی ۳۱۷ سنہ ہجری کی سنن

٨۔ حاکم متوفی ۴۰۵ سنہ ہجری کی مستدرک

٩۔ خطیب خوارزمی متوفی ۵۶۸ سنہ ہجری کی مناقب

١٠۔ گنجی شافعی متوفی ۶۵۸ سنہ ہجری کی کفایۃ الطالب

١١۔ محب الدین طبری متوفی ۶۹۴ سنہ ہجری کی الریاض النضرۃ

١٢۔ حموینی متوفی ۷۲۲ سنہ ہجری کی فرائد السمطین

١٣۔ ابو العباس قسطلانی متوفی ۹۲۳ سنہ ہجری کی المواہب اللدنیہ

١٤۔ قاری ملا علی متقی متوفی ۹۷۵ سنہ ہجری کی کنز العمال

پس حدیث کی کتابوں میں یہی کافی ہیں اب آئمۃ التفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے اور دونوں آیتوں کے متعلق الگ الگ دیکھا جائے تو آیہ تبلیغ کے بارے میں ملاحظہ ہوں :

مولیٰ کے لغوی معنے

١۔ چچازاد بھائی ٢۔ غلام کا آزاد کرنے والا ٣۔ وہ غلام جو آزاد ہو چکا ہو ٤۔ بندہ (غلام) ٥۔ مالک و آقا
٦۔ تابع ٧۔ جس پر احسان کیا گیا ہو ٨۔ شریک ٩۔ ہم قسم ١٠۔ صاحب و ساتھی ١١۔ ہمسایہ ١٢۔ نزیل یعنے وارد شدہ
١٣۔ داماد ١٤۔ نزدیک والا ١٥۔ احسان کرنے والا ١٦۔ ہم عہد و ہم صحبت ١٧۔ ولی و دوست ١٨۔ اولیٰ بالشئی ١٩۔ سید و سردار آقا و مالک
(٢٤) محبت رکھنے والا (٢٥)۔ مددگار (٢٦) متصرف امور (٢٧) متولی امور

نوٹ :- اس پر غور کیا جائے کون سے معنے اس موقع کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں لوگوں نے امیر المومنین کو اپنا وہ مولا سمجھ لیا جس کی بنا پر حارث بن نعمان فہری نے وادی سے مدینہ آکر رسول اللہ سے کہا یا محمد تو نے کہا شہادتوں کے متعلق ہم نے مان لیا تم نے نماز، زکوٰۃ حج کے لئے کہا ہم نے مان لیا پھر بھی تم راضی نہ ہوئے اور اپنے ابن عم کے دونوں بازو پکڑ کر اس کو ہم پر مسلط کر دیا اور کہہ دیا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔ کیا ابن عم، غلام اور دوست وغیرہ کے معنوں میں کوئی ایسی ناگوار فضیلت تھی جسے گوارا کرنا دشوار ہو، سوا اولیٰ بتصرف کے جس کے معنے امارت و امامت ہیں یا حضرت عمر نے جو مبارک باد دی تھی اور کہا کہ علی آج سے تو تم میرے اور تمام مومنین و مومنات کے مولیٰ بن گئے یہ دوست و ولی و محسن و ناصر یا غلام یا ابن عم یا ہمسایہ وغیرہ کے معنوں کے اعتبار سے مبارکباد دی تھی یا امارت و ولایت کی۔ اور خیمے میں جو سب سے بیعت کرائی گئی وہ کس بنا پر اور لوگوں کو

جو تاکید متابعت امیر المومنین فرمائی گئی وہ کس بناء پر اور جو خوشیاں منائی گئیں اور قصیدہ خوانیاں ہوئیں وہ کیوں؟

اسماء حفاظ اہل سنت

یعنی جن حضرات نے مولیٰ کے معنے اولیٰ بتصرف و متولی امور کے لکھے ہیں :-

۱۔ احمد بن حنبل ۲۔ ابن ماجہ ۳۔ نسائی ۴۔ شیبانی ۵۔ ابو یعلیٰ ۶۔ طبری ۷۔ ترمذی ۸۔ طحاوی ۹۔ ابن عقدہ ۱۰۔ عنبری ۱۱۔ ابن حاتم ۱۲۔ طبرانی ۱۳۔ قطیفی ۱۴۔ ابن بطہ ۱۵۔ دار قطنی ۱۶۔ ذہبی ۱۷۔ حاکم ۱۸۔ ثعلبی ۱۹۔ ابو نعیم ۲۰۔ ابن سمان ۲۱۔ بیہقی ۲۲۔ خطیب ۲۳۔ سجستانی ۲۴۔ ابن مغازلی ۲۵۔ حسکانی ۲۶۔ عاصمی ۲۷۔ خلعی ۲۸۔ سمعانی ۲۹۔ خوارزمی ۳۰۔ بیضاوی ۳۱۔ ملا علی ۳۲۔ ابن عساکر ۳۳۔ ابو موسیٰ ۳۴۔ ابو الفرج ۳۵۔ ابن اثیر ۳۶۔ ضیاء الدین ۳۷۔ قزاولی ۳۸۔ گنجی شافعی ۳۹۔ تفتازانی ۴۰۔ محب الدین ۴۱۔ وصابی ۴۲۔ حموینی ۴۳۔ ایجی ۴۴۔ ولی الدین ۴۵۔ زرندی ۴۶۔ ابن کثیر شامی ۴۷۔ شریف ۴۸۔ شہاب الدین ۴۹۔ جزری ۵۰۔ مقریزی ۵۱۔ ابن صباغ مالکی ۵۲۔ ہیثمی ۵۳۔ میبدی ۵۴۔ ابن حجر عسقلانی ۵۵۔ اصیل الدین ۵۶۔ سمہودی ۵۷۔ کمال الدین طلحہ شافعی ۵۸۔ بدخشی ۵۹۔ شیخانی ۶۰۔ سیوطی ۶۱۔ حلبی ۶۲۔ ابن باکثر ۶۳۔ سہارنپوری ۶۴۔ ابن حجر مکی وغیرہ وغیرہ۔

جب اکابر علماء و محدثین و مفسرین و مورخین نے معانئے اولی بتصرف مان لئے ہوں تو پھر بیچارے مسلمانوں کو شک میں ڈالنا اور یہ کہنا کہ مولیٰ کے معنے دوست کے ہیں یعنی جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے کوئی خاص معنے نہیں نہ یہ کوئی ایسی بڑی فضیلت ہے جس پر تاکید تھی بیعت، تہنیت مبارک بادی کی قصیدہ خوانی کی جائے۔

واللہ اعلم

جناب ڈاکٹر سید علی مومن صاحب

ولایت امیر المومنین

۱۸ ذی الحجہ ــــــــــــ اعلان غدیر

ماہ ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ دنیائے اسلام میں عظیم اہمیت رکھتی ہے ۔ اس روز حکومتِ الٰہیہ کے نظام کا مہتم بالشان طور سے انعقاد کیا گیا ۔ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج سے واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ سنہ ھ کو خم غدیر کے مقام پر بحکم خدا مسلمانوں کے عظیم الشان عوامی اجتماع میں غیر معمولی اہتمام فرماکر اعلان کیا "مَن کُنتُ مَولَاہُ فَھٰذا عَلِیٌّ مَولَاہُ" یہ نظام باعثِ تکمیل دین اسلام ہے اور اسی نظام کو خدا تعالیٰ اتمام نعمت قرار دے رہا ہے ۔ (مائدہ : ۳، ۶۷)

یہ واقعہ تاریخ عالم میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے کوئی رازکی بات خفیہ اجتماع یا ڈھکا چھپا اقدام نہیں جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہو سکے ۔ قرآن واحادیث اور تواریخ وتفاسیر کے بے شمار حوالے اس واقعہ کی اہمیت اور حقیقت کے بارے میں ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتے ہیں ۔ اسلام کے اس اہم اجلاس میں شریک ہونے والے تمام مشاہیر ، ادباء ، دانشمندوں کے بیانات ، تاثرات اور چشم دید حالات کا تذکرہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہے ۔ واقعہ غدیر روایت کرنے والوں کی فہرست میں ایک سو دس اصحاب رسول اور چوراسی تابعین کے اسمائے گرامی ملتے ہیں دوسری صدی ہجری سے چودھویں صدی تک جائزہ لیا جائے تو چار سو کے قریب وہ ائمہ تفسیر وحدیث اور ناخدایان تاریخ وتنقید نظر آئیں گے جنہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصانیف میں غدیر کی تفصیلات پر معتبر راویوں کی سند سے روشنی ڈالی ہے (۵۱)

علاوہ بریں غدیر ہر دور میں شاعروں اور ادیبوں کا بھی دل پسند موضوع رہا ہے ۔ اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے وقت سے لے کر اب تک ہر عہد کے اساتذۂ فن اور ماہران شعر وسخن نے غدیر پر قصیدے کہے غدیر مشرق کی بزم ادب کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے ۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں لبنان کے مشہور ومقبول مسیحی ادیب بولس سلامہ نے عید غدیر کے نام سے اپنے منظوم تاثرات پیش کئے ہیں ۔ یہ شاہکار تین ہزار ایک سو ستاون اشعار پر مشتمل ہے جسے مطبع النشر بیروت نے شائع کیا ہے علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں اس صنف کلام پر

۱۸ جلدوں میں بحث کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ (۵۱)

واقعہ غدیر کی اس غیر معمولی شہرت و عظمت کو دیکھ کر علامہ ضیاء الدین مقبلی (متوفی ۱۱۰۸ھ) جیسے صاحب نظر کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اگر حدیث غدیر نامعلوم ہے تو پھر دین اسلام کی کسی بات کو بھی ثابت وظاہر نہیں کہا جاسکتا۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جسے سیرت نگاروں نے قلمبند نہ کیا ہو۔ آپ کی حیات طیبہ پر تاریخ کی مکمل روشنی پڑتی ہے۔ آپ کی سیرت و کردار، افعال و اقوال، حرکات و سکنات مورخین کی تنقید، مخالفین کی نکتہ چینی اور معتقدین کے غور و فکر کے سامنے ہیں اور یہ بات فقط آپ تک ہی منحصر نہیں بلکہ آپ کی آسمانی کتاب قرآن شریف کے سلسلے میں بھی کوئی حقیقت مخفی نہیں اس کی ہر ایک سورۃ بلکہ ہر ایک آیت کا شان نزول، وقت نزول، مقام نزول لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہیں خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع کے مقدس سفر کو جو اہمیت حاصل ہوئی اس کے پیش نظر جن جن راہوں سے یہ کاروانِ رسالت گزرا ہے اور جن جن منزلوں پر مقیم ہوا اور جن جن مقامات کو نماز کی ادائیگی سے عزت بخشی۔ تمام تفصیلات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں ان ہی میں واقعہ خم غدیر ہے۔ جن مستند طریقوں سے اس واقعہ کے تمام اجزاء نے شہرت حاصل کی اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی حالانکہ بعض مورخین و محدثین نے غیر معمولی اختصار اور کتر بیونت کے ساتھ اس اہم واقعہ کے حالات نقل کئے ہیں لیکن پھر بھی جو کچھ حقیقت مندانہ انداز میں قلم سے نکل گیا کافی اہمیت رکھتا ہے آخر میں چند مشہور و معروف مورخین و محدثین اور مستند کتب کی فہرست درج کی گئی ہے جو واقعہ غدیر کے سلسلے میں اسناد تصور کی جاتی ہیں متن مضمون میں حوالہ کے لئے نمبر دیئے گئے ہیں۔

ان اکابر اسلام کی تحقیقات کی بنا پر واقعہ غدیر کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم نے ہجرت کے بعد پہلی بار ۱۰ھ میں حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ اس خبر کے عام ہوتے ہی ہم رکابی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے عرب کے گوشے گوشے سے لوگ امنڈ آئے چنانچہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے سفر حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہوئے تو لوگ کثرت سے آپ کے ساتھ شامل ہو گئے مشہور مورخ ابن اثیر جزری کے مطابق حجۃ الوداع کے موقعہ پر کوئی ایک لاکھ چالیس ہزار افراد کا مجمع تھا (۵۱)

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد واپسی پر آنحضرت غدیر خم کے نزدیک پہنچے یہ مقام مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی راہ پر تیرہ میل کے فاصلے پر جحفہ کے قریب واقع ہے یہاں سے مدینہ، مصر، شام اور عراق کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک تالاب "غدیر" ہے جس کو خم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ دن پنجشنبہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق ۱۰ مارچ ۶۳۲ء تھا کہ آپ کو تاکیدی حکم ہوا یعنی" اے رسول! پہنچا دو امت تک وہ پیغام جو تیرے رب کی طرف سے تجھ تک آیا ہے (نشر و اشاعت شروع کر اس حکم کی جو تیرے پالنے والے کی طرف سے نازل ہوا ہے) اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا رسالت کے فرائض ہی ادا نہ کئے۔ خداوند تعالی

تجھ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا (محفوظ رکھے گا)۔ (مائدہ: ۶۷)

یہ ایسا حکم تھا کہ جس کے ادا نہ ہونے سے آنحضرت کی رسالت ناقص سمجھی جاتی۔ اس حکم کے پاتے ہی جناب رسول خدا نے حکم دیا کہ سب ٹھہر جائیں جو لوگ آگے چلے گئے ہیں وہ پیچھے بلالئے جائیں زمین کانٹوں سے صاف کی جائے درختوں کی شاخیں تراشی جائیں اور پالان ہائے شتر سے منبر بنایا جائے نماز کی منادی ہوئی۔ بعد ختم نماز ظہر ختم المرسلین حبیب کبریا نے خطبہ کے لئے اس انوکھے اور عظیم تاریخی منبر کو بنایا گیا۔ خطبہ سے پہلے آپ نے حضرت علی کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنے ہمراہ منبر پر لے گئے۔ حمد باری تعالیٰ کے بعد آپ نے امت کو عنقریب آنے والی موت سے آگاہ کر کے اپنے اہل بیت کی معرفت ان الفاظ میں کرائی "میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ ہیں یعنی قرآن شریف اور میری عترت میرے اہل بیت خیال رکھو تم ان دونوں سے میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس کوثر پر روز قیامت وارد ہوں۔ اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہو تو میرے بعد قیامت تک گمراہ نہ ہوگے"۔ (۱، ۲، ۴، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۹، ۳۲، ۳۳، ۳۹، ۴۰)۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی کو شانہ سے پکڑ کر اتنا اٹھایا کہ آنحضرت کے بغل کی سفیدی نمایاں ہونے لگی اور فرمایا لوگو! خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان کی جانوں پہ تصرف رکھتا ہوں جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے خداوندا دوست رکھنا اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور چھوڑ دے اس کو جو علی کو چھوڑ دے"۔ (۱، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸) جب آنحضرت حکم خداوندی یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کی تعمیل فرما چکے اور علی مرتضیٰ کی مولائیت کا اعلان ہو چکا لوگ جوق در جوق مبارک سلامت کے لئے منبر کی طرف بڑھے تو اسی اثنا میں آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا نازل ہوئی یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت بھی پوری کر دی اور اس اسلام کو میں نے تمہارے لئے دین پسند کیا (مائدہ: ۳) گروہ علماء نے جا بجا اپنی تصانیف میں اس امر کی وضاحت کی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ یہ آیت اسی روز بعد اعلان رسول من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ نازل ہوئی۔ (۱، ۲، ۱۴، ۲۶، ۲۷)

اس اعلان کے بعد جناب رسول خدا کے حکم کے بموجب حضرت علی ایک خیمہ میں جلوہ گر ہوئے اور وہاں گروہ در گروہ امت نے جا کر مبارکباد دی۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ہدیہ تبرک پیش کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کئے وہ یہ تھے بخٍ بخٍ لک یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنۃ زہے نصیب مبارک ہو اے ابوالحسن! تم نے صبح کی در آنحالیکہ تم میرے اور تمام مومنین کے مولا ہو اسی طور پر مہاجر و انصار میں سے ہر شخص باری باری تبریک پیش کی۔ اس کے بعد جناب رسول خدا نے امہات المومنین کو حکم دیا کہ حضرت علی کے خیمہ میں جا کر انہیں مبارکباد دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ یہ سلسلہ تین دن تک جاری رہا (۳، ۴، ۶، ۱۳، ۲۹، ۳۰، ۳۱) (ط ۴۳)

غرض کہ واقعہ خم غدیر ایک زندہ حقیقت ہے اور اس کی تفصیلات مکمل اور واضح ہیں جو تاریخی حیثیت رکھتے ہیں جس کی بنا پر حضرت علی کو مولا تسلیم کرنا جزو ایمان ہے ۔ فرمان رسول ہے ۔ البتہ مولیٰ کے معنی اور مفہوم میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے ۔ لبعضوں کا خیال ہے کہ مولیٰ (ولیت ولی) پیشوائی اور سرداری کے معنوں میں نہیں بلکہ یہ دوست مددگار اور چچازاد بھائی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے لہذا یہ اعلان جناب امیرالمومنین کی خلافت پر نص نہیں ہے ۔ مجھے یہاں مسئلہ خلافت سے بحث مقصود نہیں لیکن اس شخص کے فہم وادراک کی توہین تصور کرتا ہوں کہ جو اس عذر کو قبول کرے اس کی نظر میں تو حضرت علی اسی عنوان سے امت کے مولا ہیں جس طرح رسول اکرم مومنین کے مولا ہیں ۔ ایک حنفی المذہب بزرگ نے سچ کہا ہے ؎ علی مولا باین معنی کہ پیغمبر بود مولیٰ

مزید براں پیغمبر اکرم نے بھی اپنے خطبہ غدیر میں مولیٰ کے حقیقی مفہوم کو پوری طرح واضح فرمایا ہے اور جس غیر معمولی انتظام اور عملی تدبیر کے ساتھ یہ اعلان کیا گیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار رسالت نے اس لفظ کو دوست کے معنی میں استعمال نہیں کیا تھا ۔ ورنہ آنا بڑا اہتمام ۔ بغیر منزل کے جگہ پر قیام کرنا ۔ آیہ بلغ کا نازل ہونا ۔ تمام لوگوں کو یکجا کرنا ۔ اعلان کے لئے جلسہ گاہ کی ترتیب وتنظیم ، اونٹوں کے پالان کا منبر ، خطبہ سے پہلے حضرت علی کے سر پر عمامہ باندھنا جو جانشینی کی خاص علامت ہے جس کو رسم دستار بندی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اس شدت سے اعلان کرنا اور تہنیت اور مبارکبادی کے لئے امت وامہات المومنین کو حکم دینا یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ لوگوں کو جتایا جائے کہ علی تمہارے دوست ہیں یا میرے چچازاد بھائی ہیں جبکہ مومنین ایک دوسرے کے بھائی اور دوست ہوتے ہیں ۔ کل مومنون اخوۃ ۔ یہ انداز اعلان اور طریق تعارف ، خلوص ہدایت ، طہارت فکر اور نزاہت تبلیغ کے منافی ہے چنانچہ مامون الرشید کے سامنے جب لفظ مولیٰ کے سلسلے میں جدل سرائی اور خیال آرائی کی گئی تو اس نے دانشمندی کی بھری محفل سے مخاطب ہو کر کہا کہ جو بچہ ایک بچہ سے منسوب نہیں ہو سکتا ہے اسے پیغمبر جیسی عظیم شخصیت سے کس طرح نسبت دی جا سکتی ہے کہ رسول مقبول نے انتہائی غیر معمولی حالات میں اتنے بڑے مجمع کو صرف یہ بتانے کے لئے روکا تھا کہ وہ جس کے دوست ہیں علی اس کے دوست ہیں یا وہ جس کے ابن عم ہیں علی بھی اس کے چچازاد بھائی ہیں ۔ دیکھو! تم اپنے فقیہوں کو دریوتا بنانے کی کوشش نہ کرو" (۴۶)

ماننا پڑتا ہے کہ صاحب " وما ینطق عن الھویٰ " کے اس عظیم ترین اعلان من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ " میں مولیٰ کے معنی کچھ اور ہیں اور وہ مالک ومختار اور حاکم علاوہ دیگر نہیں ہو سکتے اس امتیازی اعلان اور انوکھے تعارف سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو علی ہیں وہ دوسرا کوئی نہیں اور یہ حاکم ومختار ہی کی شان ہے دوست تو بہت سے ہو سکتے ہیں ۔ حاکم ہی ایک ہوتا ہے اور پھر یہ کہنا کہ جس طرح خدا میرا مولا ہے میں ایمان والوں کا مولا ہوں ۔ پس جس کا میں مولا ہوں اسکے علی مولا ہیں " تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ سرکار دوعالم نے اس جملہ کو تین بار دہرایا ۔ امام احمد بن حنبل کا اصرار ہے کہ تین بار نہیں بلکہ چار بار حضرت نے اس جملہ کی تکرار فرمائی اور یہ تاکید نہایت ضروری تھی تاکہ لوگوں کو اس بات کی

اہمیت کا احساس ہو سکے۔ مزید براں سرکارِ رسالت کا یہ حکم کہ "جو لوگ اس وقت حاضر ہیں وہ اس امر کو ان افراد تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں" گویا ہر مومن کا یہ فریضہ قرار دیا گیا کہ اس اعلان کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرے۔ کیونکہ اس میں اکمالِ دین و اتمام نعمت الٰہی کا راز مضمر ہے۔

یہ ایک مسلّم امر ہے کہ جناب رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ قیامت تک کے لئے نبی ہیں اور آپ کی ہدایت کا سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہنا ہے اور آپ کی ہدایت ایک نعمت ہے اس کا اتمام اس وقت ہی ہوا کہ جب قیامت تک کے لئے ہادیوں کے سلسلہ کو خداوند عالم نے مقرر کر دیا اور یہی اس اعلان کا حقیقی مفہوم اور اصل مقصد ہے جو بعد رسولؐ حضرت علی کے ہادی برحق ہونے اور ان کی اطاعت مطلقہ پر دلالت کرتا ہے۔

کاش! اس اعلان کو بخلوص نیت قبول کر لیا جاتا تو اسلام میں فرقہ بندی کی وبا ہی نہ پھیلتی اور مسلمانان عالم میں اخلاقی، روحانی، ایمانی اور معاشرتی پستی نہ پائی جاتی وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کیطرح باطل کی قوتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شکستِ فاش دیدیتے۔

ہم اپنی اس بدبختی اور فراموشی کو زیرِ بحث نہیں لانا چاہتے۔ مولا کے کچھ ہی معنی ہوں آقا، حاکم، سردار یا دوست جناب رسولِ خدا کا مہتم بالشان طریقے سے حضرت علی کو اپنے مانند امت کا مولا قرار دینا ایک بہت بڑا اعزاز اور عظیم منصب ہے دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت علی بذاتِ خود اپنے کردار، اوصاف وصفات کی بنا پر بھی اس عہدہ جلیلہ کے اہل و مستحق قرار پاتے ہیں یا معاذ اللہ رسول اکرمؐ نے قرابت داری کے تحت اپنے ابن عم کو امت پر مسلط کرنا چاہا تھا۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت کسی جانبداری، شخصی طرفداری، اقربا نوازی یا کنبہ پروری کا خیال وگمان معرفت رسول سے لاعلمی اور عدم معرفت کا باعث ہے۔ نبی کا ہر قول اللہ کی مرضی کے عین مطابق ہوتا ہے جیسا کہ حکم خدا ویسا ہی فعل رسولؐ، حضرت علی کے بارے میں جو جو رسول خداؐ کے ارشادات ہیں یا افعال ہیں وہ سب خدا ہی کے حکم کے تحت ہیں۔ البتہ مولا علی کے استحقاق اور اہلیت کے پرکھنے کیلئے ہم کو انکی حیاتِ طیبہ پر گہری نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ ہم پر حقیقت کا انکشاف ہو سکے اور ہمارے یقین و ایمان میں استحکام ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے خانہ کعبہ میں آپ کی ولادت سے لیکر مسجد کوفہ میں شہادت کے واقعہ تک کا تمام عرصۂ حیات انسانیت کے لئے بہترین درسِ عمل اور آپ کی زندگی کا ہر پہلو جملہ انسانوں کے لئے بہترین دعوتِ فکر ہے۔

آپ بعثت نبوی سے تقریباً دس برس پہلے پیدا ہوئے ولادت کے وقت آپ کی جو شرافت و بزرگی ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ یہ شرف آپ کی عظمت وطہارت اور عصمت کا بیّن ثبوت ہے۔ بیت اللہ غیر معصوم کا

زچہ عادی نہیں بن سکتا۔ اور جس معصوم کی جائے پیدائش بنا اسکی جلالت شان انسانی تصورات سے بالا تر ہے۔

حضرت علی پر کم سنی ہی سے خدا کی عنایت شامل حال ہوئی۔ یہ قدرت ہی کیطرف سے انتظام تھا کہ رسول خاتم خلق عظیم نے انہیں اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔ دن رات سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے نبوت کی گود میں پرورش پائی اور اسلام کے نورانی ماحول میں تربیت حاصل کی۔ کاشانۂ رسالت جس کی تربیت گاہ اور رحمۃ اللعالمین جس کی پناہ ہو اس عظیم شخصیت کے کردار کی بلندی اور اس ہستی رعنا کے جمال کو کون پہچان سکتا ہے نبی جانتے یا خدا جانتے۔

اوائل عمری سے حضرت علی کو رسول کی صحبت نصیب ہوئی۔ اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا سب کچھ رسول اللہ کے ساتھ ہوتا۔ عام لوگوں سے ملاقات میں، مشورے کی مجلس میں، تعلیم وارشاد کے مجموں میں، تبلیغ وہدایت کی کوشش میں، کفار ومشرکین کے ساتھ مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت میں غرضکہ ہر قسم کی صحبتوں اور پیغمبرانہ زندگی کے مشاغل میں بانی اسلام کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ حضرت علی کی زبان نہ کبھی کلمہ کفر وشرک سے آلودہ ہوئی اور نہ انکی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اسلام ان کی سرشت میں داخل تھا۔ علم وعرفان نے اس میں کچھ اضافہ کیا بھی تو بس اتنا جتنا علم وتجربہ کسی انسان کی فطری صلاحیتوں میں کرتا ہے۔

اس طرح حضرت علی نے بچپن سے لیکر وفات نبوی تک کامل تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت ورفاقت باعظمت میں گزارے۔ اس لئے اسلام کے احکام وفرائض اور ارشادات نبوی کے سب سے بڑے عالم وہی تھے اور اسلامی علوم ومعارف کے اصل سرچشمہ قرآن پاک سے حضرت علی پوری طرح سیراب تھے ان کو نہ صرف پورے قرآن پر کامل عبور حاصل تھا بلکہ اسکی ایک ایک آیت کے معنی اور شان نزول سے بھی واقف تھے چنانچہ ایک موقعہ پر خود اس کا اظہار فرمایا کہ "میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہاں، کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی"۔ یہ حقیقت ہے کہ تاریخی حقائق قرآنی معارف اور محاسن اسلام میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا جہاں تک آپکے علم وفضل اور تفقہ فی الدین کا تعلق ہے تو اس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا رسول اکرم کا ارشاد " انا مدینۃ العلم وعلی بابھا " آپ کی جلالت علمی پر ایک مضبوط شہادت ہے۔ علم وعرفان اور جرأت وحق گوئی نے آپ کی ذات سے نئی زندگی پائی اور فہم قرآن، تفسیر، حدیث اور فقہ میں آپ انتہائی ممتاز درجہ پر فائز تھے۔ اکابر فقہا فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آنحضرت نے مقدمات کے فیصلے میں مہارت رکھنے کی وجہ سے ہی آپ کو " اقضاھم علی " کے معزز خطاب سے نوازا تھا۔ آپکے فیصلے اسلامی فقہ کی بنیاد ہیں اور آج بھی قانون داں اور منصف صاحبان آپکے فیصلوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور اس وقت بھی ان حضرات کو جو عدل وانصاف کی مسند پر جلوہ افروز تھے یہ اعتراف کرنا پڑا تھا کہ " علی نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہوجاتے " یہ ہلاکت جسمانی نہ تھی بلکہ دینی، ایمانی اور روحانی تھی۔ غرضکہ علی سے وابستگی کے بغیر فیض مصطفوی کا حصول اور صراط مستقیم کی جستجو میں نجات اخروی ممکن نہیں اور نہ تکمیل اسلام اور استقامت ایمان ہوسکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب بصیرت اس مقدس در پر سر تسلیم خم کرتے

نظر آتے ہیں اور عمل کی بھیک مانگنے کے لئے اور معرفت کا درس لینے کے لئے، صراط مستقیم کی جستجو میں انہیں کوئی دوسرا دروازہ دکھائی نہیں دیتا۔

صوفیائے طریقت کے تمام سلسلے اپنا رشتہ حضرت علی سے منسلک کرتے ہیں اور ہر مکتب فکر کے علما، اپنی علمی کاوشوں کا منبع حضرت علی کو بتاتے ہیں حضرت علی کے علمی شہ پارے اور کارنامے رہتی دنیا تک انسانوں کی رہنمائی کے لئے موجود رہیں گے۔ آپ جملہ علوم کا سرچشمہ ہیں، باب العلم ہیں، علم قرآن ہو یا علم حدیث، علم فقہ ہو یا علم طریقت، علم نفس ہو یا علم فلسفہ، علم نجوم ہو یا علم ہیئت، علم روحانیت ہو یا علم افلاک فنونِ جنگ ہوں یا علم سیاست حضرت علی کو ہر قسم کے علم پر عبور حاصل تھا۔ واقف اسرار الٰہی، حامل علم لدنی جناب سرورِ کائنات کا یہ ارشاد " انا دار الحکمة وعلی بابها" حضرت علی کے علم وحکمت کے کمال کی سند ہے اور دلالت کرتا ہے کہ علوم ومعارف کا ایک سمندر تھا جو آپکے سینہ میں موجزن تھا اس لیے جس وقت فن خطابت کی کل انتہائیاں ہوتیں تو بڑے بڑے شاعر وادیب اور فلسفی سر دھنتے اور اس حکیم ربانی کی بے پناہ عظمت کا اندازہ عقل انسانی سے باہر ہو جاتا ہے۔ آپ انتہا درجہ کے فصیح وبلیغ تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے ہر وقت فصاحت وبلاغت کے چشمے پھوٹتے تھے اور خطابت میں کوئی شخص آپ کا ہم پلہ نہ تھا شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ عربی قواعد گرامر اور فن نحو کے بھی موجد ہیں۔ آپکے خطبات اور کلام عربی زبان کے بہترین ادبی شاہکار مانے گئے ہیں المختصر آپ علمی فضائل وکمالات کے نہایت ہی بلند درجہ پر فائز تھے۔

علم وحکمت میں یکتائے زمانہ مولائے کائنات حضرت علی زندگی بھر صراط مستقیم پر پوری ثابت قدمی کے ساتھ گامزن رہے اور کسی خوف اور حرص وطمع نے آپکے قدم کو جادۂ حق سے ذرہ برابر ہٹنے نہ دیا۔ شرافت اور کلمۂ حق کے اظہار کا جب بھی اور جہاں کہیں موقع آیا آپنے ہمیشہ اپنا فرض ادا کیا اور اس بات کو کبھی اپنے حاشیۂ تصور میں بھی نہ لائے کہ دوسرے لوگ اپنے فرائض سے غفلت وکوتاہی برت رہے ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور ہدایت کے خلاف کوئی بات ہرگز گوارا نہ کرتے اور اصلاح کی کوشش فرماتے اور حقیقی عمل کی ہدایت کرتے آپ کی پوری زندگی اسوۂ رسول اور تعلیمات قرآنی کی کامل تفسیر تھی۔

حقیقتاً حضرت علی کی ذاتِ والا صفات وہ گرامی ذات ہے جو سرورِ کائنات کی روحانی آغوش میں پرورش پاکر غیر معمولی فضائل وکمالات کی مالک بن گئی قلب ودماغ اور فکر وعمل کی اونچی سے اونچی منزل جس کے قدموں کے پیچھے آگئی اور جو باعثِ فخرِ انسانیت بن کر ایسی کامل شخصیت کی حیثیت سے ابھری جس کا ہر قول اور ہر عمل درسِ عظیم ہے اور جس کو خود فخرِ موجودات سرورِ کائنات نے پسند فرمایا اور ایک منتخب اور افضل ترین منفرد ہستی کی حیثیت سے مسلمانوں سے روشناس کرایا۔ احادیث وسیر کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ کثیر تعداد میں ایسی روایتیں ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم حضرت علی کو بہت چاہتے تھے اور پسند فرماتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ حضورؐ کی نظر میں کون شخص زیادہ محبوب اور پیارا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا عورتوں میں سب سے زیادہ "فاطمہؑ" اور مردوں میں "فاطمہؑ" کے شوہر حضرت علی سے رسول اللہ کی یہ خصوصی محبّت دنیاوی تعلقات پر نہیں بلکہ ان روحانی اوصاف وصفات کی بنا پر جو ان میں حضور اکرم صاحب خلق عظیم کی تربیت وصحبت کا ماحصل تھے۔

چنانچہ جب رسول اللہؐ نے مدینہ میں مہاجرین وانصار سے مواخات بھائی چارا قائم کیا تو حضرت علیؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا اور فرمایا کہ دونوں جہانوں میں میرے بھائی ہو۔ اس عظیم اور معنی خیز خطاب پر ہی اکتفاء کیا بلکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ "اے علی تم میرے نزدیک اسی درجہ پر فائز ہو جس پر حضرت ہارونؑ موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک فائز تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آپ کی فضیلت، کمالات اور اوصافِ حمیدہ کے متعلق سرورِ کائنات نے مختلف اوقات میں جو ارشادات فرمائے ہیں وہ کتب احادیث کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ اگر ان فرمودات پر نگاہ ڈالی جائے تو معرفت اور حقانیت کے ابلتے ہوئے چشمے نظر آتے ہیں۔

ایسی حالت میں اگر حضرت علی علیہ السلام اسلام کی عقلی وروحانی مملکت کا تاجدار بن گئے یا بنا دیئے گئے اور حکمت واخلاق کی دنیا میں انہوں نے دانش وعمل کے پائیدار سکے چلا دیئے تو حیرت کا کیا محل ہے۔ کیا شک ہے حق براجع رسید یہ ماننا حق بجانب ہے کہ مولا علی اپنے ذاتی اوصاف، ذہنی صلاحیت، فکری رجحانات، علمی وعقلی فضائل۔ روحانی کمالات اور بلند کردار کی بنا پر اس منصب جلیلہ کا اہل قرار پاتے ہیں۔ آپ نے اپنے قول وعمل سے بھی ثابت کر دیا کہ انسان کامل کی صحبت میں پروان چڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ فخر انسانیت، ختمی مرتبت حضور نبی کریمؐ ہی وہ کامل واکمل انسان ہیں جنہوں نے اپنے حسن اخلاق وصفات برگزیدہ سے انسانی تہذیب وتمدن کو بہترین صورت میں تبدیل کر دیا اور فکر انسانی کو "قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" کے انقلاب آفرین الفاظ سے دعوتِ عمل پیش فرمائی کہ ایسے خالق کائنات اور مالک ارض وسماوات کو اپنا مطاع مطلق مان کر اس کے ارشادات واحکامات کو لائحہ عمل کے طور پر اپنا کر انسانیت کی بہتری وبھلائی کے لئے کوشاں ہو جائیں۔ حضرت علی نے ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی ہستی کو فراموش نہیں کیا اور اس کے رسول پر پروانہ وار نثار رہے۔ اللہ اور رسول کے مشن کو کامیاب بنانے میں اپنی ساری زندگی صرف کر دی۔ اسلام کا پرچم بلند کرنے میں لازوال حصہ لیا اور اپنی جان پر کھیل کر شمع رسالت کی حفاظت کی۔ تبلیغ دین میں وہ شاندار کارنامے انجام دیئے جن کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو رسول اللہ کا مشن کامیاب نہ ہوتا۔

خدمتِ دین اور حفاظتِ رسالت کے سلسلے میں شیرِ خدا علی مرتضیٰ نے اپنے پدر بزرگوار جناب ابوطالب کی جدوجہد دیکھی تھی اور شعب ابوطالب میں نصرت نبوت کی صعوبتیں برداشت کی تھیں گویا آپ نے اپنے بچپن ہی سے اسلام کی خاطر فداکاری اور جاں فروشی کی تربیت حاصل کی تھی۔

یہ اسی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب رسولِ اللہ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے دعوتِ اسلام دی اور فرمایا "میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا" (طبری) سب خاموش رہے لیکن حضرت علی جن کی عمر ابھی بمشکل تیرہ چودہ سال تھی اطمینان و عزم کے ساتھ پکار اٹھے "گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں آپ کا یاور دوست و بازو بنوں گا" بچے کی یہ باتیں سنکر حاضرین مذاق اڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس دعوت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن آئندہ واقعات نے دکھا دیا کہ جو کچھ اس لڑکے نے کہا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔ آغاز سے ہی اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے جو جذبۂ محبت و خدمت حضرت علی کے دل میں موجزن تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

آنحضرت کی ہجرت مدینہ کے موقعہ پر حضرت علی نے فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال نمود پیش کیا جو قیامت تک یادگار رہے گا۔ حضور سرورِ دوجہاں کے ارشاد کی تعمیل میں آپ کے بستر استراحت پر لیٹ جانا جبکہ یہ یقین ہو کر یہ بستر مرگ ہے حضرت علی کی عظیم الشان قربانی تھی۔

ذرا چشم تصور کے سامنے اس واقعہ کو لائیے کہ شب ہجرت کفار مکہ کے تمام قبیلوں کے چیدہ اشجاع اور مردانِ آزمودہ کار اپنی برہنہ تلواریں لئے رات کی تاریکی میں کاشانہ نبوت کے گرد اس لئے جمع ہیں کہ فخر موجودات سرور کائنات کو ہر حالت میں ختم کر کے رہیں گے۔ ادھر آنحضرت کو بذریعہ وحی منشائے ایزدی سے آگاہ کیا گیا کہ وہ اس شب تاریک میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ رسول اکرمؐ نے وہ امانتیں جو مختلف لوگوں کی آپ کے پاس جمع تھیں حضرت علی کے سپرد کیں کہ وہ ان امانتوں کو ان کے حقداروں کو پہنچا دیں اور ہدایت فرمائی کہ وہ اس رات بستر رسول پر سو جائیں جیب ارشادِ نبی ہجرت کی رات حضرت علی بستر رسول پر آپ کی چادر اوڑھ کر سو گئے اور دشمنوں کی موجودگی کا ان پر ہلکا سا بھی خوف و ہراس طاری نہ ہوا۔ وہ طمانیت قلب کے ساتھ خواب شیریں کے مزے لیتے رہے ان پر خطر حالات میں حضرت علی کا بستر رسول پر اس طرح محو خواب ہونا معجزہ سے کم نہیں اور معرفت الٰہی، اطاعت رسول، جوہر مردانگی اور کمال شجاعت کا حیرت انگیز کارنامہ ہے اور فرمان نبی پر بے چون و چرا عمل کرنے کا عبرت آمیز، بصیرت افروز نمونہ ہے۔

جب سپیدۂ سحر نمودار ہوئی تو شمشیر بکف کفار خانۂ رسول میں داخل ہوئے بستر رسول پر حضرت علی کو محو خواب پاکر سخت حیران ہوئے اور بیدار کر کے ان سے پوچھا " محمد کہاں ہیں " اس موقع پر حضرت علی ان کی کثرت اور انہیں شمشیر بکف دیکھ کر مطلق حیران نہ ہوئے اور بے دھڑک جواب دیا " کیا تم محمد کو میرے سپرد کر گئے تھے " حضرت علی کے اس معقول جواب پر کفار قریش اپنا سا منہ لیکر واپس چلے گئے اور رعب علی سے ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انہیں کسی مزید استفسار کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت علی کے اس جواب سے انکی فراست علمی، حوصلہ قلب اور انتہائی جرأت و بہادری کا ثبوت ملتا ہے۔

حرارت ایمانی میں سرشار یہ چھیلا نوجوان جب تربیت گاہ رسالت سے نکل کر اسلام کا ایک جانباز سپاہی بن کر نمودار ہوا

تو کفر کی طاقتیں اس سے آنکھ نہ ملا سکیں۔ اسکی ہیبت مشرکین کے دلوں پر چھاگئی اور جب شیر خدا حیدر کرار کی شجاعت کا ڈنکا عرب وعجم میں بجا تو کافروں کے تمام سازشی منصوبے خاک میں مل کر رہ گئے اور اسلام ترقی پذیر ہوا۔

جب مسلمانوں اور کفار ومشرکین کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں حضرت علی نے اپنی عظیم الشان بہادری اور جانفروشی کا مظاہرہ کیا۔ غزوہ بدر میں آپ نے اپنی تیغ آبدار سے اکثر مشرکین کو ختم کر کے اپنی شجاعت کی دھاک پورے عرب پر بٹھادی۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی آپ ثابت قدم رہے اور شمع رسالت کی حفاظت میں پروانہ وار جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جنگِ خندق کے موقع پر بھی آپ نے بہادری کے جوہر دکھلائے اور عرب کے پہلوان اعظم عمر بن عبدود کو قتل کر کے مشرکین کے حوصلے پست کر دیئے۔

اسی جنگ کی فتحیابی پر جناب رسول خدا نے آپ کی ایک ضربت کو عبادت ثقلین سے افضل قرار دیا اور کل ایمان کہہ کر آپ کی شان ظاہر فرمائی۔ خیبر کی فتح میں بھی حضرت علی کرار غیر فرار نے بہادری اور شجاعت کا بے نظیر کارنامہ سرانجام دیا اور رسول خدا سے "خدا اور اس کے رسول کا محبوب" ہونے کا خطاب حاصل کیا۔ فتح مکہ اور جنگ حنین میں آپ نے اپنی دلیری کے جوہر نمایاں طور پر دکھائے ایسا دلیر جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرائے اور بغیر جھجک کے سرفروشانہ جہاد میں تن تنہا مصروف رہے۔ غرضکہ ہر جنگ اور غزوہ میں شیر خدا حیدر کرار کی شمشیر آبدار لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کا مصداق بن کر چمکی، کافروں کے لئے موت کا پیغام بنی اور اسلام کی بقاء، دوام اور استحکام کا باعث ثابت ہوئی۔ حضرت علی کی یہ جاں فروشیاں، قربانیاں اور خدمات اتنی عظیم اور گراں قدر ہیں جن کے بارے مسلمان تا قیامت سبکدوش نہیں ہو سکتے ان احسانات کا احساس "فکری وعملی" انسانیت کا تقاضا ہے اور ایمانی فریضہ ہے۔

جہاں تک حضرت علی کے ذاتی اوصاف واخلاق کا تعلق ہے تو یہ بات عین حقیقت ہے کہ وہ اخلاق نبوی اور تعلیماتِ اسلامیہ کی ایک مجسم تصویر تھے۔ آپ تقویٰ، اتباع ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امانت ودیانت سادگی وتواضع، زہد وقناعت، شجاعت ومردانگی، عفو وحلم، اصابت رائے، عدل پروری، انفاق فی سبیل اللہ، جود وسخا راست بازی وصدق پروری، صبر وتحمل اور دیگر محاسن اخلاق کے کامل نمونہ تھے۔ فقر وسادگی اور زہد فی الدنیا آپ کی سیرت طیبہ کا نمایاں پہلو ہے۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا آپ کیلئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ دنیاوی شان وشوکت کا آپ کے کاشانہ میں گزر تک نہ تھا۔ دنیا کو مخاطب کر کے آپ فرماتے تھے کہ " اے دنیا! جا میرے علاوہ کسی اور پر دام فریب ڈال"۔ زہد وتقویٰ اور فقر وسادگی کے ساتھ ساتھ آپ کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں فاقوں کی نوبت ہوتی مگر سائل کو اپنے در سے کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ عبادت سے آپ کو اتنا گہرا شغف تھا کہ اسے محض ایک فرض سمجھ کر ادا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ آپ کا مشغلہ حیات بن گیا تھا اور اس میں آپ کو ایک راحت

اور طمانیت حاصل ہوتی تھی پیشانی بارگاہ رب العزت میں جھکتی تو اٹھنے کا نام نہ لیتی۔ کسب معاش کے لئے مزدوری کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے تیز اور سخت دھوپ میں دن بھر باغوں میں انتہائی محنت سے مزدوری کرتے اور رات عبادت الٰہی میں بسر فرماتے تھے۔

غرضکہ حضرت علی علیہ السلام کی طبیعت ہر فضیلت سے پوری مناسبت اور ہر کمال سے پورا لگاؤ رکھتی تھی کوئی صفت اور حسن وکمال ایسا نہ تھا جس سے آپ کا دامن خالی رہا ہو۔ آپ کی پاکیزگی اخلاق اور اوصاف کا اعتراف آپ کے مخالفوں تک کو تھا۔ اس بارے میں شاہ ولی صاحب نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایک روز امیر معاویہ نے ضرار اسدی سے کہا "تم مجھ سے حضرت علی کے اوصاف بیان کرو انہوں نے کہا اس سے مجھے معاف کیجئے" معاویہ نے اصرار کیا تو یوں گویا ہوئے۔

وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے فیصلہ کن بات کہتے تھے عادلانہ فیصلہ کرتے تھے انکی ہر جانب علم کا چشمہ چھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے رات اور اسکی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور وفکر کرنے والے تھے عام لباس اور سادہ کھانا پسند تھا۔ ہم میں بالکل ہماری ہی طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان سے سوال کرتے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ اپنے آپ سے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے تاہم خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے غریبوں کو مقرب بناتے تھے قوی کو اس کے باطل حرص وطمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے الطاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مارگزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غم زدہ آدمی کیطرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں " اے دنیا! مجھے فریب نہ دے دوسرے کو دے۔ تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس! میں نے تجھے ۳ طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ! زادراہ کم اور سفر دور دراز اور راستہ وحشت خیز ہے۔"

یہ سن کر امیر معاویہ رو پڑے اور کہا " خدا ابوالحسن پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

جب خلافت کی باگ ڈور حضرت علیؑ نے سنبھالی تو وہ اسلامی تاریخ کا سب سے نازک دور تھا خلافت عمال حکومت کی بد نظمیوں اور باغیوں کی سرکشی سے پامال ہو چکی تھی۔ اصلاح وتنظیم جدید کے سلسلے میں آپنے جو مسلک اختیار کیا اس نے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ اس طرح آپ کا پنجسالہ دور خلافت بھی خانہ جنگیوں، سازشوں اور شورشوں کی نذر ہو گیا ایک لمحہ بھی سکون واطمینان کا نصیب نہ ہوا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، فتنہ خوارج

کے علاوہ انتہائی کشمکش واضطراب کے عالم بھی آئے لیکن ہر مرحلے پر آپ نے اسلام کی سربلندی اور عدل وانصاف کو پیش نظر رکھا اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے وہ جواہر پارے ارشاد فرمائے وہ نمونۂ عمل پیش کیا جو نسلِ انسانی کے بقا کے ضامن ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دورِ حکومت کے طرزِ عمل سے بھی جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق فرمائی کہ "قوم کا سردار در اصل اس کا خادم ہوتا ہے۔" آپ کی زاہدانہ شان خلافت و حکومت سے پہلے بھی قائم رہی اور مسند آرائے خلافت ہونے کے بعد بھی آپ نے اپنے عہد خلافت میں بھی فقر و سادگی کو اپنائے رکھا آپ کے لباس میں اکثر پیوند لگے ہوتے تھے۔ اور اس وضع میں آپ شہر کا گشت فرماتے تھے۔ جب لوگوں نے آپ سے اس سادگی کا سبب پوچھا تو فرمایا "اس سے میرے دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے اور غریبوں کو میرے اس طرزِ عمل سے تسلی ہوتی ہے کہ ان کا امیر بھی ان ہی کی طرح سادہ لباس پہنتا ہے۔" اور آپ نے عدل و مساوات کے زریں اصولوں کو جس کا اسلام داعی و علمبردار ہے پوری تابناکی اور آن بان کے ساتھ زندہ باقی رکھا اور غریبوں اور کمزوروں کی حق تلفی نہ ہونے دی زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ان تمام جائیدادوں اور جاگیروں کو ضبط کر لیا جن پر رؤسا اور امراء ناجائز تسلط جمائے بیٹھے تھے اور ان کو مستحقین میں تقسیم کر دیا جو کہ عدل کا تقاضا تھا۔

دورانِ خلافت آپ کے دولت کدہ کے دروازہ پر نہ کوئی پہرہ تھا اور نہ کسی قسم کی امیرانہ شان و شوکت تھی۔ اس وقت جبکہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں مسلمانوں کے لئے زر و جواہر اگل رہی تھیں مسلمانوں کا یہ خلیفہ اپنی معمولی زندگی بسر کرنے پر فخر کر رہا تھا اور باوجود اسلامی خانہ جنگیوں کے اس نے وہ طرزِ جہانبانی انسانیت کے سامنے پیش کر دیا جسے دنیا فراموش نہ کر سکے گی۔ خواجہ حسن نظامی کے الفاظ اس سلسلے میں ملاحظہ ہوں۔

"جب آپ خود خلیفہ ہوئے تو آپ نے دنیا کے آگے ایک ایسا بے مثل دستورِ حکومت پیش کیا جس کا دنیا نے تصور تک نہ کیا تھا اور جس سے روم و فارس کے دساتیر و آئین بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جس کا سیاسی نظام العمل بہترین تصور کیا جاتا تھا لیکن دنیا ابھی اس درجہ پر نہیں پہنچی تھی کہ آپ کے دستور کے عملی مفاد کو سمجھتی اس لئے اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لوگ آپ کے خلاف کھڑے ہو گئے اس کا سبب یہ نہیں کہ آپ نے عمدہ نظام حکومت پیش نہیں کیا تھا بلکہ اس کا باعث بنی امیہ کی سیاسی جماعتیں اور ان کی حکومت کے خلاف ان جماعتوں کی بغاوت تھی۔ نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے مواعظ اور ابن ابی الحدید کی شرح پڑھنے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ ایک بڑے مدبر تھے اور آپ نے جو دستور حکومت اور اس کے اصول پیش کئے تھے وہ زمانۂ جدید کے جمہوری اصولوں سے بہتر اور زیادہ عملی تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اصول اشتراکیت مساوات پر مبنی ہے لیکن اس اصول پر عمل کرنے میں بے شمار مشکلات پائی جاتی ہیں جن سے ان کے ناقابل عمل و نامکمل ہونے کا ثبوت ملتا ہے ایسے زمانہ میں جو دستورِ حکومت جناب امیر

نے پیش کیا ہے وہ ہماری توجہ کے لائق ہے کہ یہ بہت ہی زیادہ آسان اور قابل عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس نقطۂ نظر سے حضرت علی کے اعلیٰ تدبر پر نظر نہیں ڈالی جس کی انہیں اور تمام دنیا کو ہمیشہ سے ضرورت رہی ہے۔"

بے شک حضرت علی کی ایک ایسی عظیم المرتبت ہستی ہے جو اخلاقیات کے بلند سے بلند تر اصولوں کی کسوٹی پر پوری ہی نہیں اترتی بلکہ اپنے عمل سے اپنے کردار سے ایسے موقعوں کو سنوار کر دامنِ اسلام میں دے جاتی ہے جس کے اندر پوری صفاتِ کاملہ معراجِ کمال کے اس نقطۂ آخر پر ہیں جہاں ہماری عقلیں بھی پہنچتے ہوئے ٹھٹھک جاتی ہیں۔ جب کوئی مورخ یا سیرت نگار آپ کی عظمت کا تجزیہ کرنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو وہ آپ کے صفات و کمالات کی فراوانی اور آپ میں مختلف قسم کی خصوصیات انسانی کو دیکھ کر مبہوت و متحیر ہو جاتا ہے اور ہر کمال پر حیرت و استعجاب کی انسانی نظریں جم کر رہ جاتی ہیں۔ روحانی معلم سے لے کر اخلاق معلم، رعایا سے لے کر داعی، حکمراں سے لے کر حکم بردار، سپاہی سے لے کر جرنیل، مزدور سے لے کر بادشاہ، مفسر سے لے کر فلسفی، حکیم سے لے کر صوفی غرضیکہ آئینِ حکومت، آئینِ سیاست، آئینِ انسانیت، آئینِ روحانیت آئینِ اخلاق، آئینِ تبلیغ، آئینِ تعلیم، آئینِ حیات کا گوشہ کوئی ایسا نہیں جہاں حضرت علی کا نقشِ قدم دوسروں کی رہنمائی نہ کرتا ہو۔

جب تاریخ اسلام ہمیں ایسی عظیم اور کامل ہستی سے روشناس کرتی ہے جو جامع صفات شخصیت ہے اور جس میں تمام محاسنِ اخلاق اپنی پوری تابندگیوں کے ساتھ جلوہ گر ہیں تو بقول سلیم تابانی صاحب "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس دین اور دعوت کی خاطر ہمہ عمر حضرت علی کی فکری و نظری اور عملی قوتیں وقف رہیں جس قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت ان کا مقصدِ حیات رہا ہو اور جس اسلامی وحدت و اجتماعیت کی از سرِ نو تشکیل کے لئے وہ دم آخر تک پورے زور و شور کے ساتھ کوشاں رہے اسی دین و دعوت کی خاطر، اسی قرآن و سنت کی ترویج کے لئے اور اسی اسلامی وحدت و اجتماعیت کے قیام کے لئے سیرت مصطفےٰ کو ہی ہم اپنا مطمعِ نظر بنالیں اور خالصتہً لوجہ اللہ طبیعتوں اور مزاجوں کے ان تمام اختلافات کو دور کر دیں جو اپنے حدود سے گزر کر ہمارے فکر و نظر کے قصرِ رفیع تک آپہنچے ہیں" (۵۳)

حقیقتاً حضرت علی علیہ السلام کی زندگی اور شخصیت تمام انسانوں کے لئے مینارۂ نور ہے وہ شمع ہدایت ہے جس کی روشنی میں ہر انسان انسانیت کے اعلیٰ منازل پر فائز ہو سکتا ہے اور زندگی کے مشکل مسائل حل کئے جا سکتے ہیں مولا علی نے بحیثیت انسانِ کامل، رہبرِ قوم، حکیم ملت اور مشکل کشائے عالم عمل و کردار کا وہ نمونہ پیش کیا ہے جو احکامات قرآن اور ارشادات نبوی کی مکمل تفسیر ہے اور جس نے سعادت کی تمام راہیں واضح کر دیں جن پر گامزن ہو کر ایک بھٹکا ہوا انسان بھی صراط مستقیم تک پہنچ سکتا ہے۔ ہماری زندگیاں حقانیت و صداقت، زہد و تقویٰ اور علم و عرفان سے منور ہو جائیں شرافت نفس اور روحانیت اجاگر ہو جائے اگر ہم سیرت علی المرتضیٰ کو مشعل راہ بنائیں مگر ہم نے اپنے مقدس رہنما کی زندگی اور سیرت کو مشعل راہ سمجھنا چھوڑ دیا اور اس تغافل کی بنا پر انتشار و پریشانی میں گرفتار ہو گئے۔ جناب سلیم تابانی نے اس کوتاہی کا یوں اظہار کیا ہے۔ "یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جسے اپنے زیر تربیت رکھا ہو، جو شخصیت سب سے پہلے ایمان

لائی ہو۔ جو عہدِ طفولیت میں کبھی کبھی آنحضرت کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جا کر بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتی ہو، جس نے بمشکل چودہ پندرہ سال کی عمر میں پورے خاندان میں آنحضرت کی یاوری کرنے اور دست و بازو بننے کا اعلان کیا ہو، زیادہ سے زیادہ بائیس تیئیس سال کی عمر میں جس نے اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنے کا عدیم المثال کارنامہ پیش کیا ہو، زیادہ سے زیادہ مواقع پر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے آقا کے بستر پر محوِ خواب رہی ہو اور مہاجرین کے باہم بھائی چارہ میں حضور نے جسے اپنا بھائی بنایا ہو اور جسے حضورؐ کی زندگی بھر آپ کا تقرب رہا ہو اور جس نے اپنی پوری زندگی اسلام اور تعلیمات محمدی کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کر دی ہو اور حق کے معاملے میں کبھی کمزوری اور بزدلی نہ دکھائی ہو، اس کے نام پر ہی امت محمدیہ کی اختلاف کی تخم ریزی کر دی جائے" (۵۳)

اس نظریاتی خلفشار اور اخلاقی انتشار نے اسلامی معاشرے کی بنیادیں ہلا دیں۔ صحیح اسلامی معاشرے کی ترقی کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا اور یہ سب کچھ پیغاماتِ رسول کے عملی پہلو نظر انداز کرنے کے باعث ہوا ورنہ اسلامی معاشرے میں جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ایسی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب کی شخصیت جملہ صفات و کمالات کا ایک نادر مرقع تھی جس سے آپ کی فضیلت کے بے داغ خد و خال ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ یہی وہ بلند اوصاف تھے جو حیاتِ رسول میں دنیائے اسلام کو گرویدہ بنائے ہوئے تھے۔ حضرت علی کی نایاب و شاداب قابلیت کے پیش نظر متعدد بار پیغمبر اسلام نے اپنے جاں نثار بھائی کو بحیثیت وصی و جانشین مسلمانوں سے روشناس کرایا اور غدیر خم میں مسلمانوں کے عام مجمع میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے عظیم اعلان سے حضرت علی کی ولایت مصدق کر دی شاید یہی وجہ تھی کہ ایک منظم محاذ کے ذریعہ عوام کے دلوں سے وہ وابستگی جو علی المرتضیٰ کی طرف سے تھی اس کو فراموش کرانے کی سیاسی مصلحت سمجھی گئی۔ اس لئے اسے اسلام کی بدبختی کے سوائے اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ بعد وفات رسول جانشینی کے لئے بقول جسٹس امیر علی انفرادی کوششیں وجود میں آنے لگیں جو اسلام کے مفاد کے منافی تھیں اور جنہوں نے آگے چل کر قبائلی جنگوں اور مذہبی فرقہ بندیوں کو پیدا کیا مسلمانوں کی اس سیاسی پالیسی نے ان کو اسلام کے اصل مرکز سے دور کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ نظام ان کی مذہبی، روحانی، اخلاقی اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جس کے اثرات آج نمایاں طور پر عیاں ہیں۔ واقعی اب یہ ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے کہ ہم صحیح اور حقیقت پسندانہ طریقہ اختیار کر کے جستجوئے حق کے لئے اپنی فکری و ذہنی کوششوں کو ابھاریں اور صداقت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اپنے قول و فعل کے درمیان ہم آہنگی پیدا کریں اور صراط مستقیم پر گامزن ہوں تاکہ ہم، ہماری موجودہ اور آئندہ نسلیں خوش و خرم اور آزاد معاشرے میں سانس لیں جس کی بنیاد ہی صداقت، امانت اور اخلاق پر رکھی گئی ہے جن کا تحفظ ہمارا ایمانی فریضہ ہے اور اسلام کے حقیقی وقار کا باعث ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم بانی اسلام کے پیغام کا اصل مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کو عملی جامہ پہنائیں۔ اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے

یہ حقیقت ہمیں دعوت فکر و عمل دیتی ہے کہ جمہور مسلمین میں سے خواہ چند انگلیوں پر گنے ہوئے افراد ہی ہی لیکن انہوں نے اسلام کی روحانی مملکت کا تاجدار حقیقی معنوں میں حضرت علی کو ہی مانا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ عوام میں اتنی اظہار جرأت کہاں ہوتی ہے اور نہ وہ پیش ہو جانے والے واقعات کا تجزیہ صحیح کر سکتے ہیں اس لئے ان پر جمود اور بے حسی طاری رہتی ہے پھر بھی ہم تک وہ دھواں دھار تقریریں پہنچتی ہیں جو اول انتخاب خلافت پر مسجد نبوی میں مقدادؓ، سلمانؓ اور ابوذرؓ وغیرہ ایسے مقدس صحابیوں نے کیں۔ گویا اس وقت دار الحکومت میں حزب مخالف کے ایک گروہ نے الیکشن کے طریق کار کو چیلنج کرتے ہوئے حضرت علی کے جائز حق کو تسلیم کیا۔

اس وقت سے آج تک ظالم حکومتوں اور جابر بادشاہوں کے انتہائی جور و ستم کے باوجود ہر زمانہ میں مسلمانوں کی معقول تعداد نے ان صحابہ کرام کے اقدام کو حق بجانب تسلیم کیا اور ان کی تائید و تاسی کرتے ہوئے حضرت علی کو جو کاشانہ رسالتمآب کے رمز شناس تھے، روح اسلام تھے۔ کل ایمان تھے جنہوں نے حق کی حمایت کا سبق سیکھا اور باطل کو مٹانے کا سلیقہ حاصل کیا جس کے دست و بازو کی قوت پرچم اسلام کو بلند کرنے میں صرف ہوئی، اپنا آقا و مولا اور دینی پیشوا سمجھا ہے اور ۱۸ ذی الحجہ کے دن جس روز رسول اسلام نے حضرت علی کو امت کا مولا کہہ کر اپنا جانشین قرار دیا خوشیاں منانا اپنا ایمانی فریضہ سمجھا اور اس روز سعید کی یاد کو عید غدیر کے نام سے یاد رکھا ہے۔

آج تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی واقعہ غدیر خم کی یاد پوری محبت و عقیدت سے منائی جاتی ہے۔ میلاد و محافل منعقد کئے جاتے ہیں دوست و احباب اور مستحقین کو کھانے کھلائے جاتے ہیں۔ یاد خدا اور عبادت و بندگی میں مصروف رہتے ہیں۔ محمدؐ و آل محمدؐ کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان پر درود بھیجتے ہیں۔ حالانکہ یہ عید اس جوش و خروش سے تو نہیں مناتے جو اس دن کے شایان شان ہو پھر بھی خلوص و محبت کے ہاتھوں جس سے جو ہو سکتا ہے اسے بارگاہ امامت میں پیش کرتا ہے

ہماری اس محبت و عقیدت کا جو ہمیں امیر المومنین کے ساتھ ہے تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے مولا کے نقش قدم پر چلیں اور ہمارا یہ یادگار منانا ہمیں راہ عمل پر گامزن کردے تاکہ ہماری زندگی میں سیرت مرتضوی کی جھلک پائی جائے لیکن افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ اس یادگار سے ہمیں جو فوائد حاصل کرنے چاہئیں وہ ہم حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

علی مرتضیٰ کی شخصیت کا عرفان حاصل ہونا اور پھر اس شخصیت سے مع اس کے کمالات کے محبت ہونا ایمان کی شرط ہے علی کی محبت کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ ہم صرف ان کے فضائل سن کر واہ واہ کریں اور ان کے نام پر درود کے نعرے بلند کریں اس لئے کہ ایک انسان کامل کا ذکر سن کر ہر انسان خوش ہوتا ہے اگر ہم بھی یہی کرتے ہیں تو اس میں ہمارے لئے خصوصیت کی کون سی بات ہے۔ محبت حقیقی تو ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے محبوب کے صفات و فضائل کے پیکر نظر آئیں۔ اگر ہم اس عظیم ہمہ صفت انسان کی یاد صرف واہ واہ، سبحان اللہ اور نعروں پر ہی محدود رکھتے ہیں اور اس کی سیرت و فضائل کو اپنانے کی سعی نہیں کرتے تو یقین جانئے کہ ہم اپنے دعوئ محبت میں سچے نہیں۔

مولا علی ہمارے تعریفی کلمات کے محتاج نہیں، ہمارے صلوٰۃ کے نعرے ان کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں کرتے ہمارے ظاہری مراسم سے ان کو کوئی واسطہ نہیں وہ تو صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم عمل کے میدان میں کہاں کھڑے ہیں وہ ہم سے صرف نعرے بلند کرنے کے طالب نہیں بلکہ ہم سے دین تیین کی استواری کے طالب ہیں اور صداقت کی تعمیر میں وہ سرفروشی کے طالب ہیں۔

لہٰذا ہمیں علی کی یادگار کو اس عنوان سے منانا چاہئے کہ وہ ہماری روح کو گرما دے اور ہمارے دل کو ذوق عمل سے تڑپا دے ہمارے قلوب میں ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا شوق چٹکیاں لینے لگے۔ علی کو مانیے ان سے پوری پوری محبت کیجئے مگر اس محبت کو عملی رنگ دیجئے۔ علی کے کمالات اپنے لئے مشعل راہ بنائیے۔

اگر ہم خود علم حاصل نہیں کرتے تو علی جیسے عالم کامل کے علمی فضائل سُن کر خوش ہونے کا ہمیں کیا حق ہے؟ اگر ہم خود حق پرست نہیں ہیں تو "الحق مع العلیؑ" کی حدیث سن کر صلوٰۃ کے نعرے بلند کرنے سے ہمیں کیا حاصل ہوگا اگر ہم ایمان کے حامل نہیں تو امیر المومنین سے ہمیں کیا لگاؤ؟ اگر ہم بزدل اور کم ہمت ہیں تو اس انسان سے ہمارا کیا تعلق جو اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا جرنیل شمار ہوتا ہے؟

اگر ہم اسلام کی تبلیغ میں تن من، دھن سے حصہ نہیں لیتے تو کل ایمان کی محبت کا دعویٰ کیا معنی؟ اگر ہم باہمی اتحاد کے پرستار نہیں تو ہمیں اس انسان اعظم سے کیا واسطہ؟ جس نے اتحاد اسلامی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

علی مرتضیٰ سے محبت کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر علوی مشن کی تکمیل کی جائے۔

علوی مشن یہ نہیں ہے کہ ہم صرف محافل و مجالس کی شرکت ہی کو کل ایمان تصور کر لیں بلکہ اس مقدس مشن کا مقصد ہے انسانیت کی تکمیل اور ارتقاء۔

اگر ہم انسانیت کی تکمیل اور اس کے ارتقاء میں عملی حصہ لیتے ہیں اگر ہم دین مبین کی ترویج میں مجاہدہ کرتے ہیں اگر ہم جرأت کردار، حق پسندی و دلیری، زہد و تقویٰ، محنت و مشقت اور دیگر علوی فضائل کے اپنانے کی سعی بلیغ کرتے ہیں تو ہم واقعی علوی مشن کی تکمیل میں حصہ لیتے ہوئے محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

معاف فرمائیے زبان سے دعویٰ محبت کرنا اور عملاً اس کا ثبوت فراہم نہ کرنا سراسر منافقت ہے۔ آج سے تیرہ سو سال قبل وہی لوگ منافق کہلائے تھے جو زبان سے دعویٰ محبت کرتے تھے مگر ان کے عمل رسول و وصی رسول کے عمل سے مخالف تھے۔

اگر ہمارے اعمال بھی محمدؐ و علیؑ کے عمل سے متضاد ہوئے تو ہم بھی چاہے زبانی محبت کے کتنے ہی دعوے کیوں نہ کریں منافق ہی ٹھہرائے جائیں گے۔ اس لئے ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور پھر ان کی اصلاح کے لئے سعی بلیغ کریں۔

جائے عبرت ہے کہ جن کا پیشوا اور رہنما تیروں کی بارش میں اور تلواروں کی چھاؤں میں نماز ادا کرے اور حالت سجدہ میں شہادت پائے ان کی نظر میں نماز کی کوئی اہمیت نہ ہو اور ان کی اکثریت دینی اصول اور فروع سے غافل اور لاپرواہ نظر آئے۔ روز بروز مذہب سے بے اعتنائی برتی جارہی ہو توجہ طلب ہے کہ لامذہبیت، بے دینی اور بے حسی کا رجحان نئی نسل میں بڑی تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے خوردسال بچے مشنری اداروں میں تعلیم پاکر مذہب سے بالکل ناواقف نکلتے ہیں۔ قوم کے کتنے بچے ہیں جو والدین کی عسرت و تنگدستی کے باعث ابتدائی تعلیم سے محروم ہیں اور مذہبی تعلیم کے فقدان کی وجہ سے ہماری آئندہ نسلیں مذہب و اخلاق سے بے بہرہ ہوتی جارہی ہیں۔ اگر ہم حقیقی معنوں میں باب العلم کی یادگار منانا چاہتے ہیں تو ہم کو مولا کے علمی و دینی فضائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ایسے ابتدائی مدرسے، ادارے اور تربیت گاہیں (بچوں کے لئے نرسری اسکول، دارالمطالعے، ہوسٹل) قائم کریں۔ جہاں ہماری نئی نسل اپنے ماحول اور مذہب کے تحت تعلیم و تربیت دورِ حاضرہ کے مطابق حاصل کر سکے۔

موجودہ پرآشوب دور میں جبکہ ایمان ضعیف، اخلاق پست۔ شعائرِ دینی فراموش اور افعالِ قبیحہ عام ہوتے جا رہے ہیں۔ معاشرہ انسانی بہت جلد مذہبی واخلاقی بندھنوں سے خلا حاصل کرکے، مادر پدر آزاد ہوجانا چاہتے ہیں۔ کفر و بدعت کا غلبہ ہے اہل ایمان مبتلائے شکوک ہو رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ مذہب حق کی تعلیم و اشاعت، دین اسلام کی ترویج اور ارشادات اہل بیت اطہار کی تلقین کریں۔ شریعت حقہ کی نشرواشاعت اور علوم دینیہ کی حفاظت کی جائے تاکہ مغرب کی لادینی تہذیب سے متاثر طبقہ کی تطہیر ہوسکے اور ایسی روحانی صلاحیتیں پیدا ہوں جو انسان کے ارتقاء کا موجب اور حیات ابدی و سعادت سرمدی کا سبب بنیں اس کے لئے ایسے تبلیغی مراکز کی سخت ضرورت ہے جہاں ہمارے بعض علماء تحقیق و تالیف کا کام انجام دیں۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ جس قدر دنیا میں علوم کی نشرواشاعت ہوگی اسی قدر مذہب سرکار محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی حقانیت نمایاں ہوتی جائے گی۔ آج ایسے لٹریچر اور ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو ہمیں آل محمدؐ سے قریب کردے اور ہم محمدؐ و آل محمدؐ کی سیرۃ طیبہ اور ان کے فلسفیہ حیات سے تمام دنیا کے لوگوں کو آشنا کریں اور یہی ہمارے مولا و آقا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مقدس یادگار کا تقاضا ہے یعنی دین متین کی استواری۔

وقت آگیا ہے کہ ہم اپنا دائرہ عمل وسیع کرتے ہوئے معاشرے کی تنظیم و اصلاح کے کام کا آغاز کریں اگر ہم اپنی قومی زندگی کے مختلف شعبوں کا جائزہ لیں تو نہایت ہی مایوس کن حالت نظر آتی ہے۔ افلاس اور ناداری کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔ کتنے افراد ہیں جو بے روزگاری کے سبب فاقہ کشی پر مجبور ہیں اور ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں! عبرت کا موقع ہے کہ جن کا رہنما ایک جفاکش مزدور ہو اور حلال کمائی کی خاطر اپنا خون پسینہ کرتا نظر آئے وہ معاشی بدحالی میں گرفتار ہوں اور عسرت و ناداری کی زندگی گزاریں۔ مولائے کائنات کو یہودیوں کے کھیتوں میں محنت مزدوری کرکے ہم کو مزدوری

کی اہمیت ذہن نشین کراتا تھا۔ گویا آپ اپنے اس اسوۂ حسنہ سے ہم کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ کسب معاش کے لئے مزدوری و محنت کرنا عیب نہیں۔

میں ایک بہت بڑی اسلامی مملکت کا تاجدار ہوں اور پھر بھی یہودیوں کے ہاں محنت و مزدوری کیا کرتا ہوں دیکھو معاشی لوٹ کھسوٹ کے بجائے محنت و مزدوری سے رزق حلال کمانے کی سعی کرنا، اور دیکھو ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب مزدور اور سرمایہ کی جنگ شدت اختیار کرے گی۔ ہر قوم اپنی محنت اور مزدوری سے دوسری قوم کے سرمایہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ جو قومیں اپنی محنت سے دوسروں کا سرمایہ حاصل کرے گی وہ زندہ رہیں گی اور جو اپنے سرمایہ کو دوسروں کی نذر کر دیں گی وہ ہلاک ہو جائیں گی میں یہودی کے کھیت میں کام کر کے تمہارے لئے زریں مثال پیش کر رہا ہوں کہ اپنی محنت سے دوسروں کے سرمایہ کو حاصل کر کے زندگی بناؤ ہم کو چاہیئے کہ اپنے آقا کے اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے اقتصادیات کو مضبوط بنانے کے لئے مہم چلائیں جگہ جگہ اپنی آبادیوں میں امداد باہمی کے ذریعہ صنعتی مراکز، کوآپریٹو اسٹور قائم کریں اور اپنے بے کار افراد کے لئے روزگار فراہم کریں کی کوشش کریں۔

اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک مستقل سرمایہ کی اشد ضرورت ہے اور جو جو وسائل ممکن ہو سکیں ان کے مطابق سرمایہ فراہم کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں مجلس امامیہ پاکستان کی جاری کردہ امامیہ فنڈ کی تحریک نہایت ہی مفید اور دوررس ہے۔ ہم اپنے دینی امور میں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ ہر سال صرف کرتے ہیں۔ ہمارے لئے اپنے دینی و سماجی تقریبات کے مواقع پر اپنے عطیات کے ذریعہ اس فنڈ کو کامیاب بنانا کوئی بڑی بات نہیں نہ کوئی بڑا بار ہوگا اگر ہر فرد ملت ائمہ علیہم السلام کے مقدس نام پر کم از کم ایک ہی روپیہ ان کی یادگار منانے کے ایام میں عطا کرے جو ایک نہایت ہی قلیل رقم ہے تو اس طور سے بہت جلد معقول سرمایہ فراہم ہو سکتا ہے اور ٹھوس تعمیری امور انجام دیئے جا سکتے ہیں۔

اٹھارہ ذی الحجہ اتمام نعمت اور تکمیل دین کا دن ہے اور ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی اور عید کا روز ہے افراد ملت سے استدعا ہے کہ اپنے اپنے مقام پر مولا علی کا نام لے کر امامیہ فنڈ کی بنا ڈالیں اور اس سرمایہ کو اپنی ہی تحویل میں رکھ کر ہر طرح بڑھانے کی سعی فرماتے رہیں اور جب ممکن ہو سکے تو کسی عملی کام کو شروع کرنے کی کوشش کریں۔ ہم اپنی ہر قومی، مذہبی، تمدنی، معاشرتی، اخلاقی اور اقتصادی تحریک میں اپنے آقا کے نام کی برکت سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

آیئے! آج اپنے آقا و مولا، قائد و رہبر، رہنما و پیشوا کی مقدس یادگار مناتے ہوئے عہد کریں کہ ہم سیرت علوی کی جیتی جاگتی تصویر بننے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہماری محافل و میلاد، مجالس اور جلوس صرف رسم تک محدود ہو کر رہ جائیں گے اور ہم ان سے وہ فائدہ نہ حاصل کر سکیں گے جو ہمیں حاصل کرنا چاہیئے۔ خدا ہم سب کو عمل کی توفیق دے بحق آئمہ معصومین و اہل بیت اطہار علیہم السلام۔

اللّٰھم صلی علی محمدؐ و آل محمدؐ

حوالہ جات

کتب اکابرین اسلام

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی — الدر المنثور۔ ۲ ص ۲۹۸، ۲۵۹

۲۔ سید شہاب الدین احمد — توضیح الدلائل

۳۔ امام احمد الحنبل — مسند ۳، ۴۔ ۲۹ ص ۳۴۲، ۲۸۱

۴۔ علی المتقی — کنز العمال۔ ۷ ص ۳۹۰، ۸ ص ۶۰

۵۔ ابن حجر مکی — صواعق محرقہ ۱۰ ص ۸۹

۶۔ سبط احمد جوازی — تذکرہ خواص الامۃ ۲ ص ۱۷، ۱۸

۷۔ محمد بن طلحۃ القرشی — مطالب مسؤل

۸۔ ابن صباغ مالکی — فصول مہمہ فی معرفۃ الائمہ

۹۔ ملا واحدی — اسباب نزول القرآن

۱۰۔ ملا عیاشی — تفسیر مجمع البیان

۱۱۔ فخر الدین محمد بن عمر الرازی — تفسیر کبیر مفاتیح الغیب

۱۲۔ سید علی ہمدانی — تفسیر غرائب القرآن

۱۳۔ محب الدین طبری — ریاض النضرہ۔ ۲، ۴ ص ۲۱۷

۱۴۔ ابراہیم بن محمد الحموینی — فرائد السمطین

۱۵۔ ابو داؤد الطیاسی — مسند ص ۲۳

۱۶۔ ابی نعیم اصفہانی — حلیۃ الاولیاء

۱۷۔ ابن عساکر — تاریخ الکبیر۔ ۵ ص ۴۳۶

۱۸۔ ابو عبداللہ الحاکم — مستدرک صحیحین۔ ۳ ص ۱۰۹، ۱۱۰

۱۹۔ علامہ شمس الدین محمد سخاوی کتاب ارتقا الغرف

۲۰۔ نور الدین علی بن عبداللہ السموری۔ جواہر العقدین

۲۱۔ محمد بن عبدالباقی الزرقانی — شرح مواہب لدنیہ ۷ ص ۵

۲۲۔ یوسف بن اسمٰعیل — شرف المؤید ص ۱۸، ۱۷

۲۳۔ نور الدین حلبی — سیرۃ الحلبیہ۔ ۲ ص ۲۷۹۔ ۲۷۸

۲۴۔ شیخ احمد بن الفضل بن محمد باکثیر وسیلۃ المآل

۲۵۔ ابو الفدا اسماعیل بن عمر — البدایہ والنہایہ فی التاریخ ۵ ص ۲۱۳

۲۶۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی — نزل من القرآن فی علی

۲۷۔ ابو الحسن علی بن محمد — کتاب المناقب

۲۸۔ ابن قتیبہ — کتاب الامامت والسیاست

۲۹۔ ملا معین — معارج النبوۃ۔ ۴۔ ۱۳ ص ۲۲۰

۳۰۔ ولی اللہ شاہ دہلوی — قرۃ العین

۳۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی — اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ۴ ص ۲۴۱

۳۲۔ جمال الدین محدث — کتاب اربعین

۳۳۔ جلال الدین سیوطی — جامع الکبیر

۳۴۔ علامہ ثعلبی — تفسیر تذکرہ خواص الامۃ ۲ ص ۱۸۶

۳۵۔ مرزا محمد ملا معتمد خان — مفتاح النجاہ

۳۶۔ ابن ماجہ — سنن

۳۷۔ خصائص نسائی — ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی

۳۸۔ صحیح ترمذی — ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی

۳۹۔ ابن ابی شیبہ — مسند

۴۰۔ بیہقی — سنن الکبیر

۴۱۔ غیاث الدین — تاریخ حبیب السیر۔ ۱۔ ۳ ص ۴۷، ص ۱۴۴

۴۲۔ ابن خاوند شاہ — روضۃ الصفا۔ ص ۱۷۳

۴۳۔ محمد ابن جریر طبری — کتاب الولایہ

۴۴۔ علی ابن حمید — کتاب شمس الاخبار ص ۳۸

۴۵۔ مشکوٰۃ المصابیح — مطبوعہ مطبع مجتبائی ص ۲۹۵
۴۶۔ محمد ابن عبدربہ — عقد الفرید۔۳۔ ص ۴۲
۴۷۔ آغا محمد سلطان مرزا — البلاغ المبین
۴۸۔ ابو عبداللہ مرزبانی — مرقات الشعر
۴۹۔ حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی — سر العالمین ص ۹
۵۰۔ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی — تاریخ

استفادہ

۵۱۔ سید ابن حسن نجفی — غدیر خم امامیہ مشن پاکستان لاہور
۵۲۔ آغا محمد سلطان مرزا — واقعہ غدیر خم "
۵۳۔ سلیم تابانی — نوائے وقت لاہور ۱۶ ستمبر ۱۹۷۶ء
۵۴۔ یعقوب حسن — مشرق لاہور ۱۷ ستمبر ۱۹۷۶ء

جناب ڈاکٹر سید علی مومن صاحب

جشنِ غدیر

اسلامی دنیا میں عید غدیر کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ افراد مذہب اس کی عظمت اور اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کون سا مبارک دن ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض کمزور ہستیاں اپنی بے سوادی کی جہت سے مرتبہ شناس ثابت نہ ہوں۔ ارباب سیر و تاریخ پر یہ امر بہر حال اظہر من الشمس ہے کہ یہ عید ایک نہایت اہم تاریخی حیات آفریں واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہے اور منائی چاہیے۔ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملت ایسے اوقات اور دنوں کی یاد رکھتی ہے جن کا قومی اور ملی اعتبار سے کوئی خصوصیت اور اہمیت حاصل ہو اور ان ایام میں پیش آنے والے واقعات کی یاد میں اجتماعی طور پر خوشیوں اور مسرتوں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے چنانچہ ہر قوم، ہر ملت اور دنیا کے ہر طبقہ و خطے کی تاریخ میں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں، البتہ مسرت اور شادمانی کے مظاہرات کی نوعیت ہر جگہ الگ الگ ہے

عید غدیر تاریخی اعتبار سے خود ہی اپنی نوعیت، اپنی شان اور عظمت کو اہل عالم اور اہل اسلام پر روشن اور آشکار کرتی ہے۔ حج آخری سے جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں جب آقائے دو جہاں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کی طرف تشریف لا رہے تھے یہاں تک کہ آپ نے میدان غدیر میں جو نواح جحفہ ہے میں نزول اجلال فرمایا یہ وہ وقت تھا جبکہ پرند چرند تمازت آفتاب کی وجہ سے اپنے آشیانوں میں پناہ گزیں تھے۔ لوگ بے حد پریشان و مضطرب تھے۔ زمین کی اذیت کے خیال سے پیروں میں کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں ایسے موقع پر رسول پر یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الخ (مائدہ: ۶۷) "اے رسول جس امر کے لئے تم پر تبلیغ فرض ہے وہ اس وقت امت والوں کو پہنچا دو۔" دیکھو (بالفرض محال) اگر تم نے نہیں پہنچایا تو سمجھ لو کہ تم نے کار تبلیغ کو حد کمال تک نہیں پہنچایا اور اندیشہ نہ کرو خدا تمہارا (شریر) لوگوں سے نگہبان ہے۔ اس کمال تاکید کا حکم رسولؐ پر نازل ہوتا ہے۔ بظاہر معلوم نہیں کہ رسالتمآبؐ نے کون سی بات سلسلہ تبلیغ میں چھوڑ رکھی جس پر رسولؐ کے تبلیغی کارناموں کا دار و مدار ہے۔

ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے کہ رسول اس تاکیدی حکم کے بعد کیا کرتے ہیں۔ کس امر کی تبلیغ فرماتے ہیں۔

حکم ہوتا ہے بلالؓ منادی کردو حاجیوں میں کہ وہ سب کے سب جمع ہو جائیں جو آگے نکل گئے ہیں وہ پلٹ آئیں جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ بھی آجائیں۔ جس وقت یہ حکم بارگاہ رسالت کا سنایا گیا حجاج جمع ہوئے جن کا شمار ہزاروں کی تعداد میں تھا۔ گرمی کا یہ حال تھا کہ لوگ اپنی اپنی سواریوں کے سایہ میں پناہ لیتے تھے اور اپنی رداؤں کو پاؤں کے نیچے تپتی ہوئی زمین سے بچنے کے لئے رکھتے تھے اور میدان کے کانٹوں میں پاؤں الجھتے جاتے تھے۔ مجمع کے دلوں پر تخیلات کا سمندر موجزن تھا۔ مختلف عمر، مختلف خیال، مختلف خاندان کے ہزارہا نفوس جو علم اسلام کے نیچے واحد و قہار کی عبادت ادا کر کے اپنی منزل کی طرف پہنچا چاہتے تھے اور جن کے دل و دماغ پر کوئی خیال بجز رخت سفر کو آتار دینے کے نہ تھا۔ پیغمبر خدا کے اس غیر متوقع اہتمام اجتماع پر دم بخود ہو گئے ہر ایک یہ محسوس کرتا تھا کہ آج ہمارے رسول کسی جلیل القدر اور عظیم الشان امر کے متعلق تبلیغ فرمانے والے ہیں۔

عرب کا قدیم جغرافیہ دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ مکہ سے خم غدیر تک سیدھا راستہ اور درمیان میں کوئی راہ نہ ہونے سے مجمع خاموشی کے ساتھ پلٹ رہا تھا۔ غدیر کا میدان وہ طویل و عریض خطہ تھا جہاں پہونچ کر مختلف راستے تھے اور مجمع پراگندہ ہو کر اپنی اپنی راہ اختیار کر رہا تھا کہ یکایک پیغمبر خدا نے مسلمانوں کے محیر العقول اجتماع کو اس مقام پر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ مجمع سمٹا یہاں تک کہ ایک لاکھ بیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ (طبقات الانوار۔ معارج النبوۃ، مواہب لدنیہ)

اس سنسان، بے آب و گیاہ جنگل میں مسلمانوں کے جمع ہونے پر حکم ہوتا ہے کہ اپنے رسولؐ کے لئے پالان شتر کا ایک منبر نصب کرو۔ اصحاب پالان شتر کا منبر بناتے ہیں۔ رسول مقبول نماز ظہرین ادا کر کے بالائے منبر علی ابن ابی طالب کو ساتھ لے کر تشریف لے جاتے ہیں اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ بعد اتمام خطبہ یوں گہر فشاں ہوتے ہیں۔ "آگاہ ہو میں اب اس عالم فانی سے گزرنے والا ہوں اور میں نے دعوت الٰہی کی لبیک کہی ہے۔ تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں دو امر عظیم جو ایک دوسرے سے عظیم مرتبہ رکھنے والے ہیں چھوڑے جاتا ہوں۔ وہ دو امر قرآن اور میرے اہل بیت ہیں۔ دیکھو ان دونوں امور کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور ان کے حقوق کی رعایت کرنا۔ یہ دونوں امر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے جب تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر مل جاویں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان معجز بیان پر جاری فرمایا کیا میں تم سب میں اولیٰ و افضل نہیں ہوں"۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا بے شک آپ اولیٰ و افضل ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے دست حق پرست سے حضرت علی کو پکڑ کر اس قدر بلند فرمایا کہ سفیدی بغل نمودار ہونے لگی اور فرمایا "بے شک خداوند کریم میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مومنین کا مولیٰ ہوں اور جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے۔ میرے پالنے والے دوست رکھ اس شخص کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن کر اس سے جو علیؑ کا دشمن ہو۔ اس کی نصرت کر جو علی کا ناصر ہو ذلیل کر اس کو جو علی کو ذلیل کرے۔"

(معارج النبوۃ ص ۳۱۸ مطبوعہ لکھنؤ، جامع الاخبار ص ۱۲ مطبوعہ لکھنؤ و مواہب لدنیہ جز اول صفحہ نمبر ۱۶۹

چھاپہ مصر ۱۳۲۱ھ ہجری)

اس طرح جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے فرض کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیا۔ حاضرین جوق در جوق تہنیت دیتے ہوئے رخصت ہونا شروع ہوئے۔ تمام اصحاب نے علی علیہ السلام کو اس کی تہنیت دی۔ حتیٰ کہ ازواج رسولؐ نے بھی حضرت علی کو تہنیت ادا کی۔ غالباً سب سے پہلے حضرت عمرؓ اپنی دینی ترقی کے ثبوت میں ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے آگے بڑھے اور مبارک باد دیتے ہوئے کہا "اے پسر ابوطالب مبارک ہو آپ نے آج یوں صبح کی کہ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ قرار پائے۔ (غرائب القرآن جلد دوم ص۲۳)

غرضکہ اٹھارہ ذی الحجہ کو غدیر کے مقام پر رسول کریم کا یہ ایسا مسرت انگیز اعلان ہے جس سے قلوب اہل عرفان بالیدہ نظر آرہے ہیں۔ ایمان والوں کا گل مراد کھلتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت تھی کہ افتراق پسند ہستیوں نے بھی مبارک باد دینے میں عذر نہ کیا اور دوست و دشمن ایک مطلب پر ہم آواز ہو گئے رسول کے دل کی کلی بھی شگفتہ ہو گئی اور قدرت نے بھی فرط مسرت میں تکمیل دین، اتمام نعمت اور پسندیدگی اسلام کا مژدہ سنایا (مائدہ ۳:) [الدر المنثور]

حماد اہل بیت حکیم مظاہر حسین صاحب مومن فرقانی نے اس روح پرور اور مبارک واقعہ ایک سادہ اور دلنشین نظم میں یوں پیش کیا ہے ؎

پھرے جب حج آخر سے پیمبر — یہ آئی وحی تب رب العلا کی،
ابھی پہونچاؤ یہ پیغام ورنہ — نہ کچھ خدمت رسالت کی ادا کی
نہ کرنا خوف کچھ اعدا کے شر سے — کہ نصرت ساتھ ہے ہر دم خدا کی
یہ سُن کر احمد مرسل نے فوراً — منادی حاجیوں میں جابجا کی
غرض منبر کجاووں کا بنا کر — نبی نے پہلے خالق کی ثنا کی
اٹھایا پھر علی مرتضےٰ کو — نمایاں تھی بغل دست خدا کی
غدیر خم پہ احمدؐ نے علیؑ کو — بنایا جانشیں، مدح وثنا کی
کہا من کنت مولا جب نبی نے — ہوئی تکمیل دین کبریا کی،
تو پھر حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر — مبارک باد دی، مدح وثنا کی
کہا مولا ہو تم سب مومنیں کے — خدا نے سب پہ سرداری عطا کی

ہوئی پھر آیہ اَکْمَلْتُ نازل
خدا نے نعمتوں کی انتہا کی

غرض کہ واقعہ خم غدیر ایک ایسی زندہ حقیقت ہے جس کی تفصیلات واضح ہیں اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور ایسے پیغام الٰہی پر مبنی ہے جس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ رسالت کا خصوصی فریضہ قرار دی جاتی ہے اور اتنی اہم ہے کہ جس پر سرکار رسالت کی تمام تر تبلیغ کا دار و مدار ہے۔ جس انوکھی نوعیت، غیر معمولی اہتمام اور عملی تدبیر کے ساتھ۔ رسول اللہ نے اس تاکیدی امر تبلیغ کا فرض ادا کیا وہ تاریخ عالم میں یکتا و بے مثال ہے ایسے عظیم واقعہ کی یادگار قائم رکھنا ایمان کا تقاضا ہے قومی شعور ہے۔ اس لحاظ سے یہ قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ عید غدیر خاص اہل تشیع کی عید ہے بلکہ یہ ہر اس شخص کی عید ہے جو دامن اسلام سے متمسک ہے جس کی نظروں میں تبلیغ رسالت کی حقیقی عظمت و وقعت ہے اور رسول برحق کی اطاعت مطلقہ کا صدق دل سے یقین رکھتا ہو۔ کیوں اس دن رسول مقبول نے تبلیغی فرض کو کمال کے آخری حد تک پہنچایا۔ اور ان کو اس کارکردگی پر خداوند عالم نے یہ عظیم اور مبارک ترین صلہ عطا فرمایا کہ تم نے رسالت کے ایسے گراں بار کام کو کماحقہ، تحمل اور خوش اسلوبی سے انجام تک پہنچا دیا تو میں نے بھی اپنے دین اور نعمتوں کو تمام کیا تمہاری امت کیلئے" اس اکمال دین اور اتمام نعمات کے مژدہ کی یاد ہی عیدِ غدیر سے منسوب ہے۔

عید کے معنی ہی شکر نعمت ہیں۔ دینی انبساط، روحانی مسرت، قلبی فرحت نعمت کے احساس سے حاصل ہوتی ہے ہمارا فرض ہے کہ سپاس گذاری، ممنونیت، نیاز مندی، انکساری اور اظہار بندگی کے جذبات کے ساتھ اللہ کی طرف سے دی ہوئی نعمت کا بجا طور پر شکریہ ادا کرتے رہیں۔ یہی وہ ذریعہ اور راستہ ہے جس کی بدولت بندوں کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں میں روز افزوں اضافہ ہوا کرتا ہے۔ نعمت کا جس قدر شکر ادا کیا جائے اس میں اسی قدر اضافہ بھی اللہ کی طرف سے ہوگا۔ (سورۂ ابراہیم : ۷) اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں۔

عید الفطر بھی تکمیل صیام کا شکریہ اور اظہار بندگی ہے۔ یہ عید عبادت صوم کے ادا کرنے کی توفیق پر منت پذیری اور جذبات تشکر کا اظہار ہے۔ عید الفطر کے منانے کا مقصد ماہ رمضان کے بابرکت ایام میں احکام خداوندی کی تعمیل اور تکمیل کی توفیق ملنے پر اور اس کے ذریعہ تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کے حصول پر خوشی اور مسرت کے اظہار کے لئے بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر ادا کرنا ہوتا ہے۔

عید الضحیٰ حق تعالیٰ کے حضور ایک عظیم انسان کی عظیم قربانی پیش کرنے کی یادگار ہے اور خلیل خدا جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر سے اپنی وابستگی اور ان پر ایمان کا اعلان ہے اور اس وابستگی کی نعمت پر خوشیوں کا مظاہرہ ہے۔

عید غدیر تمام عیدوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے یہ وہ مبارک دن ہے جس میں اپنی نعمتیں امت محمدیہ پر ختم

ہوئیں اور سرورِ کائنات خاتم النبین نے غدیر خم کے مقام پر ایک روح پرور تاریخی تقریب منعقد فرما کر تکمیلِ دین کا عالم گیر مظاہرہ کیا۔ اتمامِ نعمت اور اکمالِ دین سے بڑھ کر اور کون سا امر اجتماعی مسرت اور جشن شادمانی کے لئے ہو سکتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عید غدیر جوش و عقیدت کے ساتھ مناتے ہیں اور اجتماعی طور پر خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں، حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اسلام میں ہر خوشی، ہر جشن اور ہر عید کا مقصد غور و فکر کا معنی خیز عمل ہے جس کا تعلق جسمانی ہیجان اور لذات سے نہیں روحانی فیضان اور دینی ارتقاء سے ہے تاکہ اس بیداری اور شعور کے پیش نظر ان مسرتوں کی وابستگی، اللہ کی عظیم نعمتوں سے رہے جن کی یاد ہمیشہ قلب و نظر میں تازہ ہوتی رہے اس لئے عید غدیر کی خوشی میں مخصوص عبادتوں کی تعلیم دی گئی ہے اور طہارت نفس و خیال میں یکسوئی کی تاکید ہے اور صاف دلی کے ساتھ آپس میں مساوات اور محبت کے لئے معانقہ اور امداد پر بہت زور دیا گیا ہے حقیقت میں عید غدیر ہماری فکر و نظر کی تقدیس، اعمال کی پاکیزگی ملی تنظیم اور معاشرہ انسانی کے فروغ کی لگن کا بہترین خوشگوار پیغام ہے۔ اور فضائے عالم میں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کی حیات پرور صدا پہونچا رہی ہے۔

دیکھنا یہ ہے۔ غور طلب ہے کہ وہ کون سا پیغام ہے جو اکمال دین اور اتمام نعمت کا باعث قرار پاتا ہے جس کے لئے غدیر کے میدان میں خاص اہتمام کیا گیا۔ غدیر میں پیغمبر نے کیا کوئی نیا اعلان کیا۔ حاضرین پر کون سا الہٰی حکم پیش کیا جو اس وقت تک پردے میں تھا۔ کیا پالان شتر کے منبر پر کوئی موعظہ ہوا؟ کیا غدیر کی محفل میں کوئی جدید بات مسلمانوں کے گوش گذار کی۔

ایسا تو نہیں ہے۔ بیعت عشیرہ میں جس عمارت کی بنیاد رکھی تھی آج اس کو صرف بلند کر دیا اس وقت جس مقصد کی داغ بیل ڈالی تھی اس کو غدیر خم کے مجمع کثیر میں اچھی طرح سمجھانا تھا بیعت عشیرہ جس امر کا آغاز ہے غدیر خم کا عظیم الشان خطبہ اس کا انجام ہے۔ غدیر کی حیثیت ایک یادداشت کی تھی۔ مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلانا تھا۔ عید غدیر کی غرض و غایت بھی اصل میں یہی ہے کہ یہ اہم سبق برابر دہرایا جاتا رہے تاکہ اکمال دین میں کوئی فرق واقع نہ ہو سکے اور ہم اپنے اعمال و افعال سے اس ابدی حقیقت کو اجاگر کرتے رہیں کہ ہم اللہ کے شکر گزار بندے ہیں اور اس کے اتمام نعمت پر سپاس گذاری اور بندگی کا حق ادا کرتے ہیں۔

ہم عید غدیر جس جوش و ولولے اور تزک و احتشام کے ساتھ مناتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں انحطاط، جمود اور بے حسی کے باوجود حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سپاس گذاری اور شکر نعمات کے اس قدر بے پایاں جذبات سے مالا مال ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے اعلان غدیر پر ہماری اجتماعی سیرت و کردار کی تمام تر توانائیاں اور خوبیاں از خود اُبھر آتی ہیں۔ ہمارے قلوب من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ کے ضوفشاں فرمان سے منور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے خاکی نژاد تپکوں میں ایمان و عرفان کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ہم پر سعادت کی تمام راہیں روشن ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عید غدیر کا روز سعید نہ صرف ہمارے لئے ان گنت رحمتوں، نعمتوں اور برکتوں کا وفور لاتا ہے بلکہ ہم کو مولائے کائنات کے حضور ہدیۂ تہنیت و نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی سعادت بخشتا ہے جو عین عبادت ہے۔ ذکر علی عبادہ (قول رسول)

اس حقیقت اور عقیدت کی بنا پر یہ یقین اور دعوٰے کیا جا سکتا ہے کہ ذکر علیؑ اور حب علی ہماری سیرت و کردار کا وہ جوہر ہے جو ہمیں مثالی اخلاقی شعور عطا کر سکتا ہے۔ ہمارے نفس میں بالیدگی، دل میں خوف خدا رگوں میں جوشش شجاعت۔ ہمتوں میں بلندی اور آنکھوں میں نور معرفت پیدا کرتا ہے۔ یقیناً یہ ہمارا روح پرور مقدس عمل فروغ انسانیت کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ ہم سب اپنی زندگی سنوارنے میں اس عظیم انسان کے فیوض اور مثالیہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے رہیں اور اس کے حیات آفریں کارنامے دہرانے سے اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت و کردار ہوتی رہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصلح انسانیت، رہبر امت ہادی عالم کا اپنے آخری دور میں حضرت علی علیہ السلام کو من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ کے اعلان عالم سے امت کا مولٰے اور پیشوا قرار دینے کا اصلی مقصد یہی ہے اور اس میں اکمال دین و اتمام نعمت الٰہی اور تبلیغ اسلام کا راز مضمر ہے۔

کاش! ہم بانی اسلام کے اس اعلان و پیغام کا اصل مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کو بخلوص نیت قبول کریں تو ہماری زندگیاں حقانیت و صداقت، سچائی و دیانت، ثبات و استقلال، زہد و تقوٰی اور علم و عرفان سے منور ہو جائیں۔ شرافت نفس اور روحانیت اجاگر ہو جائے اور ہم صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں ہماری موجودہ اور آئندہ نسلیں خوش و خرم اور آزاد و پاک معاشرے میں سانس لیں جس کی بنیاد ہی اب صداقت امانت اور اخلاق پر رکھی گئی ہے اور جس کا تحفظ ہمارا ایمانی فریضہ ہے اسلام کے حقیقی وقار کا باعث ہے۔

خوشا حال، زہے نصیب اہل اسلام کا کہ وہ بانیٔ اسلام کے اعلانِ غدیر پر عقیدت و اطاعت کے جذبات کا اظہار صدق دلی، خلوص اور احترام سے اپنا ایمانی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس معظم اور اہم پیغام کی یاد تازہ کرنے کے لئے عید غدیر بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں تاکہ حق پرستوں کی رہنمائی ہوتی رہے۔ عید غدیر منانے کا مقصد رسول اسلام کے اس خاص نظریے کی نشر و اشاعت اور استواریٔ دین کی دیکھ بھال ہے

اور اس طور سے ہر سال اپنے ماحول اور معاشرہ میں ایک نئی روح پھونکنا ہے۔ اور اسلامی فکر و روحانی اقدار کا تحفظ ہے تاکہ ہم اپنی ثقافت اور تاریخی روایات و شعائر سے دور نہ ہوتے جائیں اور دینی نظریات کامل و مستحکم رہیں۔

عید غدیر کے سلسلہ میں ہماری سرگرمیاں۔ میلاد و محافل۔ فضائل کی صحبتیں، نذر و نیازیں واقعی نہایت مستحسن اور ہمارے جذبات یقیناً" قابل قدر لیکن رسمی تقریبات تک محدود ہیں اور اس عید سعید کی اصل غرض و غایت اور اس کے اہم تقاضوں کا حق پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ نہ ہماری دینی زندگی میں کوئی انقلاب پیدا ہو رہا ہے اور نہ ہماری حیات اجتماعی سنورتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ہمارے اخلاق و اطوار، ہمارے باہمی معاملات، ہماری معاشرت، ہمارا تمدن، ہماری سیرت و کردار، ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی عیاں طور پر ظاہر کر رہی ہے کہ ہماری اکثریت دینی اصول اور فروع سے غافل اور لاپرواہ ہوتی جا رہی ہے۔ روز بروز مذہب سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی ہے۔ دینی و اخلاقی اقدار تیزی کے ساتھ رو بہ تنزل ہیں۔ ایمان ضعیف، اخلاق پست، شعائر دینی فراموش اور افعال قبیحہ عام ہوتے جا رہے ہیں خصوصاً" لامذہبیت، بے دینی اور بے حسی کا رجحان نئی نسل میں بڑی تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ہماری یہ زبوں حالت، ہماری عملی ابتری، ہمارا انتشار اور افتراق ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ آج کل کے واقعات، انقلابات اور ان سے پیدا ہونے والے حالات پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے اس ابتدائی دور میں اپنے فرائض کو سمجھنے کے لئے انتہائی فراست اور دوراندیشی سے کوشش کریں اور ان قومی اجتماعات اور سرگرمیوں کو انقلاب آشنا اور بامقصد بنائیں۔ ایسے اقدامات کریں جو ہمارے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے حیات آفریں ثابت ہوں۔

اس پرآشوب دور میں جبکہ ہر طرف سے دین اسلام کی جڑیں کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے کفر و بدعت کا غلبہ ہے۔ ہماری اولین اور اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ہم ایسے تبلیغی اور دینی مراکز قائم کریں جہاں ہمارے علماء اور فارغ التحصیل طلباء کسی مرجع خاص و عام اور جامع الشرائط شخصیت کی رہنمائی میں تحقیق و تالیف کا کام انجام دیں۔ شریعت حقہ کی نشر و اشاعت کریں اور محمدؐ و آل محمدؐ کے فلسفۂ حیات سے تمام دنیا کے انسانوں کو آشنا کریں۔ ہماری زندگی کا نصب العین ہی محمد و آلِ محمدؐ کی سیرۃ طیبہ طاہرہ ہے اور ان کی ہدایات کے تحت اپنے میں قوت عمل، ایثار اور قومی شعور پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا ہر فرد قوم کا دینی فریضہ ہے کہ مذہب حق کی تعلیم و اشاعت اور علوم دینیہ کی حفاظت کے لئے ایسے مراکز کے قیام اور

تعمیر میں حصہ لے ۔ پاکستان میں اعلیٰ دینی تعلیم کے مراکز کی ضرورت اب شدت سے محسوس کی جاتی ہے خصوصاً جبکہ گذشتہ چند سالوں سے عراق کی سوشلسٹ حکومت ہمارے ہزار سالہ مراکز علم واقع کربلائے معلی اور نجف اشرف کو تباہ و برباد کر رہی ہے مجھے امید ہے کہ افراد ملت اس امر کے سلسلے میں ضرور توجہ فرمائیں گے ۔

نیز نئی نسل میں بڑھتی ہوئی بے راہروی اور لادینیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے لازمی ہے کہ ہم زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہر مقام اور ہر اپنی بستی میں ابتدائی مدرسے، تربیت گاہیں، بچوں کے لئے نرسری اسکول، دارالمطالعے اور ہوسٹل قائم کریں تاکہ ہمارے بچے اپنے ماحول میں تربیت پاکر ملتِ جعفریہ کے لئے قابلِ فخر افراد بن سکیں ۔

وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنا دائرہ عمل وسیع کرتے ہوئے اپنے معاشرے کی تنظیم واصلاح کے کام کا آغاز کریں مثلاً اپنے اقتصادیات کو مضبوط بنانے کے لئے پرزور مہم چلائی جائے ۔ جگہ بہ جگہ اپنی آبادیوں میں ہمارے امداد باہمی اسٹور ہوں ۔ صنعتی مراکز ہوں تاکہ بیکار اور بے روزگار افراد کے لئے کام مہیا ہو سکے اور قوم کی اقتصادی حالت میں انقلاب برپا ہو ۔ ہم میں سے کثیر تعداد افلاس اور ناداری کے بوجھ سے دبی ہوئی ہے کتنے افراد ہیں جو بے روزگاری کے سبب فاقہ کشی پر مجبور ہیں اور ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ جن کا مولا جن کا آقا، جن کا رہبر ایک جفاکش مزدور ہو اور حلال کمائی کی خاطر اپنا خون پسینہ ایک کرتا نظر آئے وہ معاشی بدحالی میں گرفتار ہوں ۔ یہ حقیقت ہم سب کے لئے فکر و عمل کی دعوت ہے ۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ روحانی ترقیوں اور اخلاقی پاکیزگیوں کی باتیں کتنی ہی دل آویز سہی مگر ہمیں کوا چھی بات اس وقت تک ہم نہیں سوجھ سکتی جب تک ہم مالی پاکیزگیوں اور اقتصادی بدحالی اور پریشانیوں سے نجات حاصل نہ کرلیں ۔ لہٰذا ہم آج کی نزاکتوں اور کل کے تقاضوں کا صحیح احساس کرتے ہوئے ایسے ٹھوس اور تعمیری عملی اقدامات کریں جو ہمارے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے حیات آفریں ثابت ہوں اور قوم کے مستقبل کو تابناک بنادیں ۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی ان قومی سرگرمیوں اور اجتماعات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کریں ۔ جہاں ہم اپنی دینی یادگاروں کے ذریعہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں وہاں اپنی قوم کو باوقار اور زندہ رکھنے کے لئے جملہ سامان بھی فراہم کریں اور قوم میں عمل و انقلاب کی روح پیدا کریں ۔

موجودہ انقلابی دور میں تعمیری اقدامات ہی قومی بقاء استحکام اور باوقار زندگی کے ضامن ہیں ۔ ہمارے لئے مستقبل میں بہت ہی مشکلات کا سامنا درپیش ہے ۔ عنقریب ہمارے سامنے ایسی منزل آنیوالی ہے

جس سے کامیابی ساتھ گذرنے کیلئے بڑی تیاری اور بڑے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس وقت اپنی فکری صلاحیتیں اس منزل کو طے کرنے کیلئے تجاویز سوچنے پر مرکوز نہیں کریں گے اور مناسب عمل انجام نہ دیں گے تو ہم کسی ایسے الجھاؤ میں پھنس جائیں گے کہ جس سے نکلنا دشوار تو کیا ناممکن ہو گا۔

میں تجویز کرتا ہوں کہ جہاں آپ عید غدیر کی یادگار منانے کے سلسلے میں جو ہماری قومی ارتقار کی ابتدا ہے اور اتمام دین کی منزل ہے اتنی زحمات گوارا کرتے ہیں وہاں مولا کا نام لے کر ایک عوامی سرمایہ امامیہ فنڈ کی بنا ڈالیں۔ تعمیری منصوبوں کے لئے ہمیں ایسے سرمایہ کی سخت ضرورت ہے۔ ہم اگر اصول سے کام لیں تو بہت جلد ایک گرانقدر سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں جس کے ذریعہ بہت سے تعمیری کام انجام دیئے جا سکتے ہیں ہم اپنے دینی امور و سماجی تقریبات میں لاکھوں بلکہ کروروں روپیہ ہر سال صرف کرتے ہیں کوئی بڑا بار نہ ہو گا اگر ہر فرد ملت آئمۂ اطہار کے مقدس نام پر کم از کم ایک ہی روپیہ جو نہایت قلیل رقم ہے انکی یادگار منانے کے سلسلے میں عطا کرے اس طور سے بہت جلد معقول سرمایہ مہیا ہو سکتا ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا اور ہمارے لئے نہایت ہی دوررس نتائج کا باعث ثابت ہو گا۔

مجھے امید قوی ہے کہ برادران ایمانی میری مذکورہ بالا معروضات پر ضرور توجہ فرمائیں گے اور اگر یہ تحریک مناسب تصور کریں تو میری استدعا ہے کہ رابطہ قائم کرنے کا شرف بخشیں۔ تاکہ ایک دوسرے کے خیالات اور باہمی تعاون اور فکر سے کوئی مفید اور کارآمد لائحہ عمل مرتب کیا جا سکے۔ ملی تنظیم اور فلاح و بہبود کیلئے ہم میں سے ہر ایک کو کرنا ہے۔ قوموں کی تقدیر افراد بناتے ہیں۔ ہر مرد و زن۔ بچے جوان بوڑھے کو اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ آجکل ہم کن مشکلات سے دوچار ہیں اور ہم اپنی قوم و ملت کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں یہ ایک ایسا نازک دور ہے جس کے لئے ہم سب کو متحد ہو کر بھرپور جدوجہد کرنی چاہیئے تاکہ ان تمام مسائل کا جائزہ لے سکیں جو مجموعی طور پر ہم کو درپیش ہیں اور آپس کے مشورے اور تعاون سے ان مسائل کے ایسے حل تلاش کریں جو پوری قوم کے حقیقی مفاد پر مبنی ہوں۔ یہی تقاضائے غدیر ہے اور یہی پیغام محرم ہے ایک سے تکمیل دین وابستہ ہے اور دوسرے سے تحفظ دیں۔

مجلس امامیہ پاکستان کراچی اور تنظیم الاسلام لاہور نے وقتاً فوقتاً مختلف ذرائع سے اور مختلف عنوان سے ہماری توجہ اس اہم ضرورت کی طرف مبذول کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیشک تعمیری کاموں کے لئے معقول سرمایہ کی اشد ضرورت ہے انکی یہ تجویز نہایت مناسب ہے کہ ہم اپنی اپنی آبادی، مختلف شہروں، قصبوں، اور دیہاتوں میں باہمی تعاون کے جذبے کے ساتھ امامیہ فنڈ قائم کریں اور اس سرمایہ کو اپنی ہی مقامی کمیٹی کی تحویل میں رکھکر مناسب طور پر بڑھانے کی سعی کرتے رہیں اور جب ممکن ہو سکے

تو کسی تعمیری عملی کام کو شروع کرنے کی کوشش کریں انشاء اللہ ہم اپنی دینی قومی اور تمدنی تحریک اپنے مولا کے نام کی برکت سے کامیاب ہوں گے۔

اس مبارک و مسعود موقعہ پر میں مومنین کرام کو اپنا پر خلوص ہدیہ تہنیت پیش کرتا ہوں اور ان سے استدعا کرتا ہوں کہ ہم میں کا ہر فردِ غدیر کے نصب العین کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دین کی سربلندی کے لئے کمربستہ ہو جائے یہی عید غدیر منانے کا ایمانی فریضہ اور حقیقی مفہوم ہے۔ اللہ توفیق عطا کرے۔

علی مومن

۷۰۔ ڈی سیٹلائیٹ ٹاؤن (راولپنڈی)

"جس نے لالچ کو شعار بنایا، اس نے اپنے آپ کو حقیر کردیا، اور جس نے اپنی بدحالی کا پردہ کھولا، وہ اپنی خوشی سے ذلیل ہوا، اور جس نے زبان کو اپنا فرماں روا بنایا، اس نے دل کو کمزور کردیا۔"

(حضرت علیؑ)

مرزا آفتاب عالم قزلباش (ایڈووکیٹ)



عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ وَصِیُّ رَسُوْلُ اللّٰہ

اس مضمون میں نہایت اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا جزو کلمہ کی تائید میں ان واقعات کا ذکر کیا جائے گا جو ابتدا تا تکمیل اسلام رونما ہوئے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝ (القرآن سورۂ النجم ۵۳ آیت ۳ و ۴)

اس آیت سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ تابع وحی ربانی تھے اور کچھ نہیں کہتے تھے بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کہلواتا تھا۔

اس ضمن میں ایک اور اہم مسئلہ بھی صاف کر دینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ عام طور سے شیعہ حضرات اپنے سنی بھائیوں سے اس امر پر اختلاف کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے۔ شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ ایمان لائے میں اس بحث میں اپنے سنی بھائیوں کا ہم خیال ہوں اور میرے نزدیک یہ کہنا کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے، حضرت علی کی توہین کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ اس دعوے میں یہ بات مضمر ہو جاتی ہے کہ کوئی ایسا لمحہ تھا جب حضرت علی کا ایمان ہی نہ تھا یا درست نہ تھا، کیونکہ ایمان لانے سے قبل ایمان کا نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے، لیکن حضرت علیؑ نے تو پیدا ہوتے ہی آنحضرتؐ کی رسالت کی تائید کی تھی اور پیدا ہونے سے قبل اُس نورِ محمدی میں شامل تھے جو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خلق کیا تھا۔ لہٰذا سنی بھائیوں کا دعویٰ درست ہے

رہا وصیِ رسول ہونے کا معاملہ تو یہ بات بالکل ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد ان کی جانشینی کے دعویداروں نے یہ دعویٰ تو ضرور کیا کہ مسلمانوں نے اُن کو خلیفہ مقرر کیا لیکن سوائے حضرت علیؑ کے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آنحضرتؐ کی وصیت کے تحت وہ جانشینِ رسول ہیں۔ لہٰذا کوئی اور دعویدار نہ ہونے کی صورت میں حضرت علی کا وصیِ رسولؐ ہونا ثابت ہے۔

اب رہا حضرت علیؑ کی ولایت، امامت اور خلافت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں متعدد مضامین اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں جن کا لب لباب حسب ذیل ہے۔

۱۔ دعوتِ ذوالعشیرہ میں آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا کہ "کون ہے جو اس امر (تبلیغ اسلام) میں میری وزارت کرے اور میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ ہو"۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ صرف حضرت علیؑ نے کمسنی کے باوجود عرض کیا "یا نبی اللہ! اس کام

گئے ہیں حضور کی وزارت کو حاضر ہوں۔" یہ سن کر آنحضرت نے حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھکر فرمایا " دیکھو تم لوگو
میں یہ علی میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے، تم سب اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔" (تفسیر معالم التنزیل بغوی۔
تفسیر خازن بغدادی۔ جمع الجوامع سیوطی۔ ابن جریر طبری۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ گبن جلد ۲ صفحہ ۴۹۹۔ کنز الدلائل صفحہ ۸)

۲۔ **ہجرت** کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علی کو اپنے جانشین کی حیثیت سے مکّہ والوں کی تمام امانتیں ان کے
سپرد کر دیں اور کہا کہ جسکی جو امانت ہو اسکو ادا کر دینا۔ اور رسول مقبول نے اپنی سبز چادر حضرت علی کے سپرد کرتے ہوئے
کہا کہ یہ چادر اوڑھ کر میرے بستر پر میری جگہ سو جاؤ۔ اس موقع پر قرآن کی آیت نازل ہوئی جسکا ترجمہ " لوگوں میں کچھ ایسے
بھی ہیں جو اپنی جان اللہ کی مرضی کی خاطر بیچ دیتے ہیں۔" القرآن سورہ ۲۔ آیت ۲۰۷۔ (احیاء العلوم للغزالی)

۳۔ **حدیثِ مواخاۃ**۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا (ہجرت کے بعد) رسول اللہ نے اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قرار
دیا تو حضرت علی کے بارے میں فرمایا " یہ علی دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں اور میرے اہل میں میرے خلیفہ ہیں اور میری
امت میں میرے وصی ہیں اور میرے علم کے وارث دار ہیں اور میرے قرضہ کے ادا کرنے والے ہیں۔ ان کو مجھ سے وہی خصوصیت حاصل
ہے جو مجھکو ان سے ہے۔ ان کا فائدہ میرا فائدہ اور ان کا نقصان میرا نقصان ہے۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے مجھکو دوست رکھا
اور جس نے ان کو دشمن رکھا اس نے مجھ سے دشمنی کی۔" (ینابیع المودۃ صفحہ ۵۹ طبع بیروت۔ صواعق محرقہ صفحہ ۸۵)۔

۴۔ **مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم سوا نبی اور علی کے دروازوں کے**۔ (تاریخ احمدی
صفحہ ۳۲ ــــ نسائی)۔

۵۔ **جناب سیدہ سے نکاح**: جناب جابر انصاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا " ہر نبی کی ذریت اس کے
صلب میں قرار دی گئی اور میری ذریت علی ابن ابی طالب کے صلب میں ودیعت کی گئی۔ (طبرانی۔ تاریخ احمدی صفحہ ۳۶)۔

۶۔ **جنگ بدر** میں حضرت علی کی نمایاں خدمت دین اور علم برداری۔ (طبری۔ کامل ابن اثیر۔ احمد ابن حنبل۔ تفسیر درمنثور)۔

۷۔ **جنگ احد** میں جب سب مسلمان رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تو آنحضرت نے دیکھا کہ علی انکے پہلو میں مصروف جنگ
ہیں تو آنحضرت نے پوچھا " اے علی کیا بات ہے کہ تم دیگر مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے؟" حضرت علی نے عرض کی " یا حضرت! کیا میں
بایمان ہونیکے بعد کافر ہو جاتا؟ مجھے تو حضور ہی کی پیروی سے کام ہے اور حضور ہی سے مطلب ہے۔ اور مجھے بھاگنے والوں اور مالِ
غنیمت کے طلب گاروں سے کیا واسطہ؟" (علامہ فخر الدین رازی۔ درمنثور سیوطی۔ تفسیر ابن جریر۔ عبدالحق محدث دہلوی مصنف
مدارج النبوت) نیز تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۷ اور تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۸ میں ہے کہ آنحضرتؐ سے جبرئیل نے کہا کہ علی نے آپکی
حمایت میں سخت جنگ کی اور کفار کے علمبرداروں کو قتل کر دیا تو اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا " کیوں نہ ہو علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے
ہوں۔" جبرئیل نے کہا " اور میں آپ دونوں سے ہوں۔" اس وقت لوگوں نے ہاتف غیبی کی آواز سنی جو کہتا تھا " لاسیف
اِلّا ذو الفقار ولافتیٰ الّا علی۔" ترجمہ " ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں اور علی کے سوا کوئی بہادر جوان نہیں۔"

۸۔ جنگِ خندق اور علی کا کل ایمان قرار پانا: جس وقت کفار کے سب سے بڑے پہلوان عمرو بن عبدود نے للکارا تو تمام صحابۂ رسول میں کسی کی جرأت نہ تھی کہ اسکی للکار کا جواب دے۔ ہر بار علی اٹھتے اور فرماتے "یا رسول اللہ میں حاضر ہوں"۔ بالآخر رسولؐ نے علی کو اجازت مرحمت فرمائی اور جب مقابلہ کیلئے نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا "برز الایمان کلّہ الی الشرک کلّہ" ترجمہ "کل ایمان کل شرک کے مقابلہ میں نکلا ہے"۔ (حیات الحیوان جلد ۱ صفحہ ۲۳۸، سیرت محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲، تاریخ الخمیس۔ روضۃ الصفاء، حبیب السیر)۔ نیز شاہ عبدالحق دہلوی محدث نے مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ میں تحریر کیا "غزوۂ خندق میں حضرت علی سے ایسی شجاعت اور کارنامے ظاہر ہوئے جو حدِ قیاس سے خارج ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا "یقیناً جنگِ خندق میں حضرت علی کا جہاد میری امت کے ان تمام اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہے گی"۔

۹۔ جنگِ خیبر: تمام جلیل القدر صحابہ کی ناکامی کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا "لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ"۔ ترجمہ: "کل میں یہ علم اس مرد کو دونگا جو اللہ اور اسکے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اسکا رسول اسکو دوست رکھتے ہیں"۔ (تاریخ طبری صفحہ ۹۳، صحیح بخاری۔ کتاب المغازی)۔ امام مسلم نے اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے کہ "میں نے اس روز کے سوا کبھی امیر بننے کی آرزو نہیں کی"۔ اور علامہ طبری جلد ۳ صفحہ ۳ نے لکھا "جب صبح ہوئی تو اس علم کی آرزو میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں نے اپنے کو لمبا کر کے دکھانا شروع کیا"۔

۱۰۔ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ کعبہ میں داخل ہوئے اور عمارتِ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا شروع کیا تو اکثر بتوں کو فوراً توڑ ڈالا مگر جو اونچائی پر تھے ان کو توڑنے کیلئے حضرت علی کو اپنے کاندھے پر چڑھایا۔ جب علی سب بت توڑ چکے تو رسول اللہ نے پوچھا "اے علی تم اپنے کو اسوقت کیسا پاتے ہو"۔ حضرت علی نے عرض کی "ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے اور گویا میرا سر عرش تک پہونچ گیا ہے"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ اللہ کا کام کرتے ہو اور کیا اچھا نصیب میرا ہے کہ بارِ حق اٹھائے ہوں"۔ جب علی آنحضرتؐ کے کاندھے پر سے کود کر اترے تو مسکرانے لگے۔ آنحضرتؐ نے سبب دریافت کیا تو حضرت علی نے فرمایا "تعجب اس پر ہے کہ میں اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تمکو اٹھایا اور جبرئیل نے اتارا"۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی صاحب مدارج النبوۃ)۔

۱۱۔ جنگِ حنین میں علم برداری کے فرائض حضرت علی کے سپرد کئے گئے۔ جب روزِ حنین اصحاب نے رسول اللہ کے پاس سے فرار کیا تو آنحضرتؐ کے ساتھ صرف چار افراد باقی رہ گئے تھے۔ تین بنی ہاشم یعنی علی بن ابی طالب، عباس اور ابوسفیان بن الحارث اور ایک غیر بنی ہاشم یعنی عبداللہ ابن مسعود"۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۳۷، سیرۃ حلبیہ)۔

۱۲۔ غزوۂ تبوک: مصعب بن سعد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ جب غزوۂ تبوک کیلئے تشریف لیجانے لگے تو حضرت علی (کو مدینہ میں) اپنا خلیفہ بنا گئے۔ جب حضرت علی نے عرض کی "کیا حضور مجھکو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟" حضرتؐ نے فرمایا "اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی"۔ ترجمہ: "کیا تم اس سے خوش نہیں ہوئے کہ تم کو

مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" (صحیح بخاری پارہ ۱۸۔ کتاب المغازی صفحہ ۹۹ نیز صفحہ ۳۸۷)۔

۱۳۔ سورہ برائت اور حضرت علیؑ: حضرت علیؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے (حضرت) ابوبکر کو سورۂ برائت کے ساتھ اہل مکہ کی طرف روانہ کیا۔ پھر (اللہ کے حکم سے) ان کے پیچھے ہی مجھے بھیجا تو میں نے (حضرت) ابوبکر سے سورۂ برائت کا نوشتہ لے لیا۔ یہ دیکھ کر (حضرت) ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے اور پوچھا "یا حضرت کیوں مجھ کو معزول کیا؟" آنحضرت نے فرمایا "یہی بہتر تھا کہ دینی احکام کو میری طرف سے سوا میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی اور نہیں پہونچا سکتا۔ مجھے یہی حکم اللہ سے ملا ہے۔" (صحیح بخاری پارہ ۲۵ صفحہ ۲۳۸۔ فتح الباری پارہ ۱۹ صفحہ ۱۹۴۔ خصائص نسائی صفحہ ۶۳)۔

۱۴۔ مباہلہ: جب نجران کے نصرانیوں سے علمی بحث میں کوئی فیصلہ نہ ہوا تو طے پایا کہ مباہلہ کیا جائے۔ آنحضرت کو وحی ہوئی کہ ان سے کہو کہ "تم اپنے بیٹوں کو لاؤ اور ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں۔ تم اپنی عورتوں کو لاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو لاتے ہیں۔ تم اپنے نفسوں کو لاؤ اور ہم اپنے نفسوں کو لاتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کیلئے بددعا کریں اور اللہ کے عذاب کو جھوٹوں کیلئے قرار دیں" (القرآن سورہ ۳ آیت ۵۴)۔

باوجود اس کے کہ پیغمبر کا آخری زمانہ تھا اور کثیر صحابہ موجود تھے اور ازواج بھی موجود تھیں مگر آنحضرتؐ بیٹوں کے تحت صرف حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو اور عورتوں کے تحت صرف جناب فاطمہ زہرا کو اور نفسوں میں صرف حضرت علی کو اپنے ہمراہ میدان مباہلہ میں لیگئے۔ جس وقت نجران کے نصرانی راہبوں نے ان پنجتن پاک کو آتے دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا "ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرنا کہ ہلاک ہوجاؤ گے اور کوئی نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔" ابوالحارث نجران کا سردار تھا بولا "میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے یہ چاہیں کہ پہاڑ کو ہٹا دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔" (تاریخ احمدی صفحہ ۳۰۔ ابن اثیر۔ صحیح مسلم۔ مدارج النبوۃ۔ ابن خلدون۔ حبیب السیر)۔

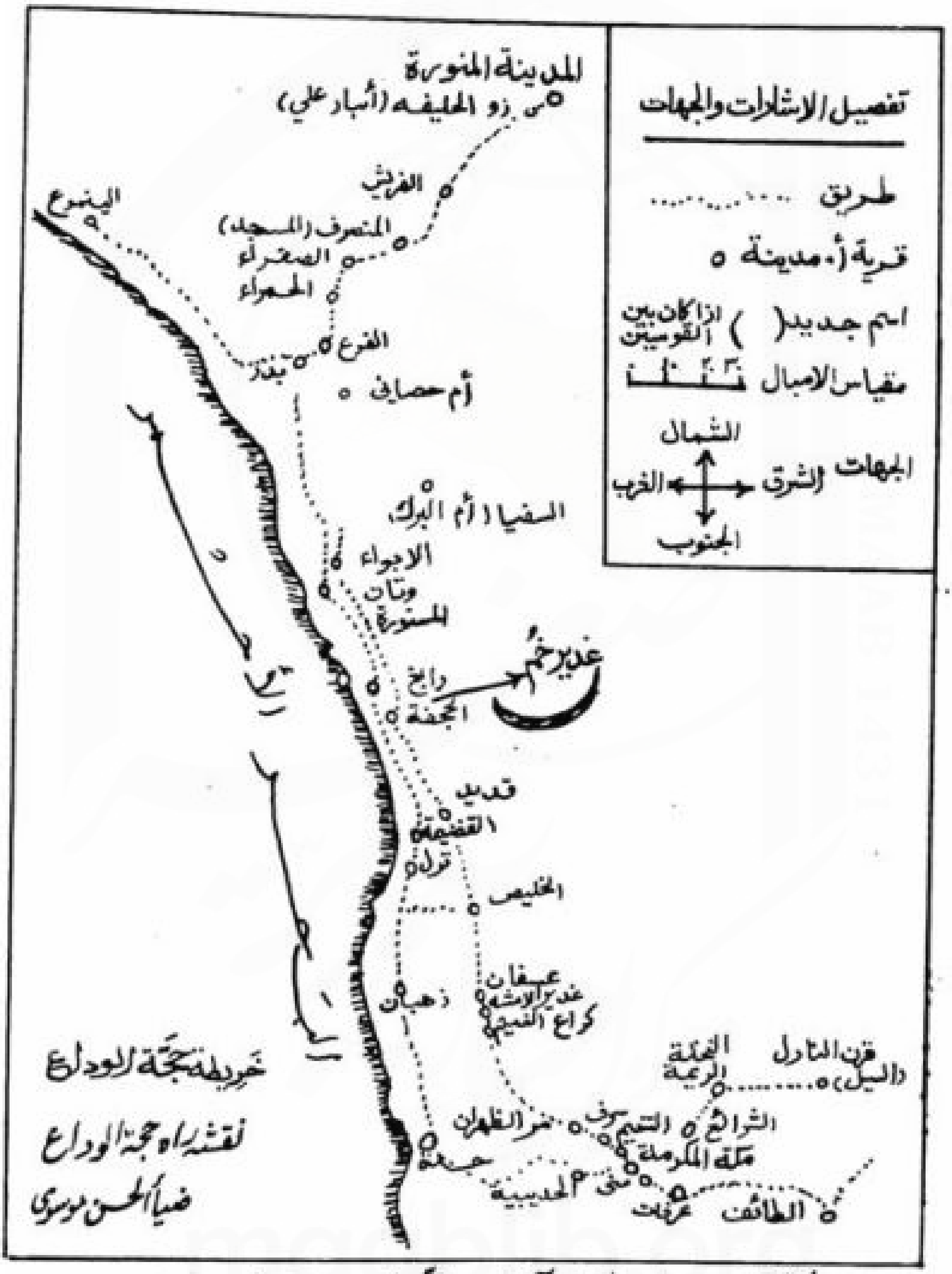
۱۵۔ غدیر خم: آیت یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗؕ (المائدہ آیت ۶۷) کے معنی مذکور ہیں "اے رسول اس حکم کو پہونچا دو جو تمہارے رب نے نازل فرمایا ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے رسالت ہی کو نہ پہونچایا۔" جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت نے (مقام غدیر پر قیام کرنیکے بعد تمام حاجیوں کو جمع کر کے) پوچھا "کیا میں تمہارے نفسوں سے تم پر اولیٰ ہوں؟" تو سب نے کہا "بیشک۔" اس پر آنحضرت نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا "جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ اے اللہ دوست رکھ اسکو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو اسے دشمن رکھے اور ذلیل کر اُسے جو اسے ذلیل کرے اور مدد کر اسکی جو اسکی مدد کرے اور حق کو موڑ دے جس طرف علی مڑے۔" اس کے بعد حضرت عمر نے کہا "اے ابوطالب کے بیٹے تمہارے لئے مبارک ہو کہ اب تم ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ اور آقا ہو گئے۔" حتیٰ کہ ازواج نبی نے بھی مبارکباد دی۔ اسی وقت آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (المائدہ آیت ۳) ترجمہ: "آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔" (روضۃ الاحباب۔ صواعق محرقہ بروایت طبرانی۔ مشکوٰت۔ مسند احمد ابن حنبل۔ مدارج النبوۃ)۔

دعوت ذوالعشیرہ سے غدیر تک جو وعدے حضرت علی سے علی الاعلان کیے گئے اور جب حضرت علی اپنے تمام وعدوں کی تکمیل میں کامیاب ہوئے تو اللہ کے حکم سے آنحضرتؐ نے حضرت علی کو تمام مسلمان حاجیوں کی موجودگی میں مولیٰ۔ ولی۔ وصی اور خلیفہ مقرر کیا اور اس طرح دین کی تکمیل ہوئی اور دین حق جسکی ابتدائی دعوت کلمۂ توحید "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" سے دی گئی تھی جسکے نتیجہ میں کفار مکہ کے غیض وغضب کی وجہ سے آنحضرتؐ کو شعب ابوطالب میں محصور ہونا پڑا تھا، اور بعدہٗ کلمۂ اسلام " لا الٰہ الا اللّٰہ۔ محمدٌ رسول اللّٰہ " کے اعلان سے کفار مکہ کا غیض وغضب اس حد تک بڑھ گیا کہ آنحضرتؐ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی تھی، آج اعلانِ غدیر کے بعد مکمل ہوا اور کلمۂ ایمان " لا الٰہ الا اللّٰہ۔ محمدٌ رسول اللّٰہ۔ علیٌ ولی اللّٰہ۔ وصی رسول اللّٰہ " قرار پایا اور اللہ نے بذریعہ وحی جو وعدہ کیا تھا " وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ " ترجمہ : " اللہ تم کو لوگوں کی دشمنی سے بچائے گا۔ (القرآن سورۂ مائدہ آیت ۶۷) پورا ہوا اور تمام مسلمان حاجیوں اور ازواج نبی نے اس کلمۂ ایمان کو قبول کیا اور حضرت علی کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ اس واقعہ کے بعد تمام مسلمانوں کے لئے یہی کلمۂ ایمان رہا اور جزوِ اذان بھی قرار پایا۔

"دنیا ایک کاروان سرا ہے، ٹھہرنے کا گھر نہیں۔ اور اسمیں دو طرح کے لوگ ہیں : ایک وہ جنھوں نے اپنے آپ کو اس ہی میں بیچ کر قید کر دیا، دوسرے وہ جنھوں نے اپنے آپ کو خرید کر آزاد کر لیا۔"

(حضرت علیؑ)

نقشۂ غدیر خم



آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَن کنتُ مولاہ فھٰذا علی مولاہ

شیخ شوکت علی پرنٹرز کراچی